پیامِ تعلیم دہلی

ایڈیٹر:- محمد حسین حسان (ندوی، جامعی)

قیمت سالانہ عہ ۔ فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۲ — جنوری ۱۹۳۹ء — نمبر ۱

فہرستِ مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

پیام بچوں اور بچیوں کو نیا سال مبارک!

پچھلا سال تمھارے پرچے کے لئے بہت مبارک رہا۔ اس کے خریدار بھی برابر بڑھتے رہے۔ اس کے مضمون اور ترتیب بھی بچوں میں بہت پسند کی گئی اور اس کی برادری نے بھی بہت ترقی کی۔ کئی شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ اور بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔

ہمارا پچھلا سال گرہ نمبر تعلیم کے ماہروں اور اخبار کے ایڈیٹروں نے بہت زیادہ پسند کیا اور اُسے بچوں کے لئے صحیح معنوں میں بہت مفید اور بالکل نئی چیز بتایا۔ اسی لئے اس کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوگیا دوسرا ایڈیشن بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ ہاں کاغذ اچھا لگایا گیا ہے۔

جو بچے کہانیاں پڑھنے کے عادی ہیں انھیں بےشک رسالے کے مضمون اچھے نہیں لگے۔ یہ مرض ہمارے بڑوں میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے لئے کچھ اچھی نہیں ہے ہمیں کچھ عملی کام بھی کرنا چاہیے اور پیام تعلیم نے دیس کے بچوں کو مختلف صورتوں سے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور وہ یہ کام برابر کرتا رہے گا۔

سالگرہ نمبر پر رائے بہت سے بچوں نے لکھی ہے محمد عطاء اللہ خاں طالب علم درجہ ہشتم ساگر کا مضمون سب سے اچھا سمجھا گیا۔ انعام ان ہی کو بھیجا جائے گا مضمون جانچنے والے صاحب کو شکایت ہے کہ ان کے مضمون میں کہیں کہیں نامناسب الفاظ آگئے ہیں۔

اس پرچے میں طوطوں کی جوڑی ایک سات رنگی تصویر شائع ہو رہی ہے یہ محترمہ ممی عباد الرحمٰن صاحبہ نے سال گرہ نمبر کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ لیکن دیر میں آئی۔ اس لئے مجبوراً جنوری کے پرچے میں چھپ رہی ہے۔ اس پر مضمون صالحہ عابد حسین صاحبہ سے لکھوایا گیا ہے۔

اس سال ہماری برادری میں دو افسوسناک حادثے ہوئے ہمارے پرجوش پیامی مبشر احمد صدیقی کے والد نے اچانک فالج کے مرض میں انتقال کیا اور عزیزہ حمیرا انصاریہ کی چچی صاحبہ کا ۱۶ دسمبر کو انتقال ہوگیا ہمیں ان دونوں سے دلی ہمدردی ہے۔ امید ہے کہ پیامی ان دونوں کے حق میں مغفرت کی دعا کریں گے ؎

نئے سال کی دعا

جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

خدایا! نئے سال کا یہ اثر ہو
زمانہ ہمارا خوشی میں بسر ہو

نہ ہو کاہلی ہم کو دم بھر گوارا
نہ دن کوئی بے کار جائے ہمارا

ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دے
عمل کا ہو جس سر میں سودا وہ سر دے

ضرورت کا احساس کرنا سکھا دے
ہمیں قول کا پاس کرنا سکھا دے

ادا فرض جان اور دل سے کریں ہم
اسی دھن میں زندہ رہیں اور مریں ہم

غریبوں کے ہم کام آئیں ہمیشہ
مدد اُن کی ہم کر دکھائیں ہمیشہ

عنایت ہمیں چشمِ بینا ہو یارب
عطا پاک کینے سے سینہ ہو یارب

یہ نیرؔ کی باتیں نہ دل سے بھلائیں
عمل ان پہ اس سال ہم کر دکھائیں

ننھی سونیا

محمد احسان یحییٰ صاحب

سونیا روس کے گھنے جنگلوں میں ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ اس کی ماں مر چکی تھی، پھر بھی وہ بہت خوش تھی۔ اس کا باپ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ مگر کچھ دنوں بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ سوتیلی ماں اپنی لڑکی بھی ساتھ لائی۔ اس کا نام نتاشا تھا۔ نتاشا نے جھونپڑی میں گھستے ہی غریب سونیا کو تنگ کرنا شروع کر دیا

پہلے ہی دن نتاشا نے چار رکابیاں دستر خوان پر رکھی دیکھیں تو تعجب سے کہنے لگی "یہ چوتھی رکابی کس کے لئے؟ اسے فوراً اٹھا لو" بڈھے باپ نے دبی زبان سے کہا "یہ تو سونیا کی رکابی ہے" نتاشا کڑک کر بولی" اور کھانا کون کھلائے گا یہ تو بتلایئے؟ سونیا اس رکابی کو فوراً اٹھالو اور باقی رکابیاں صاف کرکے لاؤ" جب سب کھا پی چکے تو سونیا کی باری آئی، جو کچھ بچا کھچا تھا وہی زہر مار کیا۔ بے چاری کا پیٹ بھی نہ بھرا۔

سونیا یہ سوچ کر بہت اداس ہوئی کہ اب تو ہر روز یہی ہوا کرے گا۔ رات کو سونے کے لئے پلنگ پر گئی تو وہاں نتاشا سو رہی تھی۔ بے چاری فرش ہی پر لیٹ رہی۔

سونیا کو اب کھانا بھی پکانا پڑتا اور گھر کا تمام کام کاج بھی کرنا پڑتا۔ اور صبح سے شام تک لعن طعن بھی سنتی۔ اس کا باپ اس کی حمایت میں کوئی بات کہتا تو دونوں ماں بیٹیاں طرح طرح سے اسے پریشان کرتیں۔ مجبوراً اس نے بھی چپ سادھ لی۔

سونیا دن بھر کام کرتے کرتے تھک کر چور ہو جاتی۔ پر سوتیلی ماں اور بہن کا منہ پھر بھی سیدھا نہ ہوتا۔ اس لئے وہ ہر وقت غمگین رہتی۔ پر نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ دن بدن خوب صورت نکلتی آتی تھی۔ تھی تو نتاشا بھی خوب صورت مگر ہر وقت کے چڑچڑے پن اور بد مزاجی کی وجہ سے اس پر پھٹکار سی برسنے لگی تھی۔ ایک دن اس نے اپنی صورت آئینے میں دیکھی، پھر سونیا کے چہرے پر نظر ڈالی بس جل کے راکھ ہی تو ہو گئی۔ سوچنے لگی کہ اسے کیسے یہاں سے دور دفان کیا جائے۔ سوچتے سوچتے ایک تدبیر سمجھ میں آ گئی۔

ایک دن خوب سردی پڑ رہی تھی، برف بھی گر رہی تھی، تمام زمین سفید نظر آ رہی تھی۔ غریب سونیا کام دھندے میں مشغول تھی کہ نتاشا نے اُسے پاس بلا کر کہا۔ "جاؤ میرے لئے کنول کے پھول لے آؤ"

سونیا نے بیزار کہا کہ ایسے میں۔ میں کہاں ماری ماری پھروں۔ پھول کہیں نہ ملیں گے۔ مگر نتاشا نے ایک نہ سنی۔ اور زبردستی جھونپڑی میں سے نکال دیا۔ اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ اپنا بھیڑ کی کھال والا کوٹ پہن لیتی۔ آخر وہ پھولوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ برف سے زمین سفید ہو رہی تھی پھولوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھی اور بار بار اُسے اپنی جھونپڑی اور بستر کا خیال آ رہا تھا۔ مگر پھول لئے بغیر کیسے گھر لوٹ سکتی تھی۔ اتنے میں برف تیزی سے گرنے لگی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ مگر وہ برابر آگے قدم بڑھاتی رہی اور اتنا چلی کہ تھک کر چور ہو گئی۔ برف پر لیٹنے ہی کو تھی کہ کچھ فاصلے پر اُسے روشنی نظر آئی۔ سمجھی کہ کوئی جھونپڑی ہے۔ اس میں ایک نئی طاقت آ گئی اور تیزی سے اس طرف دوڑنے لگی کچھ قریب آئی تو معلوم ہوا کہ آگ کا بہت بڑا الاؤ ہے چاروں طرف بارہ آدمی بیٹھے ہیں ان میں سب سے بوڑھا آدمی تخت پر ہے۔ اس کے ہاتھ میں بادشاہی ڈنڈا ہے۔ بڑے میاں کے بال برف جیسے سفید آنکھیں نیلی نیلی صاف و شفاف داڑھی زمین کو چھو رہی تھی۔ اس نے سونیا سے کہا "بچی! تو بارہ مہینوں کے وطن میں کیا چاہتی ہے۔ میں بادشاہ دسمبر ہوں۔ تو ہمیں پریشان کرنے کیوں آئی ہے!!"

سونیا نے بہت عاجزی سے کہا " بوڑھے بابا! مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔ میں تو بس آپ کے الاؤ پر تاپنے آئی ہوں۔ میں بہت دور سے آ رہی ہوں اور سردی سے برا حال ہے " یہ سن کر گیارہ آدمی ایک طرف کو ہو گئے، اور سونیا بادشاہ دسمبر کے پاس کھڑی تاپنے لگی۔ اس وقت اس سے ضبط نہ ہو سکا اور آنسو اس کے رخساروں سے ڈھلک کر شاہ دسمبر کے کپڑوں پر گر گئے اور فوراً چھوٹے چھوٹے برف کے ٹکڑے بن گئے۔ دسمبر نے پوچھا " بچی تو اس قدر غمگین کیوں ہے؟" سونیا نے اپنی کہانی سنائی۔ دسمبر فوراً کھڑا ہو گیا اور ایک نیلی چمکتی ہوئی آنکھوں اور گھنگھرالے بالوں والے نوجوان نے ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور بادشاہی تخت پر بیٹھ گیا۔ یہ مارچ کا مہینہ تھا۔ مارچ نے اپنا ہاتھ ہلایا اور برف پگھلنا شروع ہوا۔ ہوا میں بھی موسم بہار کی سی خوشبو آنے لگی۔ سونیا نے اپنے پیروں کی طرف نظر کی تو بہت سے پودے اور کنول کے بہت سے پھول نظر آئے۔ مارچ نے کہا " جلدی جمع کر و۔ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔" سونیا نے جلدی جلدی پھول دامن میں بھر لئے۔ اتنے میں مارچ نے بادشاہی ڈنڈا دسمبر کو واپس کر، اسے تخت پر بٹھا دیا۔ جاڑوں کی سلطنت دوبارا قائم ہو گئی۔ سونیا نے سب مہینوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور اتنی تیزی سے دوڑی کہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی اپنی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔

نتاشا اور اس کی ماں سونیا کے ہاتھ میں کنول کے پھول دیکھ کر ششدر رہ گئیں انھوں نے بہت پوچھا کہ یہ پھول کہاں سے لائی؟ مگر سونیا نے بس اتنا جواب دیا۔ " جنگل سے لائی ہوں "

اگلے دن ماں بیٹیوں میں رائے ہوئی کہ اس سے بیر منگوانے چاہئیں نہ لا سکی تو ہم دروازے بند کر دیں گے اور اسے بھیڑئے کھا جائیں گے۔ ماں نے سونیا سے کہا " جاؤ اس ٹوکری میں بیر بھر لاؤ نہ لا سکوگی تو ہم دروازہ بند کر لیں گے اور بھیڑیے تمھیں کھا جائیں گے " یہ کہہ کر اس نے جھاڑو لی اور اسے جھونپڑی سے باہر نکال دیا۔ غریب سونیا چلاتی ہوئی بھاگی کہ " بارہ مہینوں کو کہاں پاؤں " وہ گھنٹوں ادھر اُدھر دوڑتی رہی۔ سردی سے کانپ رہی

تھی۔ آخر تھک کر چور ہوگئی تو دُور بہت دُور اُسے دُھندلی سی روشنی نظر آئی۔ وہاں پہنچی تو بوڑھا دسمبر تخت پر بیٹھا تھا اور گیارہ مہینے اس کے آس پاس جمع تھے۔ دسمبر نے سونیا سے پوچھا "اب تم کیوں پریشان ہو؟" سونیا رو کر بولی "بیر" دسمبر تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا اور جون کے مہینے سے کہا "لو جون! میرا شاہی ڈنڈا" ایک سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والے نوجوان نے شاہی ڈنڈا لیا اور تخت پر جا بیٹھا۔ برف فوراً پگھل گیا اور سونیا کو سبز سبز پتوں میں سے سینکڑوں سُرخ سُرخ چمکتے ہوئے بیر اپنے پیروں کے پاس ہی دکھائی دئے۔ جون نے کہا "سونیا جلدی سے جمع کر لو میں دسمبر کی جگہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔" سونیا نے جلدی جلدی اپنی ٹوکری بھرلی۔ دسمبر اپنے تخت پر واپس آگیا اور ایک مرتبہ پھر برف کی وجہ سے تمام جنگل پر سفیدی چھاگئی۔

اب بارہ مہینوں نے ننھی سونیا سے کہا "جاؤ بیٹی اپنے گھر جاؤ۔" اتنا کہنا تھا کہ پلک مارتے میں سونیا اپنی جھونپڑی کے پاس پہنچ گئی۔

سونیا نے ٹوکری نتاشا اور اُس کی ماں کے آگے رکھ دی اور کہا "لیجئے بیر"۔ دونوں ماں بیٹیاں اب تو اور بھی حیران رہ گئیں۔ پہلے تو انھوں نے سب بیر چٹ کر گئے غریب سونیا کو ایک بھی نہ دیا۔ پھر اُس سے بولیں "اری سچ بول یہ تو کہاں سے لائی" سونیا نے پھر وہی جواب دیا "جنگل سے" نتاشا کہنے لگی "کل میں بھی لاؤں گی۔"

دوسرے دن نتاشا نے گرم کوٹ اور موٹے موٹے اونی جوتے پہنے۔ گرم ٹوپی اوڑھی اور کنول اور بیروں کی تلاش میں چل کھڑی ہوئی وہ برابر چلتی رہی، چلتی رہی آخر تھک کر چور ہوگئی تو اُسے کچھ روشنی نظر آئی۔ قریب پہنچی تو وہ شاہ دسمبر اپنے گیارہ مہینوں سمیت بیٹھا تھا۔ نتاشا آگ کے پاس جا پہنچی اور زبردستی اپنا راستہ بنا کر وہ تاپنے لگی۔ مہینوں نے کہا "لڑکی تم کیا چاہتی ہو" نتاشا بگڑ کر بولی "تم سے مطلب؟ تم پوچھنے والے کون" یہ کہہ وہ کنول اور بیروں کی تلاش میں انگلیں گھسیڑنے لگی۔

ایکا ایکی آگ ٹمٹمائی اور بجھ گئی۔ دسمبر

نتاشا کو اپنی ٹھنڈی انگلیوں سے چھوا اور جیسے اس کے کان میں کچھ کہا اس کی سانس بہت ہی ٹھنڈی تھی۔ اتنی ٹھنڈی کہ اس کے اثر سے وہ فوراً ہی زمین پر گر گئی۔ اب برف تیزی سے گرنا شروع ہوئی نتاشا کا سارا جسم برف سے ڈھک گیا۔

نتاشا کی ماں نے اس کا بہت انتظار کیا جب ناامید ہوگئی تو خود اس کی تلاش میں نکلی۔ پر وہ بھی واپس نہ آئی۔ بھولی سونیا حیران تھی کہ ان دونوں کو کیا ہوگیا کبھی کبھی جھونپڑی کے باہر سے ان دونوں کے چلانے کی آواز آئی تھی۔ مگر دروازہ کھولنے پر سوائے ہوا کے کچھ بھی نہ ہوتا۔

اسی طرح دن گذر رہے تھے کہ ایک خوب صورت شہزادہ سونیا کی جھونپڑی تک آیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ایک دن سردیوں کے موسم میں ان کی شادی ہوگئی ہر شخص حیران تھا کہ ایسی سردی میں کنول کے پھول اور دعوت کے لئے ایسے مزے مزے کے بیر کہاں سے آگئے

پہیلیاں

(مسیح الدین متین)

(۱)

ایک عجیب مرغ دیدم ہفت رنگیں جانور
شیر چشم۔ فیل گردن جست آہو۔ بانگ خر

(۲)

نٹا نگیں زمین پر لگیں اور ایک بے اگہار
بن بادل، بن بجلی برسے موسلادھار

(۳)

سابیڑی طوق گردن کمر میں زنجیر ہے
دن کو بچھڑے رات ملے عشق دامن گیر ہے

(۴)

ایک عورت ہے بڑی دیوانی
سر پہ آگ اور پاؤں پہ پانی

(۵)

اے روشنی بزم کوئی تجھ سا بھی ظالم ہوگا
تجھے پروا نہ ہو اور جل کے کوئی جاں کھو جائے

(۶)

گھوم گھمہ لہنگا پہنے۔ ایک پاؤں سے رہول کھڑی
آٹھ ہاتھ ہیں اس ناری کے صورت اس کی لگے پری

ننھے کی مینا

وفا۔ فرخ آبادی

ننھے نے اک مینا پالی | بھوری بھوری، کالی کالی
سر پر اس کے اونچی چوٹی | چونچ ہے جیسے بیر بہوٹی
پیلے پیلے پیروں والی | بولی اس کی سب سے نرالی

گھر میں بلی جب گھس آئے | پر کو پھلائے، سہمی جائے
روٹی مانگے، پانی مانگے | حلوا اور کچوری مانگے

گھر سے ننھا باہر جائے | "ننھا" کہہ کر اس کو بلائے
آجا پیارے ننھے آجا | تو ہے اپنے گھر کا راجا
گھر بھر تجھ کو پیار کرے گا | پھل، میووں سے گود بھرے گا
میٹھے میٹھے پھل تو لانا | اور مجھے بھی ساتھ کھلانا

آجا تجھ کو گیت سناؤں | گود میں بیٹھوں جی بہلاؤں
جیسے وفا کا گانا پیارا | ویسا ہی تو سب کو دلارا

تیری مینا، پیاری مینا
سندر، سندر، نیاری مینا

راجہ اشوک

از مرزا حسن

آؤ ہم تمھیں ایک نہایت رحم دل اور نیک بادشاہ کی کہانی سنائیں۔ یہ بادشاہ راجہ اشوک تھا۔ جو آج سے دو ہزار سال پہلے ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔

شروع میں دوسرے بادشاہوں کی طرح اُسے بھی سیر و شکار کا بہت شوق تھا۔ بادشاہ ہونے کے بارہ سال بعد اس نے ریاست کلنگ پر حملہ کیا۔ نقشے میں تمھیں ریاست کلنگ پورب میں دریائے مہاندی اور گوداوری کے درمیان ملے گی جہاں آج کل اڑیسہ واقع ہے اس لڑائی میں ہزاروں کٹ مرے اور خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اس قدر خون دیکھ کر اشوک کو چکر آیا اور اب جو سنبھلا تو آیندہ جنگ نہ کرنے کی قسم کھائی اور عمر بھر اس قسم کو قائم رکھا۔

اس لڑائی کے بعد اشوک نے بدھ مت اختیار کر لیا اور اس کے پھیلانے کی انتہائی کوشش کی اس دلچسپی کی وجہ سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے عمر بھر مذہبی کام کرنے اور اس کے پھیلانے کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ لوگ بھکشو کہلاتے تھے۔

بدھ مت کو پھیلانے کے لیے راجہ اشوک

نے ایسے مذہبی لوگوں کو دور دور روانہ کیا۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بدھ مت نے اس زمانے میں بڑی ترقی کی اور ہندوستان سے نکل کر چین، تبت اور سیلون تک پھیل گیا۔

راجہ اشوک نے ایسے عہدہ دار بھی مقرر کئے جو لوگوں کو نیکی کا راستہ بتلاتے تھے ان کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو سچ بولنے۔ بڑوں کا ادب کرنے۔ کسی جان دار کو تکلیف نہ پہنچانے اور دنیا کی تمام برائیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے ایسے عہدے دار دھرم مہاتر کہلاتے تھے راجہ کو اپنی رعایا کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ غریب کی مدد کرنے اور بیواؤں کی فریاد سننے پر وہ ہمیشہ تیار رہتا تھا ان ہی باتوں سے تاریخ میں وہ نیک راجہ مشہور ہے ٭

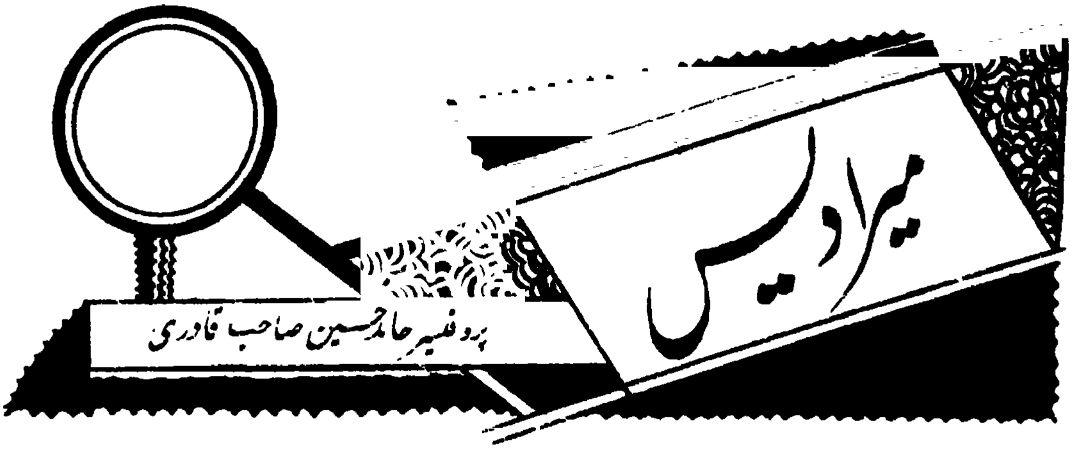
رشید اور محمود

رشید اور محمود دو جڑواں بھائی تھے شکل وصورت بھی ملتی جلتی تھی۔ لباس بھی بالکل ایک سا۔ لوگوں کو اُن کے پہچاننے میں دھوکا ہوتا۔ ہاں مدرسے کے بچے پہچان لیتے تھے۔ بات یہ تھی کہ محمود بہت صاف ستھرا رہتا تھا اور رشید کے مزاج میں لاپروائی تھی۔ کبھی جوتا صاف نہیں ہے تو کبھی شیروانی کے بٹن کھلے ہوتے ہیں۔ کبھی سر کے بال الجھے ہوئے ہیں۔ کبھی دانت صاف نہیں تو کبھی ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔

ایک دن دونوں کے نئے جوڑے سل کر آئے۔ بالکل ایک جیسے تھے۔ صبح کو اسکول جانے سے پہلے دونوں نے نئے کپڑے پہنے اتفاق سے اُمّی بھی وہیں موجود تھیں۔ انھوں نے رشید سے کہا "بیٹے ذرا بالوں میں کنگھا کرلو تمھارے جوتے کتنے میلے ہیں، انھیں بھی صاف کروالو۔ شیروانی کے بٹن لگاؤ، دیکھو تمھارا بھائی کس قدر صاف ستھرا رہتا ہے۔"

دونوں بھائی کپڑے بدل کر اسکول جانے لگے تو راستے میں رمیش سے ملاقات ہوگئی۔ رمیش نے رشید سے کہا "اہا بھائی محمود تسلیم!" رشید نے کہا "رمیش بابو! آج تم خوب

بے وقوف بنے ۔ ذرا غور سے دیکھو میں محمود
نہیں رشید ہوں۔"
رمیش :- ہرگز نہیں تم محمود ہو ۔ محمود ۔ اس
لئے کہ تم دونوں میں وہی صاف ستھرا
رہتا ہے۔
رمیش یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ رشید نے
اپنے جی میں کہا "بھئی یہ تو خوب دل لگی رہی۔ اچھا
رمیش کل بھی اسی طرح بے وقوف بنے گا۔
دوسرے دن صبح کو رشید ٹہل کر
گھر میں آیا تو امی کے کہے بغیر اس نے خوب
دانت مانجھے اور پھر غسل خانے میں جاکر سارے
بدن پر صابن لگایا اور خوب مل مل کے نہایا۔ چہرا
گردن اور کان بھی دھوئے ۔ پھر نرم تولیے
سے بدن خشک کیا اور کہنے لگا "اب میں بالکل
صاف ہوگیا مگر ناخن بہت بڑھے ہوئے ہیں"
اس کے ابا نے یہ بات سن لی۔ اپنے پاس بلاکر
کہا "لاؤ بیٹے تمھارے ناخن ہم کاٹ دیں بہت
اچھے ۔ بالکل میرے جیسے ہو جائیں گے" ناخن
کٹواکر رشید نے اپنے کپڑے اور جوتے
صاف کئے ۔ بالوں میں کنگھا کیا اور کپڑے بدل
کر آئینے کے سامنے گیا۔ اُسے بہت ہی تعجب
ہوا اور خوشی سے چلاکر کہنے لگا "سچ مچ اب تو
میں بہت ہی اچھا لگتا ہوں اور میرا جی بھی اندر
سے خوش خوش معلوم ہوتا ہے" اتنے میں اُمی بھی
آگئیں اور کہنے لگیں "دیکھو محمود آج تم کیسے اچھے
لگ رہے ہو۔ اگر تم روز صفائی سے رہنے کی
کوشش کرو تو پھر یہ تمھاری عادت ہوجائے گی۔
اور دیکھو بیٹے یہ کیسی اچھی عادت ہے۔"
آج اسکول کے راستے میں رمیش سے پھر مڈبھیڑ
ہوگئی اور وہ پھر غلطی سے رشید کو محمود سمجھ کر اُسے سلام کرنے
لگا مگر پھر رُک گیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کو غور سے دیکھا
اور چلاکر کہنے لگا "بھائی جانے تم میں سے کون محمود ہے کون
رشید۔ رشید زور سے ٹھٹھا مار کر ہنسا اور کہنے لگا میں نے
تمہیں پھر الو بنایا کل بھی بنایا تھا۔ اور اب روز بناؤں گا سمجھے"



یہ ہندوستان کیا اچھا وطن ہے		یہ پیارا دیس ہے، پیارا وطن ہے

یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

یہ میرا گھر ہے، میری انجمن ہے		یہ میرا باغ ہے، میرا چمن ہے

یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

میں ہندی اور ہندوستان میرا		فدا ہوں اس پہ، یہ ارمان میرا

یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

وطن کی ہے محبت میرے دل میں		نہ کیوں ہو شوقِ خدمت میرے دل میں

یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

لٹا دوں گا میں اپنی جان تک بھی کسی کو اس میں ہو کیا کوئی شک بھی
یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

اگر چاہے تو کر لے جانچ کوئی نہ آنے دوں گا اس پہ آنچ کوئی
یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

مرے تن میں ہے جب تک جان باقی محبت کی رہے گی آن باقی
یہ میرا دیس ہے، میرا وطن ہے

گنوا دوں گا میں سب کچھ اس کی خاطر لٹا دوں گا میں سب کچھ اس کی خاطر
یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

دبا دوں گا میں اس کے دشمنوں کو مٹا دوں گا میں اس کے دشمنوں کو
یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

[illegible] بن کر جو رہے گا رہے گا وہ، جو یہ دل سے کہے گا
یہ میرا دیس ہے میرا وطن ہے

چاند کی ہ

از جناب سید ابوطاہر صاحب

اپیل

ملزم کی طرف سے جج صاحب کے فیصلے کی ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اور اس کی پیروی کے لئے انگلستان کے ایک بہت بڑے بیرسٹر کو بلایا گیا جو قانون اور سائنس دونوں میں مشہور تھا۔ آج اس کی بحث تھی۔

بیرسٹر۔ یور لارڈشپ! میں عدالت کا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا مگر میں ملزم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر چاند پر کیوں جانا چاہتا تھا۔ کیا دنیا میں اس کے لئے کوئی دلچسپی نہ تھی؟

عرشی۔ پروفیسر ان لوگوں میں سے تھا جو قدرت کی طرف سے علم کی پیاس لے کر آئے ہیں جتنی بجھاتے ہیں اتنی ہی بڑھتی ہے۔ وہ زمین کے دریاؤں کا پانی پی چکا تھا۔ اب چاند کے چھپے ہوئے چشمے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

بیرسٹر۔ اور تم؟

عرشی۔ میں اس لئے جا رہا تھا کہ ان چشموں کا رُخ زمین کی طرف کر دوں تاکہ جہاں ریگستان ہیں وہاں سبزہ زار بن جائیں۔ اس کے سونے کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے مٹھیاں بھر بھر کر اُن مقامات پر پھینکوں جہاں غربت اور افلاس ہے اور زمین کی بڑھتی ہوئی آبادی کو چاند پر لے جا کر آباد کروں جہاں آدمیوں کی کمی ہے۔

جسٹس (عرشی بھائی سے) تم اس بات کا خیال رکھو گے کہ تم شاعر نہیں ہو۔ ملزم ہو۔

عرشی۔ یور لارڈشپ!

بیرسٹر۔ میں ملزم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ چاند پر کس طرح پہنچنا چاہتا تھا۔

عرشی۔ ان باتوں کا علم دنیا میں کسی کو نہیں ہے سوائے پروفیسر کے۔

بیرسٹر۔ یور لارڈشپ! مجھے یقین ہے کہ ملزم ان باتوں کو چھپا رہا ہے۔ لیکن اُسے معلوم ہونا

چاہیئے کہ قدرت کے بھید جس طرح ایک آدمی کو معلوم ہوگئے اُسی طرح دوسرے آدمی کو بھی معلوم ہو جائیں گے۔

جسٹس۔ مسٹر بیرسٹر! ہم عدالت میں قدرت کے راز دریافت کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ.....

بیرسٹر۔ می لارڈ ہم پروفیسر کے راز دریافت کر رہے ہیں اور وہ بھی قدرت کا ایک راز ہی تو ہے میں خیال کرتا ہوں کہ پروفیسر کا جرم ثابت کرنے کے لئے ہمیں فرض کر لینا چاہیئے کہ اس وقت ہم سب لوگ چاند کا سفر کر رہے ہیں۔

عرشی۔ اور اس کی ایک آسان سی ترکیب ہے جس میں جان اور مال کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ اگر اجازت ہو تو کہوں؟

بیرسٹر۔ شوق سے۔

عرشی۔ گدے دار پلنگ پر آرام سے سو جایئے اور سائنس کے پجاریوں کو مت ستایئے۔

بیرسٹر۔ تاکہ تم لوگ بلا کھٹکے اپنے خوفناک تجربوں سے دنیا میں طوفان اُٹھاتے رہو۔ جی نہیں! تم لوگوں نے دنیا میں زہریلی گیسیں اور مشین گنیں ایجاد کر کے ہماری زندگی تنگ کر دی ہے۔ کیا اب چاند اور سورج پر جا کر غلاف چڑھانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ تاکہ کل آنے والی قیامت آج ہی آجائے۔

جسٹس۔ چند منٹ پہلے ہم طے کر چکے تھے کہ ہمیں چاند کا سفر کرنا ہے۔ کیا آپ نے کسی سواری کا بندوبست کیا ہے؟

بیرسٹر۔ یور آنر۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ہوائی جہاز پر جانا پسند نہ کریں گے۔ کیونکہ زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو چالیس میل ہے۔ اگر ہم دو سو میل فی گھنٹے کے حساب سے لگاتار اُڑتے رہیں تو ہمیں اڑتالیس دن لگیں گے۔

جوں جوں ہم اوپر جاتے جائیں گے سردی بڑھتی جائے گی ہوا ہلکی ہوتی جائے گی اور ہمارا جسم پھولتا جائے گا۔ یہاں تک کہ پندرہ میل کے بعد ایک دھماکا ہوگا اور ہم بچوں کے پھکنے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور اگر ہم فرض کریں کہ ان باتوں کا ہم نے انتظام کر لیا ہے تب بھی دو سو میل پہنچنے تک ہم آتش بازی کے انار کی طرح جل اُٹھیں گے کیوں کہ وہاں پر ہوا ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس کے باوجود ہم اُڑتے ہی رہے تو زمین کی کشش ہمیں آگے بڑھنے نہ دے گی۔ اُس کے نظر نہ آنے والے ہاتھ اپنے باغی فرزندوں کو ایسی سزا دیں گے۔ کہ ہم قیامت تک ایک بدنصیب سیارے کی طرح زمین کے گرد چکر لگاتے رہیں گے۔ ایسے چکر جیسے بنیٹی پھرانے والے دکھلاتے ہیں۔

جی نہیں ہم ہوائی جہاز سے سفر نہیں کر سکتے۔

جسٹس۔ ہم ایک توپ کے گولے کے اندر بیٹھ کر کیوں نہ جائیں۔

بیرسٹر۔ یور لارڈشپ! اگر ہم خودکشی ہی کرنے پر تُلے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے پستول کی ایک چھوٹی سی گولی کافی ہوگی۔ ہم اس وقت جی آئی پی ریلوے کی طرح ایک ایسی کمپنی قائم کرنا چاہتے ہیں (ملزم کی طرف دیکھ کر) جو دنیا کے خوفناک مجرموں کو زمین سے اُٹھا کر چاند پر چھوڑ آیا کرے اور اُس کی گاڑیاں وقت کی اتنی پابند ہوں کہ چاند کے باشندے اُن کا مذاق نہ اُڑا سکیں ...... اور میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پروفیسر نرنجن پال نے اس کا حل دریافت کر لیا تھا۔

جسٹس۔ وہ کیا؟

بیرسٹر۔ وہ ایک ایسا غلاف بنا رہا تھا جو گرمی سردی، ہوا، روشنی اور زمین کی کشش کے مقابلے میں چھتری کا کام دے سکے جب جی چاہا اوڑھ لیا۔ تو ساتوں آسمان پر حضرت عیسیٰ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگے اور جب اتار ڈالا تو رات کے کھانے کے وقت تک گھر پہنچ گئے۔ یا راستے میں جی چاہا تو پروفیسر جیسے مجرموں سے مذاق کرنے کے لئے چاند پر ٹھہر گئے۔

جسٹس۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ہمیں مقدمے کے اصلی واقعات سے دور لئے جا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ آپ کے دماغ کی قلابازی افیمچیوں کی محفل میں تفریح کا ذریعہ بن جائے لیکن میں عدالت میں ان باتوں کی اجازت نہیں دے سکتا۔ (میز پر گھونسا مار کر) بھلا ایسے غلاف میں جہاں روشنی، گرمی، سردی اور ہوا کا گذر تک نہ ہو سکے۔ کوئی آدمی کس طرح زندہ رہ سکے گا؟

بیرسٹر۔ یور آنر! میں عدالت کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں دنیا کی اُس سب سے بڑی انجمن کا ممبر ہوں جو چاند کے سفر پر بہت کچھ معلومات حاصل کر چکی ہے اور میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اگر پروفیسر نرنجن پال کے بعد کوئی شخص چاند پر جانے کا ارادہ کرے گا تو وہ یہی خادم ہوگا۔

جسٹس۔ میں اجازت دیتا ہوں۔

بیرسٹر۔ یور آنر! عدالت غلاف اوڑھنے کی تجویز ناپسند کر رہی ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ کپڑے کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ میں ایک انوکھی دھات کا غلاف تجویز کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ پروفیسر نرنجن پال نے ایسی

دھات بنا بھی لی تھی۔ ہم اس دھات کا ایک ایسا کُرہ یا گولا بنا سکتے ہیں جس میں بیٹھ کر ہم آسمان کی بلندیوں میں اسی طرح غوطہ لگا سکتے ہیں جس طرح آب دوز کشتیاں پانی کے اندر رہ سکتی ہیں۔ گولے کے اندر زندہ رہنے کے لئے ہم اپنے ساتھ بہنے والی آکسیجن کے ڈبے رکھ لیں گے۔ تاکہ اُن سے سانس لیتے رہیں۔ اور پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس کو دور کرنے کے لئے ہم ایسی دوائیں رکھیں گے جو اس کو اسی طرح چوستی رہیں گی جیسے سوڈا اور نمک ہوا کی نمی کو جذب کرتے رہتے ہیں۔

جسٹس۔ عدالت اس بات کو تسلیم کرتی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ آسمانوں میں اس قدر سردی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں ہماری زمین کی برف بھی آگ کا درجہ رکھتی ہے کیا ہم گولے کے اندر اس ٹھٹھرن سے محفوظ رہیں گے؟

بیرسٹر۔ می لارڈ! قدرت نے ہر جوڑ کا توڑ پیدا کیا ہے۔ انڈے میں زردی کے ساتھ سفیدی موجود ہے تاکہ اس کا مزاج نہ گرم رہے اور نہ ٹھنڈا۔ زہر کے ساتھ تریاق پیدا کیا ہے اور بیماریوں کے ساتھ دوائیں۔ اسی طرح ایسی چیزیں بھی ہیں کہ جو قدرت کی قوتوں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی ہیں لیکن اُن کو پانے کے لئے ڈھونڈھنے کی شرط ہے مثال کے لئے غور کیجئے کہ شیشے کی چمنی میں سے لالٹین کی شعاعیں آر پار گذر جاتی ہیں لیکن حرارت کی لہریں تھوڑی رُک جاتی ہیں۔ اس لئے ہم اس کے سامنے پڑھ سکتے ہیں لیکن جاڑے کی راتوں میں اس کو انگیٹھی کی طرح استعمال نہیں کر سکتے۔ اس سے بہتر چیز پھٹکری ہے۔ جس میں سے روشنی کی شعاعیں تو گذر جاتی ہیں لیکن حرارت بالکل نہیں گذر سکتی۔ اس کے برخلاف کاربن ڈائی سلفائڈ میں آیوڈین گھول کر رکھ لیجئے تو اس میں حرارت بڑی آسانی سے سرایت کر جائے گی۔ لیکن روشنی کی شعاعیں بالکل رک جائیں گی۔ یعنی اس برتن کے پیچھے رکھی ہوئی آگ نظر تو نہ آئے گی لیکن گرمی معلوم ہوتی رہے گی۔ ذرا اور آگے بڑھئے تو آپ کو دھاتیں مثلاً لوہا۔ تانبا اور کالی چیزیں ملیں گی کہ جو روشنی کو بالکل ہی ہضم کر جائیں گی۔ لیکن اُن میں ایک خرابی ہے کہ وہ بہت جلدی گرم ہو جاتی ہیں اور اسی طرح سرد بھی ہو سکتی ہیں۔ پروفیسر ایک ایسی انوکھی دھات کی تلاش کر رہا تھا جس کے گولے میں سے

نہ تو حرارت باہر جا سکے اور نہ سردی اندر آ سکے
ایسے ہی گولے میں بیٹھ کر ہم بجلی کی انگیٹھی روشن
کرکے دھوپ کے حمام کا لطف اٹھاتے اور
گولے کے باہر آسمانوں کی ٹھٹھرن کی کوئی پرواہ
نہ کرتے۔

جسٹس۔ لیکن آپ اپنے گولے کو چلائیں گے کس
طرح۔ کیا وہ ہمارے خیال کی طرح بغیر کسی
انجن کی مدد کے اڑ سکتا ہے؟

بیرسٹر۔ یور آنر! جس دھات کی ہم تلاش کر رہے ہیں
اس میں جہاں یہ خاصیت ہے کہ وہ حرارت اور
روشنی کو روکتی ہے وہیں اس میں یہ صفت بھی
موجود ہے کہ وہ زمین کی کشش بھی روک
سکتی ہے۔

جسٹس۔ عدالت زمین کی کشش کے مسئلے کو
سمجھنا چاہتی ہے۔

بیرسٹر۔ مائی لارڈ! زمین ایک ایسا گولہ ہے جس کے
بیچوں بیچ قدرت نے ایسی طاقت جمع کر دی
ہے جو اندر، باہر اور چاروں طرف کی چیزوں
کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

جسٹس۔ جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔
چلئے آگے چلئے۔

بیرسٹر۔ ایسی ہی طاقت چاند کے گولے میں بھی
موجود ہے۔ اور سورج میں بھی۔

جسٹس۔ اگر ایسی ہی کھینچا تانی ہے تو زمین سورج
سے کیوں نہیں ٹکرا جاتی اور چاند زمین سے

بیرسٹر۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ عدالت مجھے ایک
قصہ بیان کرنے کی اجازت دے گی؟

جسٹس۔ درخواست منظور کی جاتی ہے۔

بیرسٹر۔ مائی لارڈ! محمود غزنوی جب سومناتھ کے
مندر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ لوہے کا
ایک بہت لمبا چوڑا بت ہوا میں معلق لٹکا ہوا
ہے۔ کتنے اچنبھے کی بات تھی۔

[عدالت منہ کھول کر بیرسٹر کی طرف
دیکھتی ہے]

مائی لارڈ! یہ سائنس کا ادنیٰ سا کھیل تھا۔ جو
آج کل ہمارے بچے اسکول میں کر دکھاتے
ہیں۔ بات یہ تھی کہ اسی مندر کی چھت میں بت
کے سر کی سیدھ میں ایک مقناطیس چھپا دیا تھا
اور فرش کے اندر اسی بت کی ٹانگوں کی سیدھ
میں ایک دوسرا مقناطیس رکھ دیا تھا۔

جسٹس۔ اور دونوں مقناطیس لوہے کے بت کو
مخالف سمتوں میں اپنی اپنی پوری طاقت سے
کھینچ رہے تھے۔

بیرسٹر۔ جی ہاں۔ اسی لئے بت معلق لٹکا ہوا تھا۔

جسٹس۔ اسی طرح چاند، سورج اور زمین بھی ایک
دوسرے کو مخالف سمتوں میں کھینچ رہے ہیں۔

بیرسٹر۔ اسی لئے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر لٹکا ہوا ہے اور حرکت کر رہا ہے اپنے ہی راستے پر۔

جسٹس بہتر ہوتا کہ آپ جیسے لوگ اسکولوں میں ماسٹر ہوتے۔

[میں آپ کی سمجھ کا اعتراف کرتا ہوں]

بیرسٹر۔ کیونکہ شاید عدالت میں سمجھ دار لوگوں کی ضرورت ہی نہیں ہے (قہقہہ)

معاف کیجئے گا میں آپ کو پھر سومناتھ کے مندر میں لے جانا چاہتا ہوں۔ میں نے فرض کر لیا کہ آپ وہاں پہنچ گئے اور آپ نے مندر کے فرش میں سے چھوٹا مقناطیس نکال کر اس کی بجائے ایک بڑا مقناطیس رکھ دیا۔

جسٹس۔ تو لوہے کا بت پیروں کے بل زمین پر گر جائے گا۔

بیرسٹر۔ اور اگر آپ نے مندر کے فرش میں سے مقناطیس بالکل ہی نکال لیا۔

جسٹس۔ تو لوہے کا بت یکبارگی اچک کر سر کے بل چھت میں لٹک جائے گا۔

بیرسٹر۔ مائی لارڈ! میں نے مقدمہ جیت لیا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے مبارک باد دیجئے۔ میں نے ملزم کو ایسا جکڑ لیا ہے کہ اب کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ پروفیسر نرنجن پال ایک ایسی دھات ایجاد کر رہا تھا جو زمین کی کشش کو خود کے لئے روک سکتی تھی۔

جسٹس (اچھل کر) تو چاند ضرور اس کو اپنی طرف کھینچ سکتا تھا۔

بیرسٹر اور وہ دھات کا گولہ بغیر کسی انجن کی مدد کے آسمانوں میں پرواز کر سکتا تھا۔

جسٹس۔ مبارک باد! ہم چاند کا سفر کر رہے ہیں

او ہو ہو! او ہو ہو۔

(یکبارگی سر کھجا کر) مسٹر بیرسٹر! کیا آپ چاند کے سفر کا خیال خیال چھوڑ کر ملزم کا جرم ثابت کریں گے؟

بیرسٹر یور آنر! اب میں نے پروفیسر کو ودیا پور کے ہوائی طوفان کا مجرم ثابت کر دیا۔ اب میں عدالت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس کے مددگار ملزم کو عبرت ناک سزا دے کر ملک کے قانون کا احترام کرے گی۔

جسٹس۔ عدالت آپ کے بیان کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

بیرسٹر۔ مائی لارڈ! اب ثابت کرنے میں کسر ہی کیا ہے؟ بالورنن سین کے محل میں پروفیسر نے ایک بھٹی تیار کی تھی اور اس پر ایک بڑی کڑھائی رکھ کر اس میں انوکھی دھات کا مصالحہ ڈال دیا تھا۔ واقعی اس کو اپنے تجربے کی کامیابی پر پورا بھروسہ تھا۔ لیکن ایسے ہی وقت کے لئے

کہا گیا ہے کہ " انسان ارادہ کرتا ہے اور خدا اس کو رد کر دیتا ہے ۔" پروفیسر سے ایک ذرا سی غلطی ہو گئی کہ وہ بھٹی کے پاس سے ہٹ آیا اور اسی عرصے میں وہ دھات بن کر تیار ہو گئی اور اس نے اتنی جگہ پر زمین کی کشش کو روک لیا

جسٹس ۔ اور کڑھائی کو چاند نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

بیرسٹر۔ اور اُسی کے ساتھ چاند نے چھت کو بھی کھینچنا شروع کیا کیونکہ وہ کڑھائی کے اوپر ہی تھی۔

جسٹس۔ اور چھت نے دیواروں کا سہارا چھوڑ کر بلند ہونا شروع کیا۔

بیرسٹر اسی عرصے میں چاند نے کمرے کی ہوا کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

جسٹس ۔ کمرے کے اندر بالکل خلا ہو گیا۔

بیرسٹر۔ باہر کی ہوا اس خلا کو بھرنے کے لئے لپکی۔

جسٹس۔ کیونکہ اس پر چاند کی کوئی کشش نہ تھی۔

بیرسٹر۔ اور اس طرح ہوا کا ایک بھنور بن گیا۔ اور اس طرح ملزم ایک خطرناک تجربے میں مدد دے کر وہ دیالپور کی تباہی کا باعث ہوا۔

(عرشی گھبرا گھبرا کر کبھی بیرسٹر کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی جسٹس کی طرف]

جسٹس (ڈانٹ کر) ملزم کو عدالت کی طرف سے۔

بیرسٹر۔ بالکل بری کیا جاتا ہے ۔

جسٹس ۔ تم کو عدالت کے فیصلے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

بیرسٹر۔ کیونکہ جرم کا کوئی ثبوت نہیں ہے

جسٹس ۔ (میز پر گھونسہ مار کر) اس کے کیا معنی ؟

بیرسٹر۔ یور آنر! وہ کڑھائی چاند کے آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر ڈھکی ہوئی ہے۔ کیا عدالت اس بات کی تکلیف گوارا کرے گی کہ پولیس کے ذریعے اس کو برآمد کرائے تاکہ ملزم کا جرم ثابت کیا جاسکے۔

جسٹس (دانت پیس کر) ملزم کو عدالت کی طرف سے بری کیا جاتا ہے ۔

بیرسٹر (جھک کر) اور اسی کے ساتھ پروفیسر نرنجن پال کو بھی۔

جسٹس ۔ اور اسی کے ساتھ پروفیسر نرنجن پال کو بھی ۔

بیرسٹر۔ مائی لارڈ ! (ٹوپی اتارتا ہے۔ انڈے جیسا چکنا سر دکھائی دیتا ہے۔ عرشی بھائی گھبرا کر سر کی طرف دیکھتے ہیں اور بے تحاشا پروفیسر پروفیسر! کہتے ہوئے دوڑتے ہیں اور اس

سے اُکر لپٹ جاتے ہیں۔)

جسٹس (کرسی سے اُٹھتے ہوئے) پروفیسر زبخن پال! میں آپ پر دوسرا مقدمہ قائم کرتا ہوں بھیس بدل کر عدالت کو دھوکا دینے کا۔

بیرسٹر۔ اور اس کی سزا۔

جسٹس۔ یہ کہ جب آپ چاند پر جانے کا ارادہ کریں تو ایک سیٹ میرے لئے بھی ریزرو کرا لیجئے گا۔

بیرسٹر۔ بشرطیکہ آپ وہ کڑھائی چاند پر سے برآمد کرادیں کیونکہ یہ تجربے ہمیشہ کامیاب نہیں ہوتے۔ ایک آنچ کی کسر رہ ہی جاتی ہے ٭

پڑوسی

بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں۔ حق ہمسایہ ماں کا جایا۔ سو سچ ہے کہ بہت سے پڑوسی اپنوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ اگلے وقتوں کی بات ہے ایک آدمی کو روپئے چاہیئے تھے وہ اپنا مکان بیچ رہا تھا اور قیمت دس ہزار مانگتا تھا۔ جو گاہک تھے وہ بولے کہ زمین اور عمارت بلاکر یہ پانچ ہزار سے زیادہ کا نہیں ہو سکتا تو دس ہزار کس بات کے مانگتا ہے۔ مکان دار نے جواب دیا بے شک میرا مکان پانچ ہزار کا ہے۔ میں پانچ ہزار تو اپنے مکان کی قیمت لے رہا ہوں اور پانچ ہزار میں اپنے پڑوسی کا پڑوس فروخت کر رہا ہوں۔ چاہو لو چاہو نہ لو۔ یہ بات پڑوسی نے بھی سنی۔ دس ہزار روپئے اپنے پاس سے مکان دار کو دے دئے اور کہا مکان نہ بیچ۔ میں تیرا پڑوس چھوڑنا نہیں چاہتا۔

(خواجہ محمد شفیع صاحب)

کمال اتاترک

محمود علی خاں صاحب جامعی

ابھی چند دن ہوئے تم نے مصطفےٰ کمال پاشا کے انتقال کی خبر سنی ہوگی۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے کہیں جلوس بھی نکلے۔ کہیں اُن کے لئے مغفرت کی دعائیں کی گئیں۔ تم سوچتے ہوگے کہ یہ کون بزرگ تھے جن کے لئے یہ سوگ منایا گیا اور جن کے مرنے کا سب کو رنج ہوا۔ ان کی طرح بہادر بننے کا اور اپنے ملک کی خدمت کرنے کا وعدہ کرو تو ہم تمھیں بھی اُن کا حال سنائیں۔

مصطفےٰ کمال پاشا ترکی کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ خالی لیڈر ہی نہیں بلکہ اس کی جان بچانے والے اور اس میں زندگی کی نئی روح پھونکنے والے اب سے ۵۷ برس پہلے یعنی ۱۸۸۱ء میں یہ ترکی کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے اور مصطفےٰ اُن کا نام رکھا گیا۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو اُن کے باپ علی رضا نے ایک مسجد میں انھیں پڑھنے بٹھا دیا۔ ابھی یہ کچھ زیادہ پڑھ بھی نہ پائے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اُن کا لکھنا پڑھنا بند ہوگیا۔ اس کے بعد یہ اپنے ماموں کے پاس ایک گاؤں میں رہنے لگے۔ اُن کی خالہ نے دیکھا کہ لڑکا ہونہار ہے تو فوراً انھیں مدرسے میں داخل کرا دیا۔ کچھ دن اس مدرسے میں پڑھنے کے بعد یہ فوجی اسکول میں چلے گئے۔ جہاں سپاہی بننے کی تعلیم دی جاتی تھی اس اسکول کے استاد کا نام بھی مصطفےٰ تھا۔ اس لئے وہ انھیں کمال کے نام سے پکارنے لگے۔ یوں یہ مصطفےٰ کمال مشہور ہوگئے۔ جب بڑے فوجی عہدے پر پہنچے تو "پاشا" کا خطاب ملا۔ ابھی کچھ دن ہوئے کہ انھوں نے یہ سب خطاب چھوڑ چھاڑ کر سادہ اور چھوٹا سا نام کمال اختیار کر لیا تھا۔ لیکن اُن کی قوم اُن سے بڑی محبت کرتی تھی اور انھیں اپنے باپ کے برابر سمجھتی تھی۔ اس لئے انھیں اتاترک کہنے لگی۔ ترکی زبان میں اتاترک کے معنی ہیں "ترکوں کے باپ"۔

ذرا یورپ اور ایشیا کے نقشے کو دیکھو جہاں یہ دونوں براعظم ملتے ہیں وہیں ترکی کا چھوٹا سا ملک تھا کسی زمانے میں آدھے یورپ پر ترکی کی حکومت تھی

گھٹتے گھٹتے یہ چھوٹی سی سلطنت رہ گئی۔ پھر بھی یورپ کی دوسری سلطنتیں اس سے بہت جلتی تھیں وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ یورپ میں ترکی کا نشان بھی باقی رہے۔ اس لئے چاروں طرف سے اس پر حملے ہوتے رہتے تھے۔ کبھی سلطنت کا کوئی حصہ کسی نے چھین لیا۔ کبھی کوئی ٹکڑا کسی نے دبا لیا ترکی بے چاری کم زور تھی اس لئے کوئی بس نہ چلتا تھا۔ برابر پیچھے ہٹتی چلی آتی تھی

یہی وہ زمانہ تھا جب کمال اتاترک فوجی اسکول میں تعلیم پا رہے تھے۔ اپنی قوم کی یہ ذلت دیکھ دیکھ کر ان کا دل بہت کڑھتا تھا۔ اور وہ اپنی بساط بھر یہ کوشش کرتے تھے کہ سب قوم آپس کی پھوٹ کو بھول کر ایک ہو جائے اور اتنی طاقت پکڑ جائے کہ دشمنوں کے حملے کارگر نہ ہو سکیں۔ اس کام کے لئے انھوں نے یہ انجمن بنائی تھی جس کا نام مجلس وطن تھا۔ اس وقت کی ترکی حکومت اس انجمن کو شک کی نگاہوں سے دیکھتی تھی اس لئے ایک دفعہ حکومت نے مجلس وطن کے سب ممبروں کو گرفتار کر لیا۔ کمال بھی گرفتار ہو گئے۔ چند دن بعد حکومت نے انھیں رہا کر کے دمشق بھیج دیا۔ اس کے بعد ان کا تبادلہ پھر ترکی میں ہو گیا۔

افریقہ کے شمال میں ایک ملک ہے طرابلس اس پر ترکی کی حکومت تھی۔ اٹلی کا مدت سے اس پر دانت تھا۔ موقع پا کر اس نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ اس کے ایک سال بعد ہی بلقان کے ملکوں نے مل کر ترکی پر دھاوا بولا۔ ان دونوں لڑائیوں میں مصطفٰے کمال نے بڑی بہادری دکھائی۔ لیکن ترکی اتنا کم زور ہو گیا تھا کہ سب علاقے ہاتھ سے نکل گئے اور ملک بہت ذرا سا رہ گیا۔

اس کے دو سال بعد یورپ کی سب سے بڑی لڑائی چھڑی۔ ایک طرف آسٹریا، جرمنی اور ترکی تھے اور دوسری طرف روس، فرانس، اٹلی اور انگلستان جیسی زبردست سلطنتیں۔ مصطفٰے کمال اس وقت چھوٹی سی فوج کے افسر تھے جو گیلی پولی میں تعینات تھی۔ انگریزوں نے بہت بڑی فوج لے کر ترکی پر حملہ کر دیا۔ پہلے گیلی پولی کا مقام پڑتا تھا۔ اس لئے مصطفٰے کمال پاشا سے مقابلہ ہوا۔ یہ اس بہادری سے لڑے کہ انگریزوں کو منہ کی کھانی پڑی اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب بڑی لڑائی ختم ہوئی اور جرمنی آسٹریا اور ترکی کی ہار ہوئی تو مخالفوں نے خوب لوٹ مچائی ترکی بھی برباد ہو گیا۔ دشمن چاہتے تھے کہ دنیا سے اس کا نام و نشان مٹا دیں۔ اس وقت مصطفٰے کمال ایشیائے کوچک میں چلے آئے۔ تباہی کے ڈر سے بہت سے اور ترک بھی چھپ چھپ کر یہاں آ گئے تھے۔ یہ سب جنگلوں میں رہا کرتے تھے مصطفٰے کمال نے ان سب کو اس طرح ملایا جیسے جھاڑو کی سینکیں

ایک ڈورے سے باندھی جاتی ہیں۔ اور ایشیائے کوچک میں ترکی سلطنت قائم کرکے انگورا کو راج دھانی بنا لیا۔ پھر تو یہ اپنی قوم کی حالت سدھارنے کی دھن میں لگ گئے۔ کسی کے لڑائی جھگڑے سے کوئی مطلب نہ رکھا بس اپنے کام سے کام تھا۔ دیکھتے دیکھتے یہ نئی ترکی سلطنت اتنی ترقی کرگئی اور اتنی مضبوط ہوگئی کہ اس کے پرانے دشمن بھی اس کا لوہا مان گئے۔ بڑی لڑائی کے ختم پر جن مخالفوں نے ترکی کو بہت زیادہ ذلیل کیا تھا اسے مٹانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اور اس کی ایک التجا بھی نہ سُنی تھی۔ اب اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے سر جھکا دیا اور مصطفےٰ کمال نے جو چاہا اُن سے منوا لیا۔

آج ان ہی کمال کی بدولت ترکی کی حالت بہت اچھی ہوگئی ہے۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں سے ٹکر لینے لگی ہے یہاں کاشتکاری مشینوں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ جو غریب مشینیں نہیں خرید سکتے حکومت انھیں مفت بانٹتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہاں کی پیداوار پہلے کے مقابلے میں تین گنی ہوگئی ہے۔

جہاز بنانے کے کارخانے کھل گئے ہیں ریل، تار، ٹیلی فون۔ ریڈیو کسی معاملے میں ترکی دوسرے ملکوں سے پیچھے نہیں ہے۔ چینی کے برتن بنانا سیکھنے کے لئے جاپان سے۔ ریشمی کپڑے کے لئے چین سے۔ دیا سلائی کے لئے سوئیڈن سے کپڑا سینے کی مشینوں کے لئے امریکہ سے بڑے بڑے ماہر بلائے گئے ہیں۔ یہ لوگ ترکوں کو یہ سب صنعتیں سکھاتے ہیں۔ ترکوں کو بدیشی کپڑا پہننے کی سخت ممانعت ہے، انھیں حکم ہے کہ سودیشی کپڑا پہنا کرو۔ اگر کوئی ایک روپئے کا بدیشی کپڑا خریدتا ہے تو اس پر ایک ہی روپیہ جرمانہ ہوتا ہے۔ اس طرح ترکی دن دونی رات چوگنی ترقی کررہا ہے۔

تم نے دیکھا! کس طرح کمال اتاترک نے ترکی کو مرنے سے بچا لیا اور اس میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ پھر لوگ جتنا بھی ان کا ماتم کریں کم ہے۔



مصطفیٰ کمال

وفا فرخ آبادی

اک پھول منوہر پھول | پھولوں میں افسر پھول
تھا کیسا سُندر پھول | بھاگوں کا سکندر پھول
تاروں کی طرح وہ دمکا | پھر چاند کی صورت چمکا
کیا پوچھنا جاہ و حشم کا | سکّہ تھا اسی کے دم کا

"اسلام چمن" میں مہکا | اور کیاری کیاری لہکا
انگارہ بن کر دہکا | بُلبل کی طرح پھر چہکا
وہ ڈوب گیا مہ پارا | ترکوں کی آنکھ کا تارا
سالار، مجاہد، پیارا | جنّت کی اُور سدھارا

خود دار بنو، ہشیار بنو | دشمن کے لئے تلوار بنو
آپس میں مجسّم پیار بنو | اسلام کے سب غم خوار بنو
وہ پھول نہیں ہے ہم میں | بیٹھے ہیں اُسی کے غم میں
کیا ہو گیا دم کے دم میں | جا بیٹھا دیدۂ نم میں

تعلیم یہی دی آکر | ٹرکی کو اُبھارا جاکر
قدرت کی حمایت پاکر | میداں میں اتارا لاکر
کچھ پاس وفاؔ تو کرتا | اُبھرا تھا اور ابھرتا
اسلام کا دامن بھرتا | بے وقت نہ ایسے مرتا

ترکوں کے چمن کا مالی | کی جس نے دیکھا بھالی
دکھیاروں کا رکھوالی | سب درد ہوئی بے حالی
کیا دل میں تو نے ٹھانی | سلطانِ اعظم ثانی
ٹرکی کی شان کے بانی | ہے تیرا ذکر "کہانی"

کھوٹا سونا

ذاکر حسین صاحب ۔ مکتبہ

کھیل میں کام کرنے والے

بمل چندر	ایک بدمعاش
سریندر	بمل چندر کا دوست
ہزاری مل	ساہوکار
جگدیش	ایک شہری
چندر کانت	ہزاری مل کا لڑکا ۔
ایک کانسٹبل	۔

پہلا سین

شہر بمبئی کی ایک سڑک

(دو آدمی سڑک کے ایک طرف دیوار کے
پاس کھڑے چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں پاس
ہی موڑ پر ایک کانسٹبل کھڑا اُن کی
باتیں سُن رہا ہے)

سریندر ۔ آج تم کچھ اداس نظر آتے ہو ۔ کیا بات ہے؟

بمل چندر ۔ کیا بتائیں یار! جیب میں ایک پیسہ نہیں بال بچے سب بھوکے ہیں ۔ تھوڑا سا سونا ہے پر تم سے کیا چھپائیں ۔ ہے یہ کھوٹا ۔ بس اسی سوچ میں ہوں کہ کسی ترکیب سے اس کو بیچ کر دام وصول کئے جائیں ۔

سریندر ۔ بیچنے کی ترکیب میں تمھیں بتا دوں ؟

بمل چندر ۔ بھئی جلدی سے بتاؤ ۔

سریندر ۔ بس فوراً لالہ ہزاری مل ۔ صراف کی دوکان پر چلے جاؤ ۔ وہاں اس وقت اُن کا لڑکا بیٹھا ہے ۔ لڑکا اچھا بُرا کیا پہچانے گا ۔ تمھارا سونا بک جائے گا ۔ میں تمھارے لئے ایک خط لاتا ہوں ۔

بمل چندر ۔ بالکل ٹھیک ۔ میں ابھی جاتا ہوں ۔

سریندر ۔ ذرا ٹھہرو ۔ یہ سونے کی انگوٹھی لے جاؤ لڑکے سے اس کے بیچنے کی بات چیت کرنا جب تک میں بھی آجاؤں گا ۔ سونا مجھے دیدو ۔

(بمل چندر سونا دے کر انگوٹھی لے لیتا ہے اور لالہ ہزاری مل کی دوکان کی طرف چلا جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا سین

(لالہ ہزاری مل کی دوکان ۔ لڑکا (چندر کانت) کچھ زیور تجوری میں رکھ رہا ہے ۔ اتنے میں بمل چندر ہاتھ میں انگوٹھی لیئے دوکان میں داخل ہوتا ہے ۔)

بمل چندر ۔ لالہ جی میں یہ سونے کی انگوٹھی بیچنا چاہتا ہوں ۔ آپ خریدیں گے ؟ ۔

چندر کانت ۔ سونے کی ہے ؟ ۔

بمل چندر ۔ خالص سونا ۔

چندر کانت ۔ لائیے ۔

بمل چندر ۔ بیچنے کو جی تو نہیں چاہتا ۔ جب میں چھوٹا سا تھا اس وقت میرے باپ نے مجھے دی تھی مگر......

چندر کانت ۔ تو پھر کیوں بیچتے ہو ۔

بمل چندر ۔ کیا کروں ۔ آج کل کام دھندا کچھ ہے نہیں ۔ چھ بچے ہیں ۔ بیوی ہے ۔ پیسہ پاس نہیں

چندر کانت ۔ افسوس !

(بمل چندر سے چندر کانت انگوٹھی لے کر دیکھتا ہے ۔)

بمل چندر ۔ لالہ جی یہ کتنے کی ہوگی ؟ ۔

چندر کانت ذرا تول لوں پھر بتاؤں گا ۔

(بمل چندر بیٹھ جاتا ہے ۔ چندر کانت کانٹے پر انگوٹھی تولنے لگتا ہے ۔ اسی وقت سریندر دوکان میں داخل ہوتا ہے)

سریندر ۔ آپ کا نام بمل چندر ہے ؟

بمل چندر ۔ جی ہاں کہیے ؟

سریندر ۔ میں آپ کے مکان پر گیا تھا معلوم ہوا کہ آپ بازار صرافے میں گئے ہوئے ہیں ۔

بمل چندر ۔ ہاں بھائی ۔ ایک کام سے یہاں آیا تھا ۔ آپ کو مجھ سے کام کیا ہے ۔

سریندر ۔ میں دلی گیا تھا ۔ وہاں تمھارے بھائی ملے ۔ چلتے وقت انھوں نے تمھارے لئے کچھ سونا اور ایک خط دیا ہے ۔ انھوں نے کہا تھا کہ بمبئی میں فلاں محلے میں بمل چندر نام میرا بھائی رہتا ہے ۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل وہ بہت مصیبت میں ہے ۔ یہ سونا اور خط اس کو دے دینا ۔

(سریندر بمل چندر کو سونا اور خط دیتا ہے)

بمل چندر ۔ آہا ! یہ کتنا ہوگا ۔

سریندر ۔ چھ ماشہ

بمل چندر ۔ (چندر کانت سے) لالہ انگوٹھی واپس کر دیجئے ۔ میں اب بیچنا نہیں چاہتا ۔

(چندر کانت انگوٹھی واپس دیدیتا ہے)

بمل چندر (چندر کانت سے) مہربانی فرماکر یہ خط پڑھ دیجئے

چندرکانت - بہت اچھا۔

(خط پڑھتا ہے)

از دہلی

یکم مارچ ۱۹۳۵ء

اچھے بل

مجھے یہ سن کر بہت رنج ہوا کہ تم آج کل بے کار ہو اور پریشان ہو۔ اس وقت تم کو چھ ماشہ سونا مسٹر سریندر کے ہاتھ بھیج رہا ہوں اسے بیچ کر اپنا کام نکالو۔ میں اگلے سال بمبئی آؤں گا اس وقت تم سے اور تمھارے بچوں سے ملاقات ہوگی۔ والسلام

تمھارا بھائی - کیشو چندر

بل چندر - بہت بہت شکریہ! اب کیا آپ یہ سونا خرید سکتے ہیں -؟

چندرکانت - جی ہاں!

(چندرکانت سونا تولتا ہے - سونا بجائے چھ ماشے کے، ۷ ماشے نکلتا ہے چندرکانت اپنے دل میں کہتا ہے - خط میں تو صرف چھ ماشے لکھا ہے - میں اس آدمی کو چھ ماشے ہی کی قیمت کیوں نہ دوں ایک ماشہ مجھ کو نفع میں بچے گا - وہ بل چندر کو چھ ماشے کی قیمت دیتا ہے بل چندر اور سریندر دوکان سے چلے جاتے ہیں - تھوڑی دیر بعد چندرکانت کا باپ لالہ ہزاری مل آجاتا ہے - چندرکانت گھر چلا جاتا ہے اتنے میں جگدیش داخل ہوتا ہے -)

ہزاری مل - آیئے۔

(جگدیش چاندنی پر ایک طرف لالہ ہزاری مل کے سامنے بیٹھ جاتا ہے)

جگدیش - کیا ابھی - ابھی - تھوڑی دیر ہوئی کوئی شخص آپ کے یہاں کچھ سونا بیچ گیا ہے؟

ہزاری مل - معلوم نہیں میں تو ابھی دوکان پر آیا ہوں

جگدیش - پھر یہاں کون تھا؟

ہزاری مل - میرا لڑکا بیٹھا - دیکھئے بلا کر پوچھتا ہوں۔

(ہزاری مل اپنے لڑکے کو پکارتا ہے - چندرکانت! چندرکانت! - چندرکانت آواز سن کر لوٹ آتا ہے)

چندرکانت - جی بابو۔

ہزاری مل - یہاں آؤ - ابھی تھوڑی دیر ہوئی کوئی آدمی سونا بیچ گیا ہے؟

چندرکانت - جی ہاں۔

جگدیش (ہزاری مل سے) ذرا منگوایئے تو مجھے یقین ہے کہ اس میں کچھ کھوٹ ضرور ہوگا

ہزاری مل - (چندرکانت سے) ذرا لے آؤ بیٹا میں دیکھوں گا۔

جگدیش - جو شخص یہ سونا بیچ گیا ہے شہر کا ایک بدمعاش ہے - میں اسے جانتا ہوں۔

ہزاری مل (چونک کر) بدمعاش! آپ جانتے ہیں

جگدیش ۔ ہاں میں جانتا ہوں اور ابھی اس کی بات چیت سن کر آ رہا ہوں ۔

(چندر کانت ہاتھ میں سونا لئے آتا ہے اور اپنے باپ کو دیتا ہے ۔۔۔)

ہزاری مل (چندر کانت سے جگدیش کی طرف اشارہ کرکے) ان کا خیال ہے کہ یہ خراب سونا ہے۔

چندر کانت ۔ مگر معلوم تو ٹھیک ہوتا ہے ۔

ہزاری مل ۔ خیر، ہم اسے کسوٹی پر گھس کر جانچتے ہیں۔

(ہزاری مل سونا کسوٹی پر گھستا ہے)

ہزاری مل ۔ کھوٹا ۔ بالکل کھوٹا ۔

(چندر کانت کو برا بھلا کہتا ہے اور مارنے کے لیے اٹھتا ہے چندر کانت اندر بھاگ جاتا ہے)

ہزاری مل (جگدیش سے) اس بدمعاش کا کوئی پتہ نشان مل سکتا ہے ؟ ۔

جگدیش ۔ کیوں نہیں ۔ وہ یہاں سے تھوڑی دور اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہنسی مذاق کر رہا تھا ۔ اگر آپ چلنا چاہیں تو میں لے چلوں ۔

ہزاری مل ۔ ہاں ، ہاں چلئے ابھی چلئے ۔

جگدیش ۔ اچھا تو اپنے لڑکے کو بھی ساتھ لے لیجئے ۔ اور اس سے کہئے کہ سونا بھی لیتا چلے

(ہزاری مل زور سے آواز دے کر چندر کانت کو بلاتا ہے اور کہتا ہے، کہ سونا لے کر ہمارے ساتھ آؤ منیم جی سے کہہ دو کہ دکان میں آکر بیٹھ جائیں ہزاری مل، جگدیش اور چندر کانت دوکان سے نیچے اترتے ہیں)

پردہ گرتا ہے

تیسرا سین

منظر

باغ ، حوض ، گھاس پر بچھی ہوئی بنچیں

(بہت سے آدمی ادھر ادھر گھاس اور بنچوں پر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں ۔)

جگدیش ۔ وہ دیکھئے حوض کی پچھم والی بنچ پر تین آدمی بیٹھے ہیں ۔ ان میں بیچ والا آدمی وہی بدمعاش ہے

(سب لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے بل چندر کے پاس پہنچ جاتے ہیں ۔)

ہزاری مل ۔ کیا ابھی ابھی اس لڑکے کے ہاتھ تم سونا بیچ آئے ہو ۔

بل چندر ۔ ہاں کیا بات ہے ۔

ہزاری مل (غصے سے) بات! تم نے دھوکا دیا میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں (چندر کانت سے) جاؤ سپاہی کو بلا لاؤ ۔

(چندرکانت جانے لگتا ہے۔ بل چندر
دوڑ کر روک لیتا ہے۔)

بل چندر۔ میرے بھائی نے دلی سے سونا اور
یہ خط مجھے بھیجا تھا۔ خط پڑھ لیجئے۔ مجھے نہیں معلوم
سونا کھرا ہے یا کھوٹا۔

(ہزاری مل خط پڑھتا ہے۔)

ہزاری مل۔ تو کیا تمھیں نہیں معلوم تھا۔ لیکن سونا واپس
لینا اور دام لوٹانے ہوں گے۔ اسی میں خیریت
ہے۔

چندرکانت۔ اگر سونا خراب ہے تو میں دام لوٹا
دوں گا۔ لاؤ مجھے دو۔

(چندرکانت سونا بل چندر کو دیتا ہے۔)

بل چندر۔ یہ تو میرا سونا نہیں ہے۔ اگر یہی میں نے
تمھیں دیا ہے تو میں لوٹاتا ہوں میرا سونا ۹ ماشے تھا

(بل چندر سریندر سے کہتا ہے کہ ذرا کہیں
سے سونا تولنے کا کانٹا اور باٹ تو لے آؤ۔
سریندر بھاگا بھاگا جاتا ہے۔ اور کانٹا
اور باٹ لے آتا ہے۔ بل چندر سونا
تولتا ہے اور وہ سات ماشے نکلتا ہے)

چندر (غصے سے) تم جھوٹ بولتے ہو یہ میرا سونا
ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے بھائی نے خط میں
۹ ماشے لکھا ہے اور تمھارے لڑکے نے مجھے
تم بھی ۹ ماشے کے ہی دئے ہیں۔ نکل جاؤ
یہاں سے! بے ایمان!

(ہزاری مل چندرکانت اور جگدیش
شرمندہ ہو کر جانے لگتے ہیں اتنے میں
ایک کانسٹبل آتا ہے)۔

کانسٹبل۔ کیا بات ہے؟

ہزاری مل۔ (بل چندر کی طرف اشارہ کرکے) اس
شخص نے میرے لڑکے کے ہاتھ سونا بیچا تھا
جب میں نے آ کر دیکھا تو وہ بالکل خراب نکلا۔

بل چندر۔ واہ۔ لالہ جی واہ۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے
میں نے جو سونا تمھارے لڑکے کو دیا ہے وہ ۹ ماشے
تھا اور یہ جو اب سونا ۷ ماشے ہے۔ یہ میرا ہرگز...

کانسٹبل (سریندر سے) چپ بدمعاش۔ اس سڑک
پر دیوار کے پاس میں نے تم دونوں کی سب
باتیں سن لی تھیں اور جب برابر تمھارے پیچھے
پیچھے تھا۔ مجھے سب حال معلوم ہے۔ تم
دونوں بدمعاش ہو۔

(کانسٹبل سریندر اور بل چندر کو گرفتار کرکے
تھانے لے جاتا ہے اور چلتے چلتے چندرکانت
سے کہتا ہے۔

کانسٹبل۔ تم ابھی بچے ہو اس لئے چھوڑے دیتا ہوں اب
کبھی کسی کے ساتھ بے ایمانی نہ کرنا۔ دیکھا ذرا سی
بے ایمانی کی کیا سزا ملی۔ چور نے الٹا تمھیں چور
بنا دیا۔

(پردہ)

ہزاری مل (چونک کر) بدمعاش! آپ جانتے ہیں

جگدیش - ہاں میں جانتا ہوں اور ابھی اس کی بات چیت سن کر آرہا ہوں۔

(چندرکانت ہاتھ میں سونا لئے آتا ہے اور اپنے باپ کو دیتا ہے ...)

ہزاری مل (چندرکانت سے جگدیش کی طرف اشارہ کرکے) ان کا خیال ہے کہ یہ خراب سونا ہے۔

چندرکانت - مگر معلوم تو ٹھیک ہوتا ہے۔

ہزاری مل - خیر، ہم اسے کسوٹی پر گھس کر جانچتے ہیں۔

(ہزاری مل سونا کسوٹی پر گھستا ہے)

ہزاری مل - کھوٹا۔ بالکل کھوٹا۔

(چندرکانت کو برا بھلا کہتا ہے اور مارنے کے لیے اٹھتا ہے چندرکانت اندر بھاگ جاتا ہے)

ہزاری مل (جگدیش سے) اس بدمعاش کا کوئی پتہ نشان مل سکتا ہے؟

جگدیش - کیوں نہیں۔ وہ یہاں سے تھوڑی دور اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ اگر آپ چلنا چاہیں تو میں لے چلوں۔

ہزاری مل - ہاں، ہاں چلئے ابھی چلئے۔

جگدیش - اچھا تو اپنے لڑکے کو بھی ساتھ لے لیجئے۔ اور اس سے کہئے کہ سونا بھی لیتا چلے

(ہزاری مل زور سے آواز دے کر چندرکانت کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ سونا لے کر ہمارے ساتھ آؤ۔ منیم جی سے کہہ دو کہ دوکان میں آکر بیٹھ جائیں ہزاری مل، جگدیش اور چندرکانت دوکان سے نیچے اترتے ہیں)

پردہ گرتا ہے

تیسرا سین

منظر

باغ، حوض، گھاس پر بچھی ہوئی بنچیں

(بہت سے آدمی ادھر ادھر گھاس اور بنچوں پر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔)

جگدیش - وہ دیکھئے حوض کی پچھم والی بنچ پر تین آدمی بیٹھے ہیں۔ ان میں بیچ والا آدمی وہی بدمعاش ہے

(سب لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے بل چندر کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔)

ہزاری مل - کیا ابھی ابھی اس لڑکے کے ہاتھ تم سونا بیچ آئے ہو۔

بل چندر - ہاں کیا بات ہے۔

ہزاری مل (غصے سے) بات! تم نے لڑکے کو دھوکا دیا میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں۔

(چندرکانت سے) جاؤ سپاہی کو بلا لاؤ۔

(چندرکانت جانے لگتا ہے۔ بل چندر دوڑ کر روک لیتا ہے۔)

بل چندر۔ میرے بھائی نے دلی سے سونا اور یہ خط مجھے بھیجا تھا۔ خط پڑھ لیجیے۔ مجھے نہیں معلوم سونا کھرا ہے یا کھوٹا۔

(ہزاری مل خط پڑھتا ہے۔)

ہزاری مل۔ مانا کہ تمھیں نہیں معلوم تھا۔ لیکن سونا واپس لینا اور دام لوٹانے ہوں گے۔ اسی میں خیریت ہے۔

بل چندر۔ ہاں۔ اگر سونا خراب ہے تو میں دام لوٹا دوں گا۔ لاؤ مجھے دو۔

(چندرکانت سونا بل چندر کو دیتا ہے۔)

بل چندر۔ یہ تو میرا سونا نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے تمھیں دیا ہے تو میں تولتا ہوں میرا سونا ۷ ماشے تھا

(بل چندر سریندر سے کہتا ہے کہ ذرا کہیں سے سونا تولنے کا کانٹا اور باٹ تو لے آؤ۔ سریندر بھاگا بھاگا جاتا ہے۔ اور کانٹا اور باٹ لے آتا ہے۔ بل چندر سونا تولتا ہے اور وہ سات ماشے نکلتا ہے)

بل چندر (غصے سے) تم جھوٹ بولتے ہو یہ میرا سونا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میرے بھائی نے خط میں ۶ ماشے لکھا ہے اور تمھارے لڑکے نے مجھے دام بھی ۶ ماشے کے ہی دئے ہیں۔ نکل جاؤ یہاں سے! بے ایمان!

(ہزاری مل چندرکانت اور جگدیش شرمندہ ہوکر جانے لگتے ہیں اتنے میں ایک کانسٹبل آتا ہے)۔

کانسٹبل۔ کیا بات ہے؟

ہزاری مل۔ (بل چندر کی طرف اشارہ کرکے) اس شخص نے میرے لڑکے کے ہاتھ سونا بیچا تھا جب میں نے آکر دیکھا تو وہ بالکل خراب نکلا۔

بل چندر۔ واہ۔ لالہ جی واہ۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے میں نے جو سونا تمھارے لڑکے کو دیا ہے وہ ۶ ماشے تھا اور یہ خراب سونا ۷ ماشے ہے۔ یہ میرا ہرگز۔۔

کانسٹبل (سریندر سے) چپ بدمعاش۔ اس سڑک پر دیوار کے پاس میں نے تم دونوں کی سب باتیں سن لی تھیں اور جب سے برابر تمھارے پیچھے پیچھے تھا۔ مجھے سب حال معلوم ہے۔ تم دونوں بدمعاش ہو۔

(کانسٹبل سریندر اور بل چندر کو گرفتار کرکے تھانے لے جاتا ہے اور چلتے چلتے چندرکانت سے کہتا ہے۔

کانسٹبل۔ تم ابھی بچے ہو اس لئے چھوڑے دیتا ہوں آئندہ کبھی کسی کے ساتھ بے ایمانی نہ کرنا۔ دیکھا ذرا سی بے ایمانی کی کیا سزا ملی۔ چور نے الٹا تمھیں چور بنا دیا۔

(پردہ)

گتے کا کام

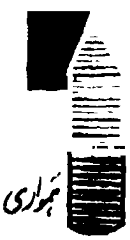
سید عروج الحسن صاحب

سال گرہ نمبر میں گتے کے کام پر تم نے مضمون پڑھا ہوگا۔ اس مضمون میں ہم نے تمھیں سب ضروری سامان بتا دیا تھا۔ اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ یہ سب سامان اکٹھا کرلینا۔ پھر اگلے نمبر میں ہم تمھیں چیزیں بنانے کی ترکیب بتائیں گے۔ تو آج ہم رائٹنگ پیڈ بنانے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ یہ بہت آسان کام ہے۔ بس ذرا ہماری ترکیب کو غور سے پڑھ لو۔

ذرا موٹا سا گتا لے کر اس میں سے ۱۴ انچ لمبا۔ ۱۰ انچ چوڑا ٹکڑا (شکل نمبر ۱) کاٹ لو پہلے

(۱)

گتے پر پنسل سے نشان لگا لو۔ اب گتے کو لکڑی کے بورڈ پر رکھ کر نشان کے برابر برابر لوہے کا پیمانہ رکھ لو۔ پیمانے کو بائیں ہاتھ سے دبا لو داہنے ہاتھ میں چاقو اس طرح پکڑو کہ انگوٹھے کے برابر کی انگلی چاقو کے پیچھے کی گدی پر ہو اب چاقو اوپر سے نیچے کی طرف کھینچو۔ ایک ہی مرتبہ میں کاٹنے کی کوشش نہ کرنا۔ رفتہ رفتہ کاٹنے میں اچھا بھی کٹے گا۔ اور آسانی بھی ہوگی۔ اس کے بعد قینچی سے ریشے صاف کرکے ہمواری سے کونے برابر کر دو۔ (شکل نمبر ۲)



ہمواری

(۲)

اب اس گتے پر ۱۵ انچ × ۱۱ انچ کسی رنگ کا کاغذ اس طرح چپکاؤ کہ ہر طرف ½ انچ کاغذ نکلا رہے۔ (شکل نمبر ۳) اس کے بعد کاغذ کے چاروں کونے اس صورت سے کاٹو

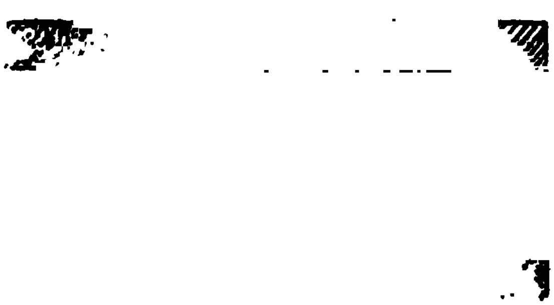
کر گتے کے اور کاغذ کے کنارے کے درمیان

(۳)



اندازاً گتے کی موٹائی کے برابر فاصلہ رہے (نمبر۴)

(۴)



کونے کاٹنے کے بعد چاروں طرف سے کاغذ موڑ کر گتے پر چپکا دو۔ اب اس کو کسی ہموار چیز پر رکھ کر بورڈ سے دبا دو ورنہ مڑنے کا اندیشہ ہے اس کے بعد کسی کپڑے کے ۲ انچ × ۴ انچ (نمبر۵)

(۵)



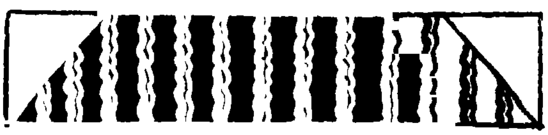
چار ٹکڑے لو۔ لیہی لگا کر دوہرا کر دو (نمبر۶)

(۶)

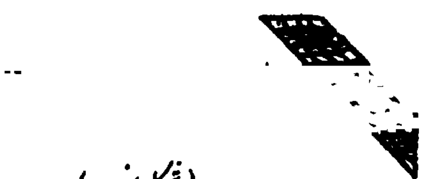


اور خشک ہونے کے بعد اس طرح کاٹ لو (نمبر۷)

(۷)



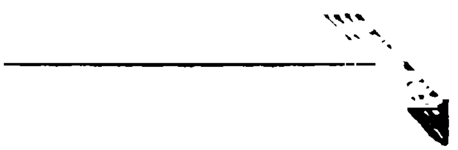
جب گتا خشک ہو جائے تو کونوں کو گتے کے سیدھے رخ پر رکھو (شکل ۸) پھر پیچھے



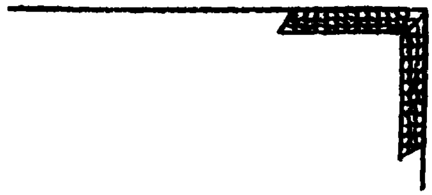
(شکل نمبر ۸)

کی طرف کپڑے کے اس حصے پر جو باہر نکلا ہوا ہے لیہی لگا کر گتے پر چپکا دو (شکل نمبر ۹ ا، ب)

(۹ ا)

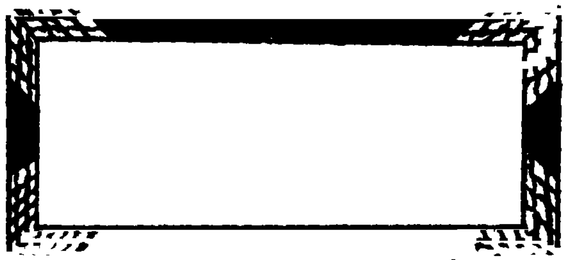


(۹ ب)



چاروں کونے چپکانے کے بعد۔ ایک دوسرے رنگ کا ۱۳ ½ انچ × ۹ ½ انچ کا غذ لو اور پشت پر اس طرح چپکادو کہ چاروں طرف برابر فاصلہ باقی رہے۔ (شکل نمبر ۱۰) ۔ اس کاغذ کی

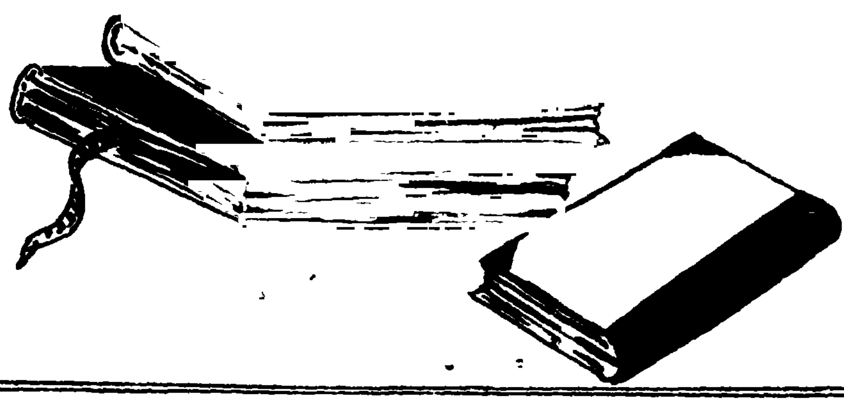
(۱۰)



برابر جاذب کاٹ کر سیدھے رُخ پر کونوں کے نیچے دبادو۔ لو بلاٹنگ پیڈ تیار ہوگیا۔ (شکل نمبر ۱۱) ہے نا کام کی چیز؟

(۱۱)





نئے نئے کھیل

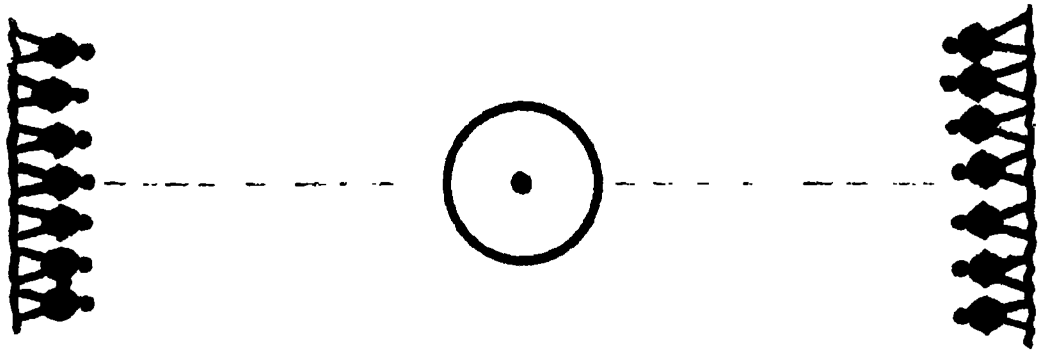
محمد اکرام میرٹھی

سال گرہ نمبر میں نئے نئے کھیلوں والا مضمون بہت پسند کیا گیا۔ اب میں چند کھیل اور بتاتا ہوں یہ بھی ایسے ہی دلچسپ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ سب پیامی اور پیام برادری کے ممبر انھیں کھیل کر خوش ہوں گے

پہلا کھیل

یہ کھیل میدان میں یا بڑے کمرے میں کھیلا

پر دونوں ٹولیاں آمنے سامنے کھڑی ہوں (بیچ کا فاصلہ برابر ہو) اب دونوں ٹولیوں کے لڑکوں کو گن لیا جائے۔ دونوں مقابل کے لڑکوں کا نمبر ایک ہی سمجھا جائے گا۔ جیسے ایک طرف کی ٹولی کے دوسرے لڑکے کا نمبر دو ہوگا تو دوسری ٹولی میں اس کے مقابلے میں جو لڑکا کھڑا ہے اس کا نمبر بھی دو



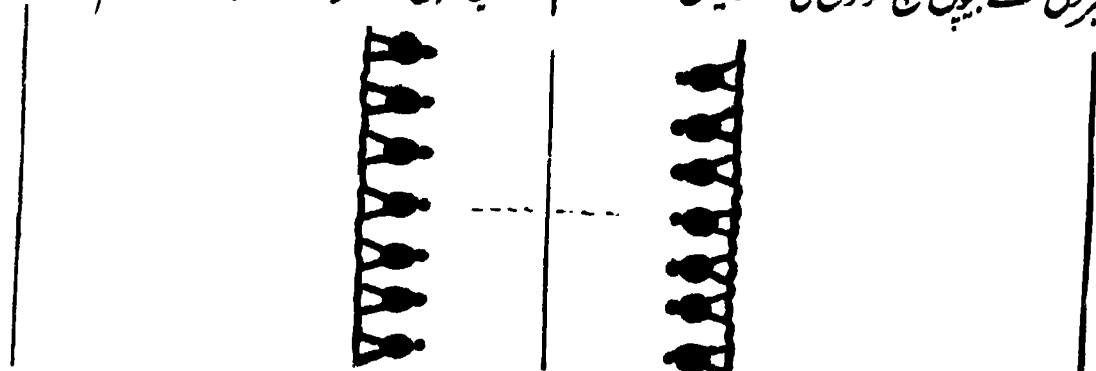
جا سکتا ہے۔ پہلے لڑکے دو برابر کی ٹولیوں میں تقسیم ہو جائیں۔ پھر ایک دائرہ بنا کر اس میں گیند یا مٹی کا ڈھیلا رکھ دیا جائے۔ اس دائرے کے دونوں طرف ایک لکیر کھینچ دی جائے۔ اس لکیر کے دونوں خاتموں

ہوگا۔ اب نمبر بولے جائیں گے۔ ایک لڑکا دائرے کی طرف دوڑے گا اور دائرے میں جو چیز رکھی ہے اسے لے کر واپس آجائے گا۔ دوسری ٹولی کا اسی نمبر کا لڑکا اسے چھونے کی کوشش کرے گا۔ اور اگر

چھوسے گا تو اُسے ایک نمبر ملے گا۔ ہر لڑکے کو ترتیب سے دوڑنے کا موقع دیا جائے گا جو ٹولی سب سے زیادہ نمبر بنائے گی وہ جیتی ہوئی سمجھی جائے گی۔ اس کھیل کو فرعون کی لڑائی کہتے ہیں۔

دوسرا کھیل :۔

کھیل شروع کرنے سے پہلے دونوں طرف حد کے لئے ایک ایک لکیر کھینچ دی جائے۔ اب ان لکیروں کے بیچوں بیچ لڑکوں کی دو ٹولیاں آمنے سامنے



کھڑی کی جائیں اور دونوں کا ایک ایک نام رکھ دیا جائے مثلاً ایک کا نام "کام" اور دوسری کا "کاج" اب استاد یا کوئی اور کام یا کاج کہے۔ "کا" کو اتنا لمبا کرے کہ دونوں ٹولیاں منتظر رہیں۔ کام کہنے پر کاج والی ٹولی دوڑے گی اور کام والی ٹولی اُسے پکڑنے کی کوشش کرے گی پکڑے ہوئے لڑکے پکڑنے والوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ اسی طرح کاج کہنے پر کام والی ٹولی دوڑے گی اور کاج والی ٹولی اسے پکڑنے کی کوشش کرے گی جو ٹولی سب سے زیادہ لڑکوں کو گرفتار کرے گی جیتی ہوئی سمجھی جائے گی۔ کھینچنے والوں کو دونوں لکیروں کی حد میں رہ کر کھیلنا ہوگا

۳۔ ایک بڑا دائرہ بنایا جائے اور لڑکوں کو دو ٹولیوں میں تقسیم کیا جائے ایک ٹولی دائرے کے اندر رہے دوسری اس کے چاروں طرف دائرے کے باہر والی ٹولی اندر والی ٹولی کو گیند کے ذریعے باہر نکالنے کی کوشش کرے یعنی ان کے گیند مارے اندر والے لڑکے بچنے کی کوشش کریں۔ جس کے گیند لگ جائے یا قدم دائرے سے باہر ہو جائے وہ باہر نکال دیا جائے اسی طرح سب لڑکوں کو دائرے سے باہر نکال دیا جائے اب باہر والی ٹولی اندر جائے اور اس کے ساتھ بھی یہی کیا جائے۔ جو ٹولی اندر والوں کو جلد باہر نکالے گی وہ جیتی ہوئی سمجھی جائے گی اور جس ٹولی کا جو لڑکا اندر رہ جائے گا وہ بادشاہ کہلائے گا۔ اُسے ہاری ہوئی ٹولی کے سب لڑکے سلام کریں گے

یہ کھیل مقررہ وقت میں ہوگا۔ دونوں ٹولیوں کو ایک سا وقت دیا جائے گا۔

رُوپ سِنگارا

مرزا بشیر احمد - حیدرآباد دکن

ایک بار بادشاہ جہاں گیر شکار کو نکلے - تھوڑی سی فوج بھی ساتھ تھی۔ شکار کی تلاش میں دور نکل گئے۔ دھوپ بہت تیز پڑ رہی تھی - بادشاہ کو پیاس معلوم ہوئی ادھر اُدھر دیکھا - دور بہت دور درختوں کا جھنڈ نظر آیا - وہاں پہنچے تو ایک چھوٹا سا مندر تھا - اور سامنے چھوٹا سا باغ اس میں چشمہ بہہ رہا تھا - ایک برگد کے نیچے جھونپڑی پڑی تھی -

جھونپڑی میں ایک خوب صورت سی لڑکی تھی اس کا نام روپ سنگارا تھا پیار میں لوگ اسے روپا روپا کہتے تھے - جہاں گیر نے روپا سے کہا "بیٹی بھولا بھٹکا مسافر ہوں پیاس لگ رہی ہے تھوڑا سا پانی پلا دے" لڑکی نے کہا آپ مسافر ہیں تو گھوڑے سے اُتر آیئے اور تھوڑی دیر آرام کیجئے" - یہ کہہ جلدی سے جھونپڑی میں جا جو کی دو روٹیاں تھوڑی سی چٹنی اور پینے کا پانی لے آئی اور بولی "آپ باسی منہ پانی نہ پیجئے - تھوڑی سی روٹی بھی کھا لیجئے" لڑکی مسافر کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ اس کی نظر جہاں گیر کی انگلی پر پڑی اس میں یاقوت کی انگوٹھی تھی - بھاگی بھاگی جھونپڑی میں گئی اور کاغذ کا بستہ سا اُٹھا لائی ، ور کچھ دیکھنے لگی۔ پھر اس نے جہاں گیر کا داہنا ہاتھ دیکھا اور ایک کاغذ نکالا جس پر زائچہ بنا ہوا تھا - یہ زائچہ اس نے بادشاہ کے چہرے سے ملایا اور مندر کی طرف منہ کر کے کسی کو پکارا - مندر سے ایک بڑھیا نکلی - اور پوچھنے لگی - یہ مسافر کون ہے - جہاں گیر نے آگے بڑھ کر کہا "میں دہلی کا رہنے والا سپاہی ہوں - لشکر سے الگ ہو گیا ہوں اس لڑکی نے مجھے روٹی کھلائی اور پانی پلایا" - روپا بولی "جی ہنیں میں پہچان گئی میرے پتا جی نے جو کچھ بتایا تھا سچ نکلا - یہ دیکھئے اُن کا زائچہ -- آپ ہمارے شہنشاہ ہیں" جہاں گیر ہنس کر کہنے لگا "تم لوگ یہاں جنگل میں کیوں رہتے ہو اور کھانے پینے کو کہاں سے آتا ہے" بڑھیا نے جواب دیا "گاؤں کے لوگ مندر میں آتے ہیں تو کچھ کھانے کو دے جاتے ہیں - کبھی ہم بھی مال دار تھے - پنڈت گیانی بیاس میرے شوہر بیجاپور کے بڑے رئیس تھے وہ کسی بات سے ناخوش ہو کر وہاں سے چلے

آئے۔ اور اس مندر میں رہنے لگے۔ انھوں نے اپنی بیٹی کو خوب پڑھایا لکھایا۔ ایک دن اس کا زائچہ بنایا اور خود بھی بنایا۔ دونوں زائچے ایک سے تھے۔ یہ دیکھ کر پنڈت جی کہنے لگے "بیٹی تیری قسمت اچھی ہے تو میرا نام زندہ رکھے گی۔ ایک دن تیرا مہمان دہلی کا بادشاہ ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں اصلی یاقوت کی انگوٹھی ہوگی۔" بس ان ہی باتوں سے روپا نے آپ کو پہچانا۔ اب میں کیسے یقین کروں کہ آپ سپاہی ہیں۔ آپ تو ہمارے شہنشاہ ہیں۔"

بڑی بی کی باتوں کا جہاں گیر پر بہت اثر ہوا اور کہنے لگا "میں جا ہے کچھ بھی ہوں۔ آج سے تم میری ماں اور روپا میری بیٹی ہے۔" جہاں گیر نے یہ یاقوت کی انگوٹھی روپا کو دے دی۔ اتنے میں فوج بھی ڈھونڈتی ڈھانڈتی ادھر آنکلی۔ اور بادشاہ کو پاکر بہت خوش ہوئی۔ اب بادشاہ نے کہا "ہاں میں بادشاہ جہاں گیر ہوں" یہ سن کر روپا جھونپڑی سے ایک لفافہ لائی۔ جہاں گیر نے کھولا تو فارسی زبان میں یہ عبارت تھی:-

"ہندوستان کے بادشاہ سلامت رہیں۔ ہندوستان کا راج مبارک ہو۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آپ دکن فتح کریں گے افسوس ہے کہ میں زندگی میں آپ کو نہ دیکھ سکا۔ میری ایک وصیت ہے اور وہ یہ کہ میری بچی روپا جو وارث ہے اُسے آپ اپنے سایے میں لے لیجیے۔"

بادشاہ دونوں ماں بیٹیوں کو محل میں لے آئے بادشاہ بیگم نور جہاں بھی روپا کو بہت چاہنے لگیں۔ بادشاہ نے روپا کا بیاہ تالی کوٹا کے ایک معزز خوب صورت اور نوجوان برہمن سے کر دیا۔ شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ خود بادشاہ اس شادی میں شریک تھے۔ جہیز میں لاکھوں روپے کے سامان کے علاوہ تالی کوٹا کی ریاست اور سولہ لاکھ کی جائداد بھی دی گئی۔ یاقوت کی انگوٹھی اب تک اس راج کے توشہ خانے میں محفوظ ہے۔ مغل بادشاہوں کی ان ہی باتوں کی وجہ سے ہندو مسلمان رعایا ان پر جان دیتی تھی۔[۱]

(حقوق محفوظ)

پہیلیوں کے جواب

(۱) مینڈک	(۲) کتا	(۳) دروازہ
(۴) حقہ	(۵) پروانہ	(۶) چھتری

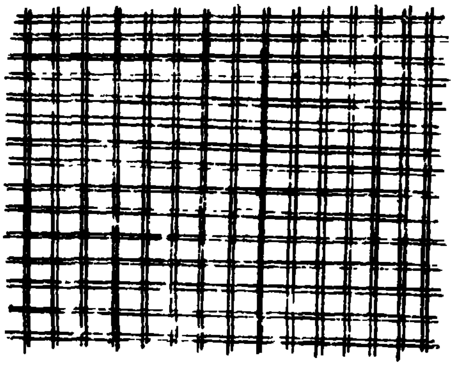
[۱] کہانی لکھتے وقت پریم درپن سے مدد لی گئی

کراس اسٹیچ (آڑے ٹانکے) میں طوطوں کی جوڑی

صالحہ عابد حسین صاحبہ

اس تصویر سے تقریباً دگنا یا اس سے کچھ زیادہ کسی قسم کا موٹا ریشمی کپڑا لو اور اس کے برابر کینوس کا ٹکڑا۔ (کینوس ایک قسم کی جالی کو کہتے ہیں جس کے تاگے دونوں طرف سے کھینچ لئے جاتے ہیں اور وہ خاص اسی کام کے لئے ہوتا ہے۔) اب کینوس کو ریشم کے ٹکڑے کے اوپر کناروں پر سے ٹانک لو۔ بلاک کے نمونے میں جتنے رنگ ہیں۔ سُرخ، سبز، زرد، نیلا، چاکلیٹ، سفید وغیرہ۔ اسی رنگ کے ڈی ایم سی نمبرہ یا اور اسی قسم کا تاگا منگالو۔ اور اب خانہ شماری کرکے آڑے ٹانکوں سے جن کی شکل ایسی × ہوتی ہے جہاں جہاں جو جو رنگ لگا ہے ویسا دیکھ کر بناؤ۔ جب نقشہ تیار ہو جائے تو کینوس کے تاگے ایک ایک کرکے دونوں طرف سے نکال لو۔ اب نیچے کا کپڑا صاف دکھائی دے گا۔ اس کے بعد اسے فریم میں لگواکر اپنے کمرے کی زینت بڑھاؤ۔

کینوس اس شکل کا کپڑا ہوتا ہے۔



اس سارے کام میں احتیاط اور صفائی شرط ہے۔ کینوس اور نیچے کا کپڑا برابر نہ ہوا، جھول آگیا یا ٹانکوں میں کہیں ڈورا ڈھیلا رہ گیا کہیں کھنچ گیا تو تمہاری ساری محنت برباد جائے گی

ماں باپ

مولانا محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکچرر مدراس یونیورسٹی

ماں باپ اس جہاں میں سب سے بڑی ہیں دولت
سچ پوچھیے تو یہ ہیں دونوں خدا کی رحمت
ماں باپ کی محبت
ملتی ہے کب جہاں میں

ہم کو انھوں نے پالا تو ہم بڑے ہوئے ہیں
ہم کو دیا سہارا تو ہم کھڑے ہوئے ہیں
یہ مامتا یہ شفقت
ملتی ہے کب جہاں میں

پیاری جو بیٹیاں ہیں رکھتی ہیں اُن سے اُلفت
سنتی ہیں اُن کا کہنا کرتی ہیں اُن کی خدمت
ماں باپ جیسی نعمت
ملتی ہے کب جہاں میں

ہم پر اگر نہ ہوتی یہ ان کی مہربانی
ملتے نہ ایسے کپڑے ایسا نہ کھانا پانی
رکھتے ہیں یہ جو الفت
ملتی ہے کب جہاں میں

سُکھ چین ہم نے پایا سب ان کی ہی بدولت
ہے سب اِن ہی کے دم سے آرام، عیش، راحت
کی جو انھوں نے محنت
ملتی ہے کب جہاں میں

پیدا ہوئے تھے جب ہم کمزور کس قدر تھے
کچھ جانتے نہیں تھے دنیا سے بے خبر تھے
سیکھی جو ان سے حکمت
ملتی ہے کب جہاں میں

چلنے کے گُر بتائے کھانا ہمیں سکھایا
جو ہم نہ جانتے تھے اچھا بُرا بتایا
کی جو انھوں نے خدمت
ملتی ہے کب جہاں میں

ہمت بڑھا بڑھا کر ڈر جی سے سب نکالا
دن اور رات ہم کو ہر طرح سے سنبھالا
پائی جو ان سے قوت
ملتی ہے کب جہاں میں

ہر وقت بس یہ دُھن ہو ان کو کہ خوش رہیں ہم
کوئی نہ غم اُٹھائیں کوئی نہ دکھ سہیں ہم
دی جو انھوں نے راحت
ملتی ہے کب جہاں میں

پایا ہے ہم نے جو کچھ وہ سب انھیں سے پایا
اچھے کھلائے کھانے اچھا ہمیں پہنایا
کی جو انھوں نے ہمت
ملتی ہے کب جہاں میں

علم و ہنر، سلیقہ سب کچھ ہمیں سکھایا
ایک ایک زندگی کا گُر پیارے بتایا
اس طرح کی عنایت
ملتی ہے کب جہاں میں

دن رات دکھ ہماری خاطر یہ جھیلتے ہیں
اور ہم مزے سے کھاتے پیتے ہیں کھیلتے ہیں
اللہ کی یہ رحمت
ملتی ہے کب جہاں میں

بیمار ہوں اگر ہم سوتے نہیں ذرا یہ
ناخوش ہوں ہم تو پھر خوش ہوتے نہیں ذرا یہ
ماں باپ کی سی چاہت
ملتی ہے کب جہاں میں

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو

آج پھر پورے دو مہینے کے بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ تم سب خوش اور خوب تندرست ہوگے میں ان دنوں بہت مصروف رہی۔ اب کچھ چھٹی ملی ہے اور ارادہ ہے کہ اپنی برادری کے لئے جم کر کچھ کام کروں۔

اس عرصے میں بہت سے بچوں اور بچیوں کے خط میرے پاس آئے۔ ان خطوں میں کچھ بچیوں نے یہ شکایت کی ہے کہ بعض شاخیں سیاسی عنوانوں پر بھی تقریریں کرتی ہیں۔ کچھ بڑی عمر کے لڑکوں نے یہ خواہش کی ہے کہ ہمیں سیاسی بحثوں میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ لیکن میں صاف طور پر یہ اعلان کرتی ہوں کہ ہماری برادری بچوں کی برادری ہے۔ بچوں کا اور دوسری مفید چیزوں کو چھوڑ کر سیاسی باتوں میں حصہ لینا میرے خیال میں ہرگز مفید نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ہماری برادری کو نہ مسلم لیگ سے کوئی تعلق ہے۔ نہ کانگریس سے۔ یہ برادری محض اس لئے قایم کی گئی ہے کہ بچوں کو اچھے اور مفید راستوں پر چلائے۔ ان میں آپس میں محبت، دوستی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرے۔ اُن کے فرصت کے وقت کے لئے دلچسپ اور مفید مشغلے بتائے۔ اور انھیں اپنے اوپر بھروسا کرنا سکھائے اور سب بچے اگر اُن باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کے مطابق عمل کریں تو انھیں سیاسی باتوں کی طرف توجہ کرنے کا وقت ہی نہیں ملے گا۔ اگر بڑے لڑکوں کو ان باتوں سے دلچسپی ہے تو وہ اس کے لئے الگ انجمن قائم کرلیں۔ برادری کو اس کے لئے اکھاڑا نہ بنائیں۔

محترمہ درۃ البیضا بیگم کے خط سے معلوم ہوا کہ:۔ کالج کے انعامی مقابلے میں ان بچیوں نے حصہ لیا۔

حبیبہ بی، موڑک۔ ہاجرہ خاتون، گورکھپور۔ نسیم اختر، چک منٹگمری۔ س۔خ۔ شملہ۔ حامدہ عشرت حسین ردولی حسن آرا، میرٹھ۔ روشن آرا، میرٹھ۔ الطاف فاطمہ، لکھنؤ۔ شاکرہ بنت فضل اللہ، حیدرآباد۔ ناصرہ بیگم، پرتاب گڈھ انجنا کماری، حیدرآباد۔ منیرہ جمیل، آصف آباد دکن۔ غلام فاطمہ، سیال کوٹ۔ امینہ خاتون، سیال کوٹ، ثریا خاتون سیال کوٹ۔ حمیرا خاتون، اعظم گڈھ۔ ان میں انعام کی مستحق ثریا خاتون ہیں۔

محترمہ درۃ البیضا بیگم فرماتی ہیں کہ بچیاں دو باتوں کا خیال رکھیں (۱) اپنی عمر ضرور لکھا کریں (۲) چیزیں اپنے ہی ہاتھ سے بنا کر بھیجیں۔ اچھا اب رخصت۔ (تمھاری آپا جان)

جلسوں کی کارروائی:۔

بریلی۔ ۲۰ نومبر کو ۳ بجے بریلی کی شاخ کا پہلا جلسہ ہوا۔ ماسٹر عبدالحبیب صاحب جلسے کے صدر تھے قرآن کی تلاوت کے بعد رشیدہ بانو۔ زبیدہ ساجدہ اور جمیلہ بانو نے نظمیں پڑھیں۔ پھر نصیر الدین حسن نے پیام برادری کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی پھر رشیدہ اور ساجدہ خاتون نے ایک کہانی سنائی۔ اس کے بعد چند بچیوں نے چند نظمیں سنائیں اور نظم میں مکالمہ کیا۔ اس کے بعد عہدے داروں کا انتخاب ہوا ماسٹر عبدالحبیب سرپرست، نصیر الدین حسن صدر، حبیب حسن نائب صدر۔ مطیع الرحمٰن سکریٹری۔ منظر حسین خاں اسسٹنٹ سکریٹری، شیام بہادر چودھری خزانچی۔ اور سید عشرت حسین، جمیل الدین، رشید احمد مجلس منتظمہ کے ممبر چنے گئے۔ چندہ عام ممبروں سے ۱ اور عہدے داروں اور مجلس منتظمہ کے ممبروں سے ۲ مقرر ہوا۔ آخر میں برادری کے ممبروں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ سید ارشد علی صاحب نے برادری قائم کرنے میں بہت مدد دی۔ سید نصیر الدین حسن۔

گلبرگہ:۔ پیام برادری گلبرگہ کا ایک شاندار جلسہ ابراہیم حسین جلیس کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ممبروں کی تقریروں کے بعد اعلیٰ حضرت حضور نظام سے وفاداری اور ریاست کے خلاف موجودہ ہنگامے سے نفرت ظاہر کی گئی۔ تقریری مقابلے کے لئے ابراہیم حسین صاحب جلیس نے ایک کپ بھی رکھا ہے۔

(منقول از روزانہ پیام۔ حیدرآباد دکن)

بھوپال۔ ۲ دسمبر کل پیام برادری کا پندرھواں جلسہ بر مکان مسٹر ظہور الحسن سکریٹری دارالمطالعہ منعقد ہوا جس میں ممبران پیام برادری نے تقریریں کیں۔ موضوع یہ تھا "ہم ہندوستان کو کب اور کس طرح آزاد کرا سکتے ہیں" مسٹر یحییٰ انصاری مسٹر غضنفر۔ مسٹر مہر عالم۔ مسٹر اختر حسین نے ہندوستان کی موجودہ حالت پر کافی روشنی ڈالی۔

اس کے بعد ضیغم اسلام خادم المسلمین مولانا شوکت علیؒ کی ناوقت موت پر اظہارِ غم کیا گیا اور اُن کے ورثاء کے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے دعا مانگی گئی کہ خدائے بزرگ و برتر مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے - آمین ثم آمین

بعد ازاں ایک رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا جس میں مسٹر ظہور الحسن سکریٹری دار المطالعہ کا شکریہ ادا کیا گیا کہ انھوں نے پیام برادری کی سرپرستی منظور فرمائی - ممبران کی کافی تعداد تھی - انتظام نہایت معقول تھا - جلسہ ۹ بجے بخیر و خوبی ختم ہوا -

(۴) - ۱۶ ار دسمبر کو پیام برادری کا جلسہ زیر صدارت مسٹر حامد محمد خاں منعقد ہوا -

ممبران نے موجودہ پردہ پر اپنے دلی جوش و خروش کے ساتھ مخالفت و موافقت پر تقریریں کیں - موجودہ پردے کی مخالفت مسٹر یحییٰ انصاری اور مسٹر مہر عالم نے کی - اور موافقت مسٹر نعیم عابد اور مسٹر غضنفر نے

اس کے بعد نیچے کے رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوئے -

(۱) یہ جلسہ مسٹر بھگوتی پرشاد بی اے کی ناوقت جواں سال موت پر اظہار رنج و ملال کرتا ہے اور جناب ماسٹر جادو رائے صاحب مرحوم کے متعلقین سے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کرتا ہے - محرک یحییٰ انصاری - موید مسٹر مہر عالم -

(۲) "پیام برادری" بھوپال کا ہفتے میں ایک جلسہ ضرور ہونا چاہیئے - محرک زبیر قریشی - موید نعمت علی خاں -

(۳) دفتر پیام تعلیم کو لکھا جائے کہ وہ ہماری انجمن کے نام "پیام تعلیم" کا رسالہ مفت جاری کردے - اور ہماری لائبریری کے لئے پانچ روپے کی کتابیں اور تعلیمی تاش بھی بھیجے جائیں - محرک، مہر عالم - موید غضنفر - اس مرتبہ ممبران کی کافی تعداد نے جلسے کو بہت پر رونق و شاندار بنادیا - آیندہ بھی ایسی ہی امید کی جاتی ہے کہ حاضرین اس طرح شامل ہوا کریں گے - جلسہ بخیر و خوبی ۵½ بجے ختم ہوا -

سکریٹری یحییٰ انصاری ، بھوپال - (منقول از ندیم بھوپال)

جھانسی - ۱۱ ر نومبر ۳۸ء کو کمال اتاترک صاحب کے انتقال کی خبر سن کر سبھی ممبر ملول و محزون نظر آ رہے تھے اس وجہ سے اس خاکسار کا یہ ارادہ ہوا کہ آج برادری کی طرف سے تعزیت کا جلسہ کیا جائے - ہم سب لوگ شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر جمع ہوئے - وہاں مسٹر یوسف نے کمال اتاترک کی سوانح عمری بتائی اور پھر مسٹر جمیل احمد نے اسی مضمون پر تقریر کی - مسٹر الطاف حسین نے اُن کے سیاسی حالات بہ تفصیل بتائے - اس کے بعد خاکسار نے کمال پاشا کے دنیا کی نظروں میں اس قدر عظمت اور دنیا میں ایک بزرگ ہستی ہونے کے اسباب بتائے ... کا وقت قریب آگیا تھا - اس وجہ سے جلسہ برخاست ہوگیا اور مسٹر علی حیدر نے روزہ داروں کی ... کی -

سید یونس حسین - سکریٹری - جھانسی

جھانسی ۔ (روداد جلسہ پنجم) نومبر کو ہمارا پانچواں جلسہ چھ بجے شام کو جمیل بہاری لال کے مکان پر منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد مباحثہ شروع ہوا اور رائے پاس ہوئی کہ مادرانہ محبت بچوں کے لئے مفید ہے اور ترقی پذیر ہے۔ کسی نے مخالفت نہیں کی۔ یونس اول، جمیل دوم اور نظموں میں جمیل بہاری لال اول۔ علی حیدر دوم آئے۔ صفائی میں احمد حسین اول۔ یوسف دوم۔ تندرستی میں قیصر اول اور شہنشاہ حسین دوم آئے۔ پھر دوسرے جلسے کے لئے کتب خانہ، کالج، عنوان پاس ہوا۔ خطبہ صدارت کے بعد نائب صدر مسٹر ابرار احمد صاحب نے مہمانوں کی مٹھائی اور پھل سے تواضع کی اور نعرہ جاگو اور جگاؤ کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ الطاف حسین صدیقی میرٹھی۔ صدر

میرٹھ ۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۳۸ء۔ شام کے ساڑھے چھ بجے ٹاؤن ہال میرٹھ میں پیام برادری میرٹھ کی طرف سے کمال اتاترک کی اظہارِ تعزیت کے لئے ایک عام جلسہ زیر صدارت وقار احمد صاحب منعقد ہوا۔ ہماری پیامی بہنوں اور بھائیوں نے تقریریں کر کے جلسے کو کامیاب بنایا۔ حاضرین میں ڈاکٹر چیٹرجی۔ پروفیسر دیا پرکاش صاحب اور محترمہ سلطانہ بیگم قاضیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے اپنی تقریروں میں کمال اتاترک کے واقعاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگوں کو جو نقصان عظیم اس ہستی کے گذر جانے سے ہوا ہے اس کی تلافی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ آخر میں محمد شفیق سوشل سکریٹری پیام برادری نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش کیا جو باتفاق منظور کیا گیا۔ پیام برادری کا یہ عام جلسہ کمال اتاترک کی وفات پر اظہار غم ورنج کرتا ہے اور مرحوم کے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ اتفاق رائے سے یہ بھی پاس ہوا کہ پیام برادری میرٹھ کی طرف سے اس ریزولیوشن کی نقل ایک تار کے ذریعے ٹرکی بھیجی جائے۔ محمد شفیق سوشل سکریٹری پیام برادری شاخ میرٹھ

علی گڑھ ۔ پیام برادری کا جلسہ نمبر ۲۳ بوقت ۹ بجے بتاریخ ۱۳ر نومبر کو نیلی چھتری میں منعقد ہوا۔ الطاف محمد شفیع صاحب نے نظم پڑھا پھر جناب صدر صاحب نے اس جلسے میں اس مضمون پر تقریر کرنے کو کہا (جاڑا بہتر ہے یا گرمی) پھر انصاری صاحب اور عزیز محمد صاحب اور دیگر ممبران نے اس مضمون پر تقریریں کیں۔ اس کے بعد کئی نے کہانیاں سنائیں۔ پھر جناب الطاف محمد شفیع صاحب اور دیگر ممبروں نے شاہنامہ اسلام میں سے نظمیں پھر اگلے جلسے کے لئے یہ طے پایا کہ کمال ڈے منایا جائے پھر جلسہ برخاست کیا گیا۔

پیام برادری کا جلسہ نمبر ۱۴ بوقت ۹ بجے بتاریخ ۲۰ نومبر اتوار کے روز نیلی چھتری میں منعقد ہوا۔ جناب صدر نے فرمایا کہ جس عظیم الشان ڈکٹیٹر کی یاد میں ہم یہ جلسہ منا رہے ہیں اس کا نام تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔ آج وہ ہمارا مدبر لیڈر جس کی قابلیت کا لوہا تمام دنیا مانتی تھی اور جس کے نام سے تمام یورپین حکومتیں کانپتی تھیں۔ آج وہی مایۂ ناز جس پر ہم فخر کرتے تھے ہمارے درمیان سے اٹھ گئی جس کا جتنا ہم رنج و غم منائیں کم ہے۔ اس کے بعد جناب صدر کمپنے پور میں نے بھی ایک تقریر کی اور پھر دیگر صاحبان نے نہایت ہی پرجوش تقریریں کیں جلسہ نمبر ۱۴ میں یہ بھی طے ہوا ہے کہ منیجر صاحب پیام تعلیم کو لکھا جائے کہ اب کے جنوری کے پرچے کا کمال نمبر نکالا جائے۔

محمد شائق الرسول پاشا۔ سکریٹری پیام برادری علی گڑھ۔

لکھنؤ۔ ہمارا یہ جلسہ ۱۱ نومبر کو ۳ بجے مصطفےٰ کمال صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس دن لکھنؤ کی شاخ کا سب سے پہلا جلسہ کرنے والے تھے۔ مگر مصطفےٰ کمال اتاترک کی ناوقت موت نے روک دیا اور اس دن یوم کمال اتاترک منایا گیا۔ جلسے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہم نے عہدے داروں کا انتخاب کر لیا۔ انتخاب میں (۱) عتیق الرحمان صاحب سرپرست (۲) احمد حسن صاحب صدر (۳) حسن نواب صاحب نائب صدر (۴) صلاح الدین جنرل سکریٹری (۵) عرفان اللہ صاحب سکریٹری (۶) محمد مہدی صاحب نائب سکریٹری (۷) ظفر عمر صاحب خزانچی اور مصطفےٰ کمال صاحب منشی اور دفتر کے انچارج مقرر ہوئے۔ شاخ نے ایک دفتر بھی کھولا ہے۔

ان باتوں کے بعد ہمارے معزز صدر نے پرجوش خطبہ صدارت پڑھا اس میں پیام برادری کا مقصد اور فائدے بتائے اور بتایا کہ آج یوم کمال اتاترک ہے۔ لڑکوں کو اطلاع نہ دی گئی تھی کہ آج یوم کمال ہے اور وقت بھی نہیں تھا۔ پھر بھی ہمارا جلسہ بہت کامیاب رہا۔ قریب قریب ہر لڑکے نے تقریر کی اور مصطفےٰ کمال کی زندگی کے حالات بتائے پھر ہمارے صدر صاحب نے ہم لوگوں کی معلومات میں اور بھی اضافہ کیا پھر ہمارے بڑوں اور سرپرستوں نے پیام برادری کو بچوں اور بچیوں کے لئے ہر طرح سے مفید ٹھہرایا اور سرپرستوں نے بھی تقریریں کیں۔ اس دن مصطفےٰ کمال صاحب نے چائے وغیرہ سے مہمانوں کی تواضع کی یعنی روزہ ان ہی کے گھر پر افطار کیا گیا

سید صباح الدین احمد

جنرل سکریٹری

پیامِ تعلیم
دہلی

پیامِ تعلیم :- یوپی ، سی پی ، بہار، میسور اور حیدر آباد کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا ہوا ہے۔ منیجر

جلد ۲۲

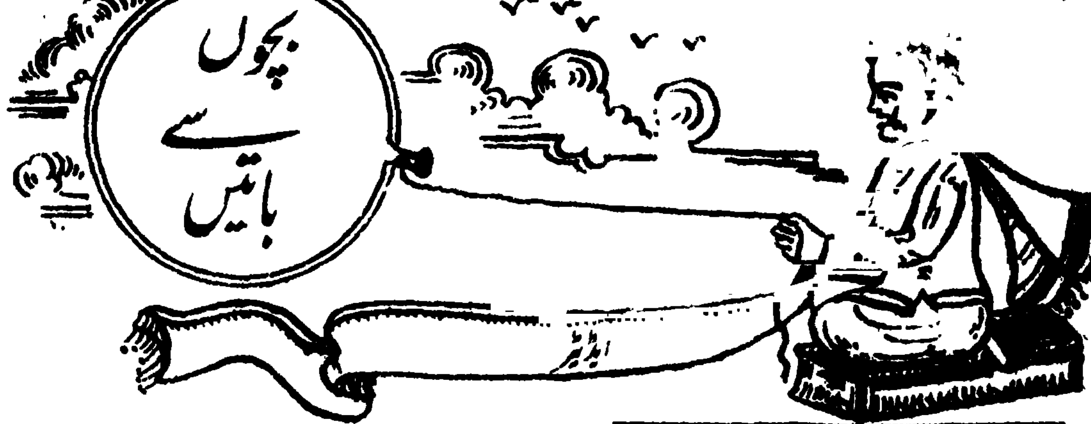
فروری سنہ ۳۹ء

نمبر ۲

قیمت سالانہ ؎ فی پرچہ ۳؍

ایڈیٹر :- محمد حسین حسان

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی ۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی



پیام بچوں اور بچیوں کو بقرعید مبارک۔

یہ پرچہ جس وقت تمھارے پاس پہنچے گا تم عید کی خوشیاں منا رہے ہوگے اور پیام تعلیم کو پاکر تمھاری خوشیاں دوگنا ہو جائیں گی۔ ہم نے اس پرچے کو تمھارے لئے زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ تمھیں بھی پسند آئے گا

اس پرچے میں عطیہ خلیل کی شرارت کے عنوان سے محترمہ مریم خلیل کی ایک دلچسپ نظم شائع ہو رہی ہے۔ ہماری درخواست پر حضرت مولانا سید شرف الدین صاحب مومن وہاس لوکلی سابق استاد جامعہ نے بہت توجہ سے اس نظم پر نظر ثانی فرمائی ہے۔ اس سے نظم کی غلطیاں بھی ٹھیک ہو گئی ہیں اور دلچسپی بھی بڑھ گئی ہے۔ ہم پیام تعلیم میں ایسی ہی نظمیں چھاپنا چاہتے ہیں جو ہر اعتبار سے ٹھیک ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ نظم لکھنے والے حضرات اپنی نظمیں بھیجتے وقت اس بات کا خیال رکھیں گے۔

جناب مظفر الدین صاحب ملک کے ایک خط سے یہ معلوم ہو کر دلی افسوس ہوا کہ ہمارے عزیز ہونہار اور پرجوش پیامی علی امام مظفری نے صرف دو دن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ مرحوم کیورہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے پیام برادری کے ممبر تھے۔ ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا۔ اور اس سلسلے میں بہت سے پیامیوں سے خط کتابت تھی۔ ابھی صرف چودہ برس کا سن تھا۔ مگر سوجھ بوجھ بڑوں جیسی تھی۔ پیام تعلیم سے بے انتہا محبت تھی ایسے ہونہار بچے کے انتقال کا ماں باپ کو جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ ہمیں اس حادثے میں ان کے والد جناب مظفر الدین ملک صاحب ان کے بھائیوں اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا سب کو صبر کی توفیق دے آمین۔

محترمہ درۃ البیضا بیگم کا مضمون پچھلے دنوں دیر سے آیا تھا اس لئے شائع نہ ہو سکا تھا۔ اس مہینے سے سلسلہ پھر شروع کیا جاتا ہے۔ پیام بچوں نے ان مضمونوں کو بے انتہا پسند کیا ہے۔

عطیہ جلیل کی شرارت

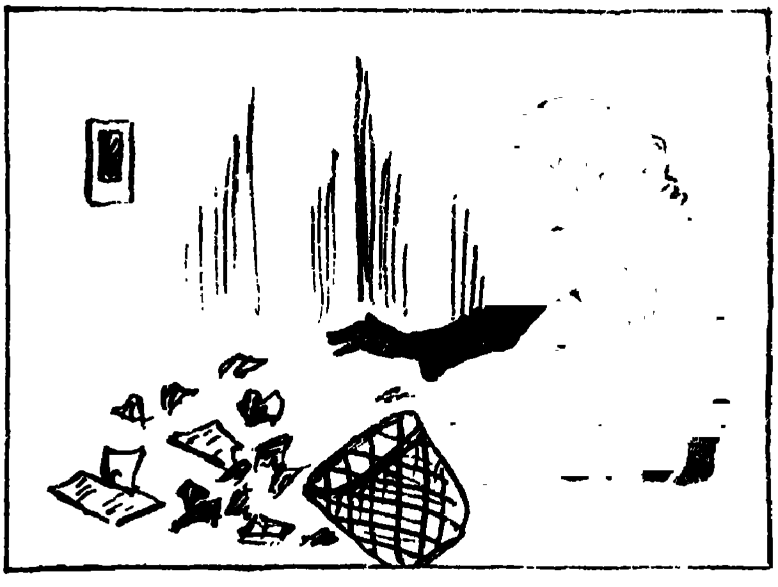
محترمہ مریم خلیل، لکھنؤ

جیسے ہی آج اُٹھی میں سو کر　　کود کے پہنچی مامی کے سر پر
دیکھا تو وہ سوئی ہوئی تھیں　　نیند میں بالکل کھوئی ہوئی تھیں



بجیا بھی خاموش پڑی تھیں　　بے خبر اور بے ہوش پڑی تھیں
پھاند کے آخر ایک مسہری　　بجیا کے سر پر آ دھمکی

بال پکڑ کر خوب جھنجھوڑا
سوتے سے اُن کو جگا کر چھوڑا
بھاگتے ہی بس رونے لگیں وہ
مجھ پر غصّہ ہونے لگیں وہ
اتنے میں مامی بھی پہونچیں
بجیا کو روتے دیکھ کے اُٹھیں
جلد انھیں سینے سے لگایا
پیار کیا سمجھایا بجھایا
اور مجھے اک ڈانٹ بتائی
روٹھ کے میں واں سے اُٹھ آئی



(۲)

بھاگ کے میں اب میز پہ پہنچی
میز کے نیچے ٹوکری دیکھی
ٹوکری میں کچھ ردی بھری تھی
جلدی سے وہ میں نے اُٹھالی
ٹوکری وہ جب میں نے اُٹھالی
دیکھ رہی تھیں مجھ کو بڑی بی
لیکن میں تو ٹوکری لے کر
چل دی اُن کو چکمہ دے کر

دوڑی ہوئی اک کمرے میں آئی
فرش پہ سب ردی پھیلائی
اتنے میں دوڑی آئیں بڑی بی
ہاتھ سے میرے ٹوکری لے لی
پھر چن کر میں نے وہ ردّی
ایک بڑی سی گیند بنا لی
اُس کو لگانے ہی کو تھی ٹھوکر
اتنے میں بابا آگئے سر پر
پہلے تو مجھ کو پاس بلایا
پیار کیا پھر اور سمجھایا

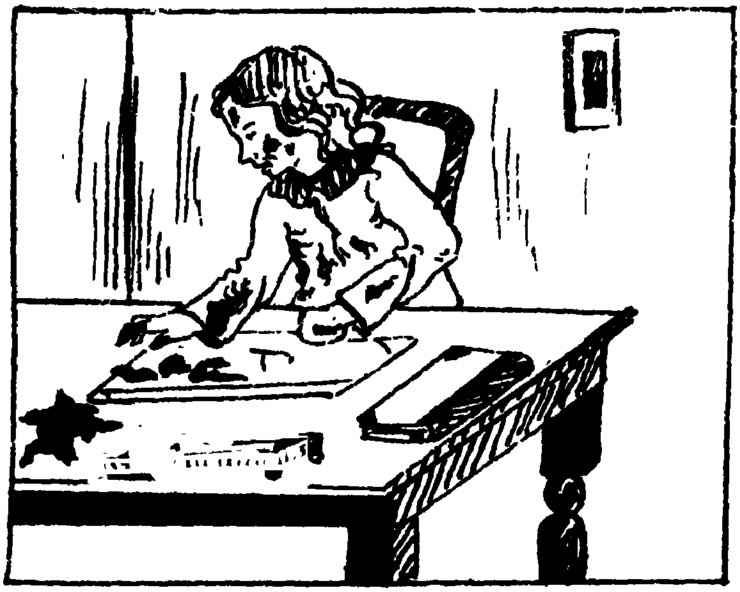
(۳)

اب میں اُٹھ کر باغ میں پہنچی
مل گئی واں اک نیم کی ٹہنی
ہاتھ میں لے کر اب وہ ٹہنی
گھر میں اچھلتی کودتی پہنچی
ٹہنی کی میں نے جھاڑو بنائی
کی پھر فرش کی اس سے صفائی
جھاڑو کے تنکے بھی گرائے
نیم کے پتے بھی پھیلائے
امی کو جو غصہ آیا
مجھ کو پکڑ کر خوب ہلایا
چھین کے مجھ سے نیم کی ٹہنی
کھڑکی میں سے باغ میں پھینکی

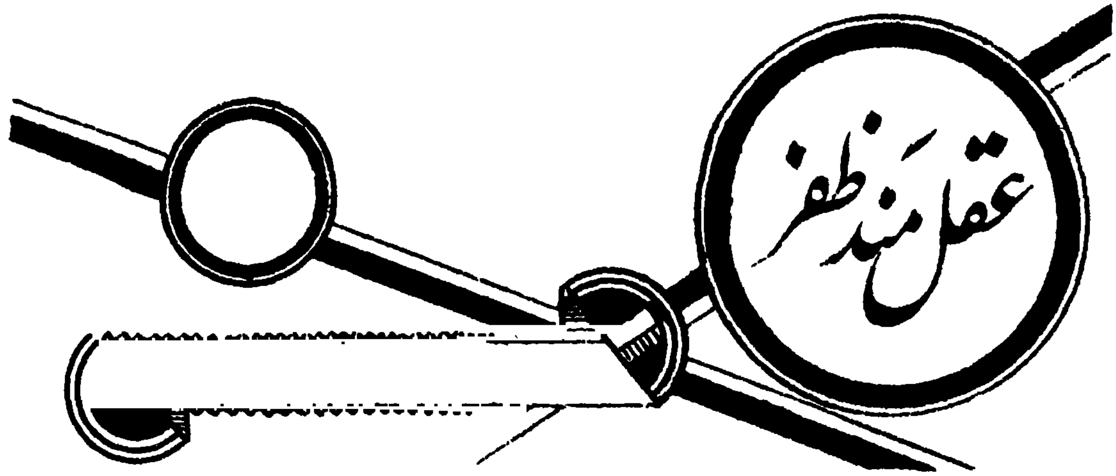
(۴)

ہٹ کے وہاں سے میں باہر آئی
اور دفتر کی میز پہ پہنچی
بیٹھ گئی کرسی پر ڈٹ کر
رکھی تھی جو دوات وہاں پر
انگلی اس میں ڈال کے دیکھی
ہوگئی انگلی بالکل کالی
لگ گئی انگلی میں جو سیاہی
میز کی چادر سے سب پونچھی

پھر جو اور شرارت سوجھی　　میں نے دوات اب سامنے رکھ لی
کپڑوں پر بھی حرف بنائے　　منہ پر بھی کچھ ٹیکے لگائے
اتنے میں باہر آگئے بابا　　اور مجھے اس حال میں دیکھا
پیچھے سے کرسی سے اُٹھا کر　　گود میں اپنی مجھ کو دبا کر
لے چلے مجھ کو ڈانٹ بتاتے　　نرمی گرمی سے سمجھاتے



گھر میں جا کر صحن میں چھوڑا　　اب ماما نے آکے جھنجوڑا
ہاتھ پکڑ کر مجھ کو گھسیٹا　　ڈانٹا ڈپٹا مارا پیٹا
ہاتھ دھلائے داغ چھڑائے　　اور اُجلے کپڑے پہنائے
سیب کھلایا دودھ پلایا　　پیار کیا چھاتی سے لگایا
اول تو میں روئی گھک کر　　سو گئی پھر کاندھے سے لگ کر



ظفر اسکول سے گھر آیا تو اس کی امّی کی سہیلیاں ملنے آئی ہوئی تھیں۔ امّی اُن کی خاطر میں لگی تھیں۔ ظفر نے سلام کیا اور ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ امّی کی سہیلیوں میں سے ایک بی بی روزانہ اخبار کے ایڈیٹر کی بیوی تھیں۔ وہ آج کل کی نئی نئی ایجادوں، سائنس کے کمالوں اور دنیا کے مختلف ملکوں کی تاریخ پر بڑی شان سے باتیں کر رہی تھیں۔ باقی عورتیں جن میں ظفر کی امّی بھی تھیں بہت توجہ سے سُن رہی تھیں۔ امریکہ کے متعلق وہ فرما رہی تھیں "آج کل یہ ملک دنیا میں سب سے زیادہ ترقی پر ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کوئی پرانا ملک نہیں۔ اسے معلوم کئے ابھی تین سو برس بھی نہیں گذرے۔ اسے اسپین کے کونٹ ٹالسٹائی ایک سیاح نے معلوم کیا تھا" ظفر کے کان کھڑے ہوئے۔ اس لے حیرت سے پہلے ان بی بی کی طرف دیکھا اور پھر امّی کی طرف۔ اس میں شک نہیں کہ بڑوں کی بات کاٹنا اور اُسے جھٹلانا بُری اور بے ادبی کی بات ہے۔ پر ایسی غلط بات سن کر وہ کیسے چپ رہ سکتا تھا؟ آخر اُس

سے نہ رہا گیا۔ آگے بڑھ کر نہایت ادب سے ان بی بی سے کہنے لگا۔ "خالہ جان! گستاخی معاف۔ شاید آپ کو سیاح کا نام بتانے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس کا نام کونٹ ٹالسٹائی نہیں۔ کرسٹو فر کولمبس تھا۔ اور اس نے امریکہ آج سے ساڑھے چار سو برس پہلے دریافت کیا تھا۔ اور کونٹ ٹالسٹائی جس کا آپ نے نام لیا ہے۔ روس کا بہت بڑا عالم فاضل مصنّف (کتابیں لکھنے والا) گذرا ہے۔ جو اس صدی میں بھی زندہ تھا"

ایک لمحے کو ایڈیٹر صاحبہ کا رنگ بدل گیا مگر وہ فوراً سنبھل گئیں اور اس گستاخی کے خلاف احتجاج کے طور پر غصہ بھری نظروں سے اپنی میزبان کی طرف دیکھا ظفر کی امی پرانے خیال کی بیوی تھیں۔ ہر حالت میں بزرگوں کا ادب کرنے کی انھیں اپنے والدین سے تعلیم ملی تھی۔ انھوں نے فوراً ظفر کو کمرے کے باہر جانے کا حکم دیا۔ ظفر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ نظریں نیچے کئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس واقعے کے بعد ایڈیٹر صاحبہ کی زبان پر گویا مہر سی لگ گئی۔ انھوں نے خیریت یہی دیکھی کہ جلد رخصت ہو جائیں۔ شام کو ظفر جب گھر آیا تو اُداس تھا۔ امی دیر سے اس کا رستہ دیکھ رہی تھیں۔ صورت دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئیں۔ اس کی پیشانی کو چوما۔ اُن کی آنکھوں میں پشیمانی جھلک رہی تھی اور دل اس خوشی سے بھرا ہوا۔ جو ایسے عقل مند بیٹے کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔

(۲)

ننھی سیڑھیوں سے گر پڑی تھی۔ اس کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی۔ درد کی وجہ سے اس کا چہرا اُتر گیا تھا۔ نہ ہنستی

تھی نہ کسی سے بات کرتی تھی۔ ابّا اور امّی بچی کی یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے اور اس کا دل بہلانے کی بہتیری کوشش کرتے۔ ابّا اس کے لئے ایک خوب صورت گڑیا لائے۔ اس کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح تھا۔ اور آنکھیں تاروں کی طرح اسے جب لٹا دیا جاتا تو وہ آنکھیں بند کر لیتی جیسے سو گئی ہے۔ اٹھاتے تو آنکھیں کھول دیتی گویا جاگ اٹھی ہے۔ مگر ننھی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

ظفر اسکول سے گھر آیا۔ بستہ الماری میں رکھا اور ننھی کے بچھونے کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ننھی نے بھائی کی طرف محبت سے دیکھا پھر نظر دوسری طرف کر لی۔ ظفر بولا "ننھی۔ تم نے کچھ سنا۔ لاہور کے چڑیا گھر میں بڑا تماشا ہوا۔ ننھی نے افسردگی کے لہجے میں پوچھا "کیا؟" ظفر نے کہا ایک دیہاتی پہلی مرتبہ شہر میں آیا۔ اور کسی کے کہنے پر چڑیا گھر دیکھنے گیا۔ وہاں ایک پنجرے میں ایک طوطا بند تھا اتفاق کی بات دیہاتی نے طوطا پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ لاٹھی سے اسے چھیڑنے لگا۔ طوطا باتیں کرنا جانتا تھا جھٹ بول اٹھا "کیا کر رہے ہو احمق"؟

تو ننھی خدا تمہارا بھلا کرے۔ جب دیہاتی نے اسے باتیں کرتے سنا تو گھبرا کر پیچھے ہٹا اور آداب بجا لا کر بولا "حضور معاف فرمائیں۔ میں سمجھا تھا۔ آپ جانور ہیں"۔

یہ سن کر ننھی نے جو قہقہہ مارا تو تمام کمرہ اس کی سریلی آواز سے گونج اٹھا۔ امّی اور ابّا جو ساتھ والے کمرے میں ننھی کی دوا تیار کر رہے تھے۔ لپک کر ننھی کے کمرے میں آ گئے۔ ننھی ہنس رہی تھی۔ ظفر نے ابّا اور امّی کو سلام کیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ امّی اور ابا کے چہرے کھل

گئے۔ اور انھوں نے ظفر کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا۔ جن میں علاوہ محبت کے احسان اور شکریے کی جھلک بھی تھی۔

(۳)

صبح کا سہانا وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ ظفر کے ابّا اور ظفر اپنے ایک انجینیر دوست کے ساتھ کھیتوں کی طرف ٹہلنے نکلے۔ واپسی پر اُن کا گذر ریلوے لائن پر سے ہوا۔ انجینیر صاحب کی نظر ریل کی پٹری پر پڑی اور انھوں نے ظفر سے کہا" میاں ظفر ہم نے تمھاری عقل مندی کی بہت تعریف سُنی ہے۔ تب جانیں کہ ہمارے سوال کا جواب دو۔"

ظفر نے بہت ادب سے کہا:۔ " فرمائیے، میں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

انجینیر صاحب:۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس ریل کی لائن میں جا بجا جوڑ ہیں۔ جہاں دو ٹکڑے آکر ملتے ہیں۔ وہاں انچ بھر جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ انجینیروں نے یہ کام بے سوچے سمجھے نہیں کیا۔ بھلا بتاؤ تو آخر انھوں نے اس میں کیا فائدہ دیکھا۔

ظفر کچھ دیر سوچتا رہا اس کے بعد بولا "کہ دن کے وقت سورج کی گرمی سے یہ دھاتیں پھیل جاتی ہیں۔ ریل کی پٹری لوہے کی ہوتی ہے وہ بھی پھیلتی ہے۔ انجینیر دو ٹکڑوں میں جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر جگہ نہ چھوڑیں تو سورج کی گرمی سے لائن کے ٹکڑے پھیل جائیں اور پٹری ٹیڑھی کردیں۔ یا خود جگہ سے اُکھڑ کر ٹیڑھے ہو جائیں۔"

ظفر کا جواب بالکل ٹھیک تھا۔ انجینیر صاحب نے اس کی بہت تعریف کی۔ ظفر کے ابّا کا جی چاہتا تھا کہ ظفر کا منہ چوم لیں۔

(۴)

میاں ظفر کی عقل مندی کا گھر گھر چرچا تھا۔ امّی کی ساری سہیلیاں اور ابّا کے سارے دوست اُن کی حاضر جوابی اور ذہانت کا لوہا مان گئے تھے۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا کہ لوگوں کو اُن کی معلومات سے فائدہ نہ پہنچتا ہو۔ اگر پڑوس والوں میں سے کسی کو کوئی بات پوچھنا ہوتی تو وہ سیدھا ظفر کے پاس آکر پوچھتا۔

ایک دن ظفر اپنے ابّا سے ہچکچا کر کہنے لگا:۔ ابا جان اگر آپ کے ظفر کو لوگ ہمیشہ اچھا کہیں تو آپ کو خوشی ہوگی یا نہیں؟

ابّا نے مسکرا کر کہا "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

ظفر: پھر ایک کام نہیں کر سکتے آپ؟

ابّا:۔ وہ کیا؟

ظفر:۔ مان بھی لیجئے گا؟

ابّا:۔ مگر معلوم تو ہو۔ تم چاہتے کیا ہو؟

ظفر:۔ مجھے پیام تعلیم کا خریدار بنا دیجئے

ابّا:۔ پیام تعلیم کے خریدار تو تم ضرور بن جاؤ۔ لیکن تمھاری عقل مندی کا پیام تعلیم سے کیا تعلق؟

ظفر:۔ بہت تعلق ہے۔ سچ جانئے میں نے جو کچھ سیکھا اسی سے سیکھا۔ میری ساری ذہانت اسی کی بدولت ہے۔ ہمارے اسکول میں پیام تعلیم آتا ہے۔ میں اچھے مضمون غور سے پڑھتا اور یاد رکھتا ہوں۔" ظفر کے ابّا نے بہت غور اور حیرانی سے اس کی باتیں سنیں۔ اور اسی وقت انھوں نے منیجر پیام تعلیم کو ظفر کے نام پیام تعلیم جاری کرنے کے لئے خط لکھ دیا۔ اب ظفر میاں ہر مہینے نیا پرچہ گھر پر پڑھتے اور پہلے سے زیادہ عقل مند کہلاتے ہیں۔

ہاں — نہیں

محمد حسین حسان

درجے میں سب بچوں نے اپنی اپنی کاپیاں کھول لی تھیں۔ اُستاد نے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر کچھ لکھنا شروع کیا تھا کہ آواز آئی۔ بچو آداب۔ آج ہم تمھیں کوئی نیا کھیل کھلائیں۔

سب بچّے چونک پڑے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ننھے ارشد نے کہا "مجھے تو ریڈیو کی سی آواز معلوم ہوتی ہے"

افضل:۔ ریڈیو ریڈیو یہاں کہاں سے آیا۔

ماسٹر صاحب ہنس پڑے "ادھر میری میز پر دیکھو"۔

محفوظ:۔ آہا! ریڈیو!

ریڈیو پھر بولا۔

"اگر تم میرے ساتھ کھیلنا چاہتے ہو تو سیدھے بیٹھ جاؤ اور کان لگا کے سنو"

سب بچّے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے

ریڈیو:۔ کاغذ اور پنسل نکالو اور لفظ "ہاں" سیدھی طرف اور "نہیں" اُلٹی طرف لکھو۔ میں اس کے لئے تمھیں دو منٹ دیتا ہوں"

ماسٹر صاحب تختۂ سیاہ کے پاس

گئے اور لڑکوں کو بتایا کہ اس طرح لکھنا چاہیے



لڑکوں نے جلدی جلدی پنسل کاغذ نکالا اور دو منٹ ختم ہونے سے پہلے ہی سب نے کاغذ تیار کرلئے اور ریڈیو کے کھیل کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

ریڈیو:۔ ہاں بس یہی طریقہ ہے۔ اب میں تم سے کچھ سوال کروں گا۔ اگر جواب 'ہاں' ہو تو کھڑے ہوجاؤ۔ نہیں ہو تو بیٹھے رہو۔ ایک بات اور سن لو۔ جواب 'ہاں' ہو تو داہنی طرف لفظ ہاں کے نیچے نشان لگادو۔ اور اگر جواب نہیں ہو تو 'نہیں' کے نیچے نشان لگاؤ۔ جب کھیل ختم ہوجائے گا تو جس کے نشان داہنی طرف زیادہ ہوں گے وہی میری ہوگا۔

ماسٹر صاحب نے بتایا کہ نشان اس طرح لگایا جائے (✓)

محفوظ:۔ ماسٹر صاحب آپ بھی کھیلیں گے؟

ماسٹر:۔ ہاں ہاں میں کیوں نہ کھیلوں گا۔

ماسٹر صاحب نے بھی کاغذ پنسل سنبھالا۔

ریڈیو:۔ اچھا اب ہم شروع کرتے ہیں۔ پہلا سوال سنو۔ تمھارے ناخن صاف ہیں؟

گیارہ لڑکوں کا جواب نہیں تھا اس لئے بے چارے بیٹھے رہے۔

ریڈیو:۔ اپنے کاغذ پر نشان لگادو۔ اور دوسرا سوال سنو۔ ناشتے سے پہلے تم نے ہاتھ منہ دھولیا تھا؟۔

سب لڑکے ایک دم کھڑے ہوگئے
اور پھر بیٹھ کر اپنے اپنے کاغذ پر نشان لگایا۔
صرف ایک لڑکے کا جواب "نہیں"
تھا۔

تیسرا سوال تھا۔ تمہارے کپڑے
صاف ہیں؟
سترہ لڑکوں کا جواب "نہیں" تھا۔
چوتھا سوال تھا۔ تم نے ناشتے سے
پہلے اپنے دانت مانجھے تھے؟
سب لڑکے کھڑے ہوگئے بس ایک
ماسٹر صاحب رہ گئے

ارشد:۔ ماسٹر صاحب اُٹھئے۔

ماسٹر صاحب نے سر ہلایا اور کہنے
لگے۔ بھئی آج میری منجن کی ڈبیا کھو گئی۔ شام
کو سونے سے پہلے مانجھوں گا

ریڈیو:۔ اچھا بس اب ایک سوال اور
سن لو۔

کیا اگلی بار یہ کھیل کھیلنے سے پہلے سب
بچے ان سب باتوں کو کرنے کی کوشش کریں
گے؟۔
سب بچے کھڑے ہوگئے۔ ماسٹر صاحب
بھی کھڑے ہوگئے۔

ریڈیو:۔ بچو۔ ہمارا آج کا کھیل ختم ہوتا ہے۔
جس بچے کے نشان کاغذ پر داہنی طرف
زیادہ ہیں بس وہی میری ہے۔ میرا
خیال ہے کہ ہمارا کل کا کھیل آج کے
کھیل سے زیادہ اچھا رہے گا۔
"ضرور ضرور" سب بچوں نے چیخ
کر کہا۔ تم چاہو تو یہ کھیل ویسے بھی کھیل سکتے
ہیں۔ بس اسی طرح کہ کچھ سوال بنا لو اور تمہارا
ایک ساتھی الگ کھڑا ہو جائے اور یہ سوال
تم سے پوچھے۔ جیسے ریڈیو بول رہا ہے۔
اور تم اسی طرح ان سوالوں کا جواب دو۔
اچھا کچھ سوال ہم تمہارے لئے بناتے

دیتے ہیں۔

۱۔ کھانے سے پہلے تم اپنے ہاتھ دھو لیا کرتے ہو؟

۲۔ تمھارے پاس تمھارا اپنا انگوچھا یا تولیا الگ ہے؟

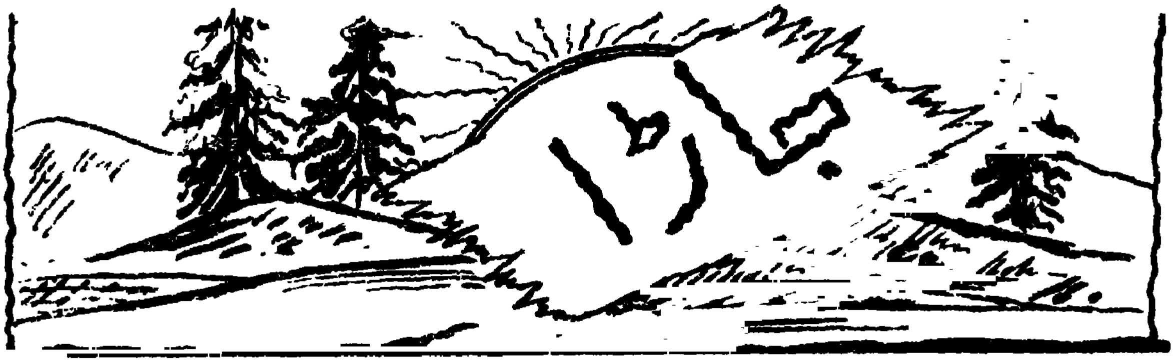
۳۔ سونے سے پہلے تم نے منہ ہاتھ دھو لیا تھا؟

۴۔ سونے سے پہلے تم نے دانت مانجھ لئے تھے؟

۵۔ آج تم نے پاؤں دھوئے تھے؟

۶۔ تمھارے ناخن کترے ہوئے اور صاف ہیں؟

اسی طرح تم اور اچھی اچھی عادتوں کے بارے میں سوال بنا سکتے ہو۔



رشیدہ :- اماں آج تو بہت جاڑا ہے۔
ماں :- ہاں بیٹی آج بہت جاڑا ہے۔ آؤ
میرے پاس لحاف میں دبک جاؤ۔
حبیب :- واہ تم اتنے کپڑے پہنے ہوئے
ہو پھر بھی سی سی کر رہی ہو۔ ہمیں دیکھو
بس کوٹ ہی تو پہنے ہیں۔ مگر ذرا جو
سردی لگتی ہو۔
رشیدہ :- جی ہاں۔ کوٹ بھی تو اونی
کپڑے کا ہے۔
حبیب :- اور تم تو تین سیر روئی کے لحاف
میں دبکی ہوئی ہو۔ پھر بھی کانپ رہی
ہو۔ پر اماں ہاتھ پیر تو میرے بھی جیسے
گلے سے جا رہے ہیں۔
ماں :- ہاں میاں آج کہیں برف ضرور گرا
ہے۔ اے لو بوندا باندی بھی شروع
ہوگئی۔
حبیب :- اماں مینہہ تو برسات میں برستا ہے
ماں :- نہیں بیٹے۔ تھوڑا تھوڑا مینہہ جاڑوں
میں بھی ہوتا ہے۔ اسے مہاوٹ کہتے
ہیں۔
رشیدہ :- اماں چائے کب بنے گی۔
ماں :- بس اب بنتی ہے۔ حبیب جاؤ انگیٹھی

تو اٹھا لاؤ۔ کوئلے سلگ گئے ہوں
گے کیتلی میں پانی بھی لیتے آنا۔
حبیب :۔ سب کام ہم ہی کریں اور رشیدہ بی
لحاف ہی میں گھسی رہیں۔
ماں :۔ اے ہے تو کیا ہوا وہ تجھ سے چھوٹی
بھی تو ہے۔
رشیدہ :۔ اماں یہ تُن تُن کی آواز کیا
آرہی ہے۔
ماں :۔ بیٹی یہ دُھنیا ہے۔ اپنی دُھنکی کی
تانت بجاتا جا رہا ہے۔
رشیدہ :۔ اماں دھنیا کیا ہوتا ہے۔
ماں :۔ دھنیا روئی صاف کرکے گدے
لحاف میں بھرتا ہے۔ جہاں جاڑے
شروع ہوئے اور یہ گھومنا
شروع کر دیتا ہے۔
رشیدہ :۔ اچھا اب چائے بنانا چاہئے
اماں چائے کے ساتھ گاجر کا حلوا

کھائیں گے۔
حبیب :۔ اور تل کے لڈو بھی تو رکھے ہیں
رشیدہ :۔ اور باجرے کا ملیدہ
حبیب :۔ اور ۔ اور ۔ اور — اور حلوا سوہن
ماں :۔ سلے ہے۔ زبان ہے یا قینچی برابر
چلی جا رہی ہے۔ جاؤ نعمت خانے
میں سے تل کے لڈو اور گاجر کا حلوا
نکال لاؤ۔
رشیدہ :۔ اماں وہ چنے والا بولا۔ ایک
پیسے کے چنے منگوا دیجئے۔
ماں :۔ جاؤ بیٹا اپنی بہن کے لئے چنے لے
آؤ۔
حبیب :۔ اور ہم تو جیسے چنے کھاتے ہی
نہیں۔
ماں :۔ تو کیا وہی سب پیٹ میں بھرے گی
وہ بھی کھائے گی تم بھی کھانا۔
رشیدہ :۔ اماں یہ سردی جانے کب ختم ہوگی

ماں : کیوں بیٹی تم پر کیا مصیبت ہے لحاف میں تو دبکی بیٹھی ہو۔

رشیدہ :۔ نہیں اماں مجھے یہ جاڑے اچھے نہیں لگتے۔ بس ہر وقت اوڑھے لپیٹے بیٹھے رہو۔ یا آگ تاپا کرو۔

حبیب :۔ اور کیا اماں اور میرے ہاتھ پیر تو جیسے بالکل گل گئے۔ اور ناک تو معلوم ہوتا ہے کہ منہ پر ہے ہی نہیں۔

ماں :۔ تو لڑکے یہ ہے بھی تو دسمبر کا مہینہ چلے کے جاڑے پڑ رہے ہیں یوں سمجھو کہ پندرہ دسمبر سے پندرہ جنوری تک یہی حال رہے گا۔ پھر کہیں جا کے سردی کم ہونا شروع ہوگی۔

حبیب :۔ اور کیا۔ دیکھو اکتوبر، نومبر میں اتنی سردی کہاں تھی۔ اماں اکتوبر ہی سے تو سردی شروع ہوتی ہے نا؟

ماں :۔ ہاں اکتوبر میں موسم بدل جاتا ہے نومبر میں گلابی جاڑے پڑنے لگتے ہیں دسمبر، جنوری میں چلے کے جاڑے پڑتے ہیں۔ فروری سے موسم پھر بدلنے لگتا ہے۔

رشیدہ :۔ اماں چلئے تیار ہوگئی۔ حبیب بھائی آئیے ناشتہ کیجئے۔ گرم گرم حلوا اور گرم گرم چائے ۵

بیج تمھارے بیج بن کر آگئے ہیں ایسے خوب صورت ایسے خوب صورت کہ جس بچے نے دیکھے بس پھڑک گیا اور فوراً ہمارے پاس فرمائش بھیج دی تم بھی جلدی سے منگوالو۔ ہم نے تھوڑے ہی سے بنوائے ہیں قیمت کچھ بھی نہیں بس ۳ر ۔ مکتبہ جامعہ قرول باغ نئی دہلی سے ملیں گے۔

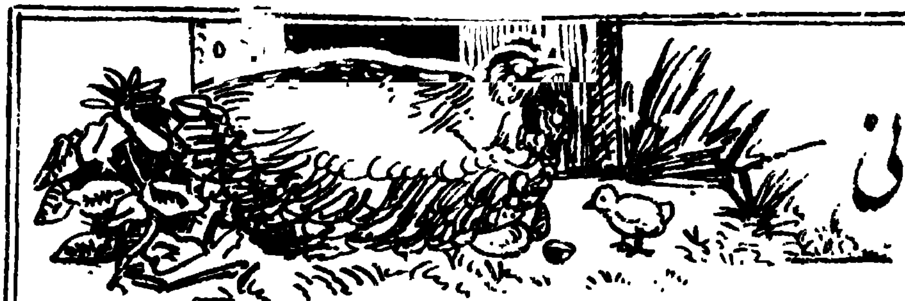
سردی

وفا صاحب، فرخ آبادی

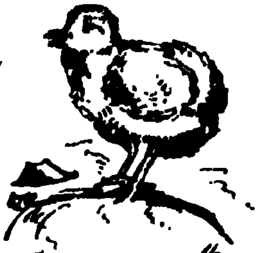
سردی دھوم مچاتی آئی
دانت سے دانت بجاتی آئی
چیزیں ٹھنڈی۔ پانی ٹھنڈا
سردی نے لہرایا جھنڈا
تھر تھر تھر تھر کانپ رہے ہیں
سردی کو سب بھانپ رہے ہیں

کمل اوڑھ کے نکلے بچے
بچے اپنی دھن کے سچے
ہو ہو کرتے، سی سی کرتے
سردی سے یہ کب ہیں ڈرتے
میلوں دوڑ کے جانے والے
ٹھنڈی ہوائیں کھانے والے
اور کہیں جو لگ گئی سردی
کھانسی بخار سے دنیا بھردی

گاؤں کے بچے گیت الاپیں
آگ جلائیں بیٹھ کے تاپیں
بچو! یہ ہے وفاؔ کا کہنا
تم سردی سے بچتے رہنا



میری کہانی



چوں، چوں، چوں، چوں۔ تم جس کو انڈا  کہتے ہو وہ میری چھوٹی اور
گول کوٹھری ہے۔ میں اس میں رہتا تھا۔ جب اس میں سے باہر نکلا تو میرے
پر بھی نہیں نکلے تھے جسم پر صرف روئیں تھے



میری ٹانگیں ذرا سی اور پتلی تھیں۔ میں اپنی ماں کے بازوں پر آرام کرتا
اور سوتا تھا۔

اب میری عمر پندرہ دن کی ہے۔ میں اب اچھی طرح چگتا چلتا پھرتا رہتا ہوں۔ چوں، چوں،
چوں، چوں، دیکھو۔ یہ چھوٹا سا کیڑا میں کھا لیتا ہوں۔ پھر اپنی ماں
سے لوں گا۔ میں نے اپنا ناشتہ کر لیا۔ میری ماں بھی میرے لئے





کیڑے مکوڑے ڈھونڈتی پھرتی ہے
اور کُٹ کُٹ کرکے مجھے بلا لیتی ہے
میری ماں مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ کوئی مجھے پکڑنا چاہے



تو غصے میں آکر اس کو اپنی چونچ سے مارتی ہے۔ میری پیاری
اماں۔ چوں، چوں، چوں، چوں۔

(آپا۔ حیدرآباد دکن)



میری زندگی کا پہلا دن

میری دہلی - پیام تعلیم میں دیکھو





سابو

حامد حسن متعلم جامعہ

سابو جس سے تین سال پہلے مہاراجہ میسور کے ہاتھی خانے میں ادنیٰ خدمت لی جاتی تھی، آج لندن کی کپلنگ نامی مشہور فلم کمپنی میں معقول تنخواہ پر اچھے ایکٹر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ پہلی بار اس نے ایلیفنٹ بوائے اور دوسری بار ڈرم نامی فلموں میں خاص ایکٹر (اداکار) کا کام انجام دیا ہے، تیسرے فلم بر بیز سلور کے بعد اب "بغداد کا چور" میں کام کر رہا ہے۔

سابو اس خوش حالی کے زمانے میں بھی اپنے غریب اور بدنصیب دوستوں اور رشتہ داروں کو نہیں بھولا ہے۔ اس کے چچا جو میسور کے ہاتھی خانے میں داروغہ ہیں کہتے ہیں کہ انہیں سابو کے حالات ہمیشہ معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے چچا بابو صاحب کو کچھ کم فخر نہیں ہے کہ ان کا بھتیجا اس قدر جلد ترقی کر گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ بھی خواہش ہے کہ کاش سابو میسور سے قریب ہوتا اور اُن سے اکثر ملتا جلتا رہتا۔ انھوں نے سابو اور اُن کے بھائی دستگیر کو (جو سابو کے ساتھ لندن میں ہے) ڈھائی تین سال سے نہیں دیکھا ہے۔

ریاست میسور کا ہاتھی خانہ ایک بڑے باغ میں ہے، جو راجہ صاحب کے محل سے دو فرلانگ ہے۔ لنگا راج ارس صاحب اس کے منتظم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سابو کا باپ ریاست کے فیل بانوں میں تھا۔ سابو ابھی بچہ ہی تھا کہ ماں باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ دستور کے مطابق سابو اور اس کے بھائی دستگیر کی پرورش ریاست کو کرنا پڑی۔ دستور یہ ہے کہ جو مہاوت ملازمت کے زمانے میں مرجاتے ہیں اُن کے لڑکوں کو ہاتھی خانے میں ہاتھیوں کی خدمت کرنا ہوتی ہے۔ یہ لڑکے اس طرح مہاوت کا کام سیکھ لیتے ہیں۔ پہلے اُن کے سپرد ہاتھی کا چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ جب وہ اس کے سدھارنے میں ماہر ہو جاتے ہیں تو اُن کو مہاوت کا عہدہ سونپ دیا جاتا ہے۔

اتفاق دیکھئے کہ سابو کے والد پیر صاحب (ابراہیم) اور چچا بابو صاحب بھی بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ اُن کی پرورش ان کے مہاوت ہونے تک اسی طرح سرکار کی مدد اور عنایت سے ہوئی۔

سابو اور دستگیر مہابت ہونے ہی والے تھے کہ اُن کی تقدیر نے پلٹا کھایا۔ مسٹر نلے جو لندن کی فلم کمپنی کے ساتھ میسور اس غرض سے آئے ہوئے تھے کہ وہاں کے جنگلوں اور بازاروں میں الیفنٹ بوائے نامی فلم کے لئے کام کریں جب مسٹر نلے ہرٹی نے اپنی فلم کی ضرورتیں مسٹر لنگا راج اُرس پر ظاہر کیں تو انھوں نے ایلفنٹ بوائے کا پارٹ ادا کرنے کے لئے سابو کو منتخب کیا۔ سابو کو محض اس لئے ہی نہیں چناگیا کہ اس میں وہ تمام خوبیاں مل گئیں جو مسٹر نلے ہرٹی چاہتے تھے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ فیل خانے کے تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ ذہین لڑکا تھا۔

کمپنی والے سابو کو فلم کی تکمیل کے لئے لندن لے جانا چاہتے تھے۔ اس کو اپنے مستقبل کا علم نہ تھا۔ وہ جاہل ہونے کی وجہ سے باہر جانے سے ڈرتا تھا۔ اسے وطن چھوڑنا پسند نہ تھا۔ لنگا راج اور اس کے چچا نے اس کی ہمت بڑھائی اور اُسے جانے پر راضی کرلیا۔

فلم کمپنی کے میسور آنے سے پہلے سابو اصطبل میں "شیخ شیلار" پکارا جاتا تھا فلم میں لئے سابو نام ملا اور اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ بارش کے دیوتا اندر کے جنگی ہاتھی کا نام آراوتو تھا۔ اسی اراوتو کے نام سے اصطبل میں ایک ہاتھی پکارا جاتا تھا۔ فلمی کہانی کے لحاظ سے اسی ہاتھی کو "کالا ناگ" کہا گیا۔ اور یہی نام اس ہاتھی کا بعد میں پڑگیا۔ "کالا ناگ" سابو کے ساتھ۔ ایلیفنٹ بوائے فلم میں ہے۔

سابو کے چچا بالپو صاحب ریاست کے خاص ہاتھی چمندی پرشاد کے مہابت ہیں۔ اس ہاتھی پر سواری کبھی نہیں ہوتی۔ وہ جلوس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اور اس کی بڑی عزت ہوتی ہے۔ چمندی پرشاد کا نام ریاست کے حکمراں گھرانے کی محافظ دیوی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ دیوی چمندی کو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں "کالی دیوی" کہتے ہیں۔

سابو کا اصلی گھر فیل خانے کے پیچھے کی تھوڑی سی آبادی میں ہے۔ اس کے چچا اب بھی اسی گھر میں رہتے ہیں۔ اس گھر کے سامنے دوسرے مہابتوں کے بہت سے بچے کھیلتے رہتے ہیں۔ یہ سابو کا حال سُن سُن کر اس دن کے خواب دیکھا کرتے ہیں جب ان کو بھی موقع ملے کہ وہ موٹروں میں گھوما کریں۔ اب تک تو وہ موٹروں کی طرف صرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔

تمھیں شاید یہ خیال ہو کہ سابو نے لندن کی شاندار زندگی میں وطن اور چچا کو بھلا دیا ہوگا۔ نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ابھی ابھی کچھ ہی دن ہوئے ایک چک بالپو صاحب کو اپنے بھتیجے کی طرف سے ملا۔ گویا بالپو صاحب کو پیسے کی کمی نہیں پھر بھی وہ اپنے بھتیجے کے اس خیال کی قدر کرتے ہیں۔ بالپو صاحب کی ضرورتیں بہت محدود ہیں اور جو کچھ تھوڑی بہت ہیں وہ ان کو



سادو

پیام برادری کے چند ممبر



محمد شفیق سوشل سکریٹری
پیام برادری میرٹھ



حامد جمال دریا گنج دہلی



محمد عثمان الرحمان صدیقی
میرٹھ



مہر محمد علی سنگاریڈی کالیدز
(دکن)

خود ہی اچھی طرح پورا کر سکتے ہیں۔ انھیں اچھی خاصی تنخواہ ملتی ہے۔

سابو آج کل ایک موٹر سائیکل اور اسٹیم بوٹ کا مالک ہے۔ اس کی ماہوار آمدنی ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ ہندوستانی کی سالانہ آمدنی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ خیال ہے کہ اب تک اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے اتنا جمع کیا ہوگا کہ وہ اس کی ساری عمر کو کافی ہو سکتا ہے ؀

ایک دلچسپ معمّا

میں اسکولوں، کالجوں، لائبریریوں کی زینت ہوں۔ بچّے شوق سے میرا انتظار کرتے ہیں۔ میں انھیں نئی نئی اور دلچسپ باتیں بتاتا ہوں۔ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں اُن کے ہاتھ چومتا ہوں وہ بار بار میری طرف دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ میں اُن کا اتالیق ہوں۔ ان کے اخلاق سنوارتا ہوں

۱۔ میرا پہلا حرف "پرستان" میں ہے۔ "بہشت" میں نہیں۔

۲۔ میرا دوسرا حرف "دہلی" میں ہے۔ "لاہور" میں نہیں۔ ی

۳۔ میرا تیسرا حرف "چاند" میں ہے۔ "سورج" میں نہیں۔ ا

۴۔ میرا چوتھا حرف "علم" میں ہے۔ "عقل" میں نہیں۔ م

۵۔ میرا پانچواں حرف "تربت" میں ہے۔ "ساگر" میں نہیں۔ ت

۶۔ میرا چھٹا حرف "اعلان" میں ہے۔ "خبر" میں نہیں۔ ع

۷۔ میرا ساتواں حرف "نیلے" میں ہے "سبز" میں نہیں۔ ل

۸۔ میرا آٹھواں حرف "گیلے" میں ہے خشک میں نہیں۔ ی

۹۔ اور میرا نواں حرف "موتی" میں ہے۔ "ہیرے" میں نہیں۔ م

میں نو حرف سے مل کر بنا ہوں اور تمام پیامی میرے نام سے واقف ہیں۔

"اب بتائیے میرا نام کیا ہے؟"

چاند، شرما۔ شملہ

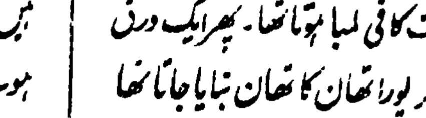
نوٹ:۔ اس معمّے کا جواب رسالے کے ہر صفحے پر موجود ہے۔ بوجھو تو جانیں۔



کتابوں کی الماری

سید جمیل احمد صاحب

تم نے کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ جو کتابیں تم روزانہ پڑھتے ہو کیا یہ ہمیشہ سے ایسی ہی شکل کی ہوتی چلی آئی ہیں۔ تم تک پہنچتے پہنچتے انھوں نے بہت سے چولے بدلے ہیں۔ جس طرح آج کل ورقوں کو اوپر تلے رکھ کر سی کر کتاب بنائی جاتی ہے۔ پہلے زمانے میں ایسا نہ ہوتا تھا۔ اول تو ورق ہی بہت کافی لمبا ہوتا تھا۔ پھر ایک ورق کے نیچے دوسرا ورق جوڑ کر پورا تھان کا تھان بنایا جاتا تھا گویا ساری کتاب ایک ہی ورق کی معلوم ہوتی تھی۔ اور اسی کو لکڑی وغیرہ پر بالکل اسی طرح لپیٹ کر رکھا جاتا تھا جس طرح تمہارے اسکول میں نقشے رکھے جاتے ہیں، یا پھر جیسے ریشمی کپڑوں کے تھان، پھر تم یوں سمجھو جس طرح تم کاغذ کو لپیٹ کر بتی بنا لیتے ہو۔ اس کی شکل ایسی ہوتی تھی جیسی تصویر سے ظاہر ہے۔



اول تو ہر شخص کے پاس ایسی کتابیں ہوتی ہی نہ تھیں، اور اگر ہوئیں بھی تو دو چار۔ اور ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے کسی خاص چیز کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

جن کے پاس بہت سی کتابیں ہوتیں وہ کسی صندوق وغیرہ میں ان لپٹی ہوئی کتابوں کو بند کر کے رکھ چھوڑتے تھے۔ اس کے علاوہ پہلے زمانے میں ایسے صندوق بھی نہ ہوتے تھے جیسے ہم اور تم استعمال کرتے ہیں۔ یہ صندوق تو بہت بعد کے زمانے میں بن کر تیار ہوئے ہیں۔ تم شاید یہ سن کر تعجب کرو گے اور ہنسو گے کہ ان لکڑی کے صندوقوں کے بجائے اگلے وقتوں میں مٹی کے صندوق ہوتے تھے جنھیں ہم آج مٹکا کہتے ہیں، جن میں اکثر پانی بھر کر رکھا جاتا ہے۔ آج ہم ان مٹکوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب ان مٹکوں میں ہزاروں روپے کا سامان رکھا جاتا تھا۔ ان کے اوپر طرح طرح کے رنگوں سے بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ تم نے شادیوں میں دیکھا ہوگا کہ مٹکیوں میں میوہ وغیرہ بھر کر اور کاغذی پھلواری سے سجا کر دولھا کی طرف سے دلہن کے یہاں بھیجا جاتا ہے وہ مٹکیاں کیسی خوب صورت رنگی ہوئی ہیں بس اسی طرح

مٹکے بھی رنگے جاتے تھے۔

ان تو یہ مٹکے گویا پرانے زمانے کے صندوق کی جگہ تھے۔ ان میں کپڑے اور زیور رکھے جاتے تھے۔ اور دوسری عمدہ عمدہ قیمتی اور حفاظت سے رکھنے والی چیزیں اتنی صاف ستھری کہ ہم تم کیا رکھیں گے۔ جو کتابیں زیادہ اچھی اور قیمتی ہوتی تھیں اُن پر کپڑے کے غلاف چڑھے ہوتے تھے جنھیں ہم جزدان کہتے ہیں

رفتہ رفتہ اِن مٹکوں کی جگہ صندوق نے لی۔

اور پھر صندوق سے نکل کر کتابیں الماریوں میں سجائی جانے لگیں۔ شروع میں آج کل کی طرح لکڑی کی الماریوں کا رواج نہ تھا بلکہ دیواروں میں الماریاں بنائی جاتی تھیں جو اب بھی بنائی جاتی ہیں۔ جیسا مکان ہوتا تھا ویسی ہی الماریاں اس میں بنتی تھیں۔ مکان کی الماریوں کے بنانے میں بھی طرح طرح کی نئی نئی باتیں پیدا کی گئیں ہمارے زمانے میں تو کتابیں سستے داموں مل جاتی ہیں۔ اس لیے ہمیں اُن کی قدر نہیں، لیکن پرانے زمانے میں کتابوں کی حفاظت بھی ایسی ہی ہوتی تھی جیسی روپیہ پیسہ اور سونے جواہرات کی۔ الماریوں میں کواڑ جڑے جانے لگے۔ لیکن بعد میں یہ بات معلوم ہوئی کہ بند کواڑوں میں کتابوں کو دیمک کھا جاتی ہے اور پتہ نہیں چلتا تو پھر الماریوں کے کواڑوں میں شیشے جڑے جانے لگے اسی درمیان میں الگ لکڑی کی الماریاں بنی بھی شروع ہو گئی تھیں۔ لکڑی میں تو کیڑا بہت ہی جلد لگتا ہے لیکن یہ شیشے کے کواڑوں کی الماریاں اول تو بہت داموں میں بنتی تھیں دوسرے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کتابوں کو ہوا اور روشنی ملتی رہے تو خراب نہ ہوں گی اور کیڑوں سے محفوظ رہیں گی۔ چنانچہ کواڑ بھی غائب ہو گئے اور کھلی ہوئی الماریاں چل پڑیں۔ حالانکہ الماریاں بنتے بنتے بہت زمانہ لگا مگر اس پر بھی الماریوں کی ایجاد کو کافی زمانہ گذر گیا۔ ہمارے ملک میں تو پرانی چیزیں حفاظت سے رکھنے کا لوگوں کو بہت زمانے کے بعد خیال ہوا ہے لیکن ولایت میں تو اب سے ہزار سال پہلے کی بنی ہوئی الماریاں اب تک موجود ہیں۔

اس زمانے میں سائنس نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا ہے۔ ہر بڑی چھوٹی چیز لوہے اور دھات سے اس طرح بنائی جاتی ہے جیسے بچے موم اور گیلی مٹی کے کھلونے بنا لیتے ہیں۔ اب کتابیں رکھنے کی الماریاں زیادہ تر لوہے کی چادروں سے تیار کی جانے لگی ہیں ابھی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا عام طور سے رواج نہیں ہوا۔ لیکن کچھ نہ کچھ چل نکلی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لوہے کی الماریوں میں کتابیں رکھنے سے دیمک اور کیڑوں سے نجات مل جاتی ہے اور اس کے علاوہ آگ پانی کے اثر سے بھی یہ الماریاں بچی رہتی ہیں۔

ان لوہے کی الماریوں کے سب حصے الگ الگ ہوتے ہیں، جب چاہا ان حصوں کو جگہ پر لگا یا اور

پیچ کس دئے۔ الماری بن کر کھڑی ہو گئی۔ آؤ اب ہم تمہیں
بھی ایک ٹوٹواں الماری بنانے کی آسان ترکیب بتائیں

ضروری سامان

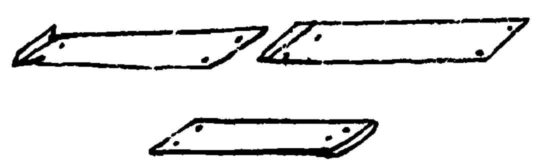
(۱) سوت کی موٹی ڈوری کے چار ٹکڑے ایک ایک
گز لمبے یا جتنی اونچی الماری بنانی ہو۔

(۲) لکڑی کے تین تختے، کم سے کم ایک بالشت چوڑے
اور تین بالشت لمبے یا پھر جتنی بڑی الماری بنانا ہو (اور جتنے
خانے کی الماری بنانی ہو اتنے ہی تختے لئے جا سکتے ہیں،

ترکیب

(۱) پہلے تختے کے چاروں کونوں پر ڈوری کی موٹائی
کے برابر سوراخ کر لئے جائیں۔

شکل نمبر ۱



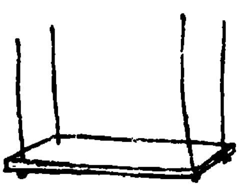
(۲) ڈوریوں کے کناروں پر موٹی موٹی گرہیں لگائی
جائیں

شکل نمبر ۲



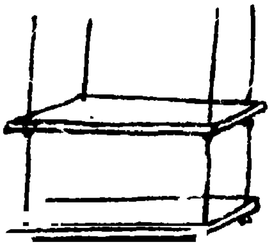
(۳) تختے کے ہر سوراخ میں ایک ایک ڈوری پرو دی
جائے جو گرہوں پر رک جائے مگر گرہیں مضبوط ہونی چاہئیں

شکل نمبر ۳

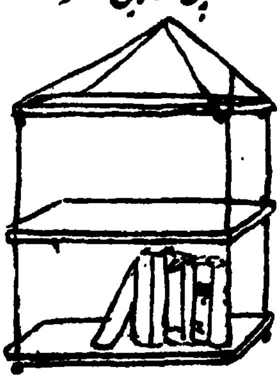


(۴) جتنا اونچا خانہ رکھنا ہو اتنے ہی فاصلے پر
ہر ایک ڈوری میں گرہ لگائی جائے اور پھر دوسرے
تختے کے سوراخوں میں سے ڈوری پرو لی جائے یہ
تختہ بھی ان گرہوں پر رک جائے گا۔

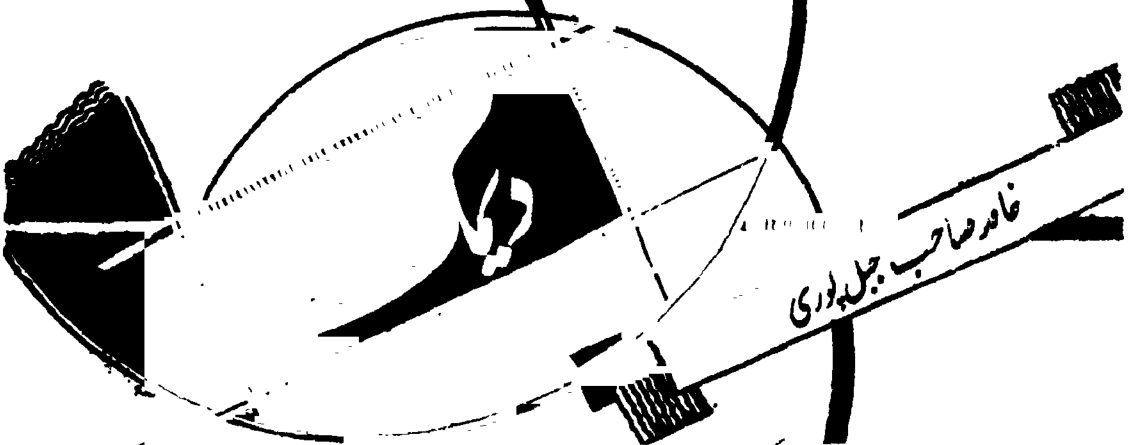
شکل نمبر ۴



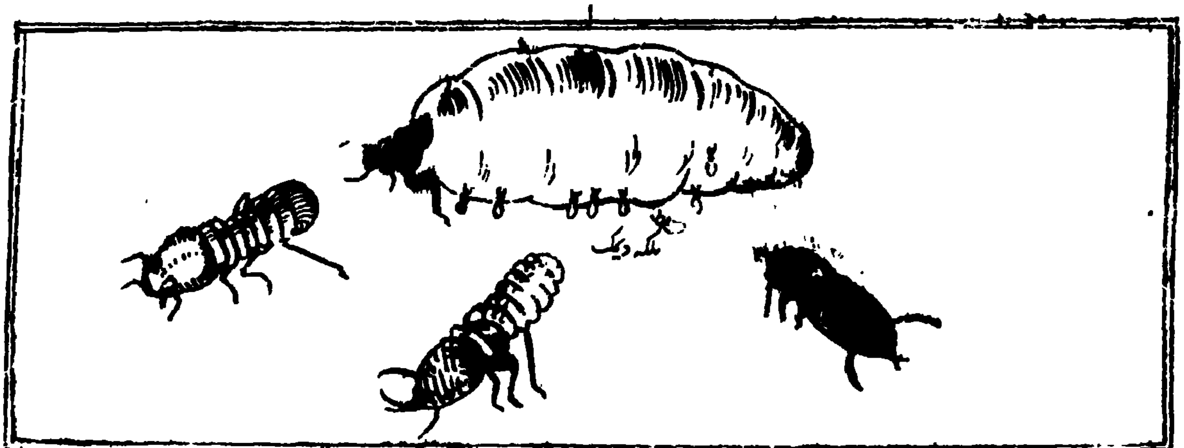
(۵) اسی طرح ہر ڈوری میں تیسری گرہ لگا کر تیسرا تختہ
پرو دیا جائے اور اوپر کے چاروں سروں کو ایک پھندا دے کر
گرہ سے باندھ دیا جائے اب تم اوپر کی گرہ کو پکڑ کر اپنا ہاتھ
اونچا کرو، تمہاری تین خانوں کی الماری بن کر تیار ہو گئی
اسے کسی کیل میں لٹکا دو اور اپنی کتابیں رکھو۔



شکل نمبر ۵



دیمک اصل میں چھوٹی چیونٹی کی بڑی بہن ہے اس لئے انگریزی زبان میں اُسے سفید چیونٹی کہتے ہیں یوں تو یہ ایک معمولی سا کیڑا ہے جو اپنا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کے قیمتی سامان کا نقصان کر دیتا ہے لیکن اس کی زندگی کے حالات کافی دلچسپ ہیں



دیمک کے جسم کی بناوٹ چیونٹی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ صرف رنگ میں فرق ہوتا ہے نر و مادہ دونوں ایک ہی شکل و شباہت اور ڈیل ڈول کے ہوتے ہیں۔

دیمک کے جسم میں تین خاص حصّے ہوتے ہیں سر، دھڑ اور پیٹ۔ نر دیمک کے چار بڑے اور سپاہی اور نوکر دیمک کے چھ چھوٹے پر ہوتے ہیں سپاہی دیمک کے دندانے دار سینگ بھی ہوتے ہیں اور اس کا جسم نوکر دیمک سے موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ان کا منہ کاٹنے اور چبانے کے لئے آری کی طرح ہوتا ہے تاکہ یہ لکڑی جیسی سخت چیزوں کو کاٹ کر کھا سکیں۔ اس کے پیٹ میں کم سے کم ۹ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ گرییے ہوتے ہیں۔

دیمک کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) پردار دیمک (۲) سپاہی دیمک (۳) نوکر دیمک

(۴) شاہ اور ملکہ دیمک۔

سرد، مرطوب اور سیلی جگہ انھیں بہت پسند ہے۔ چنانچہ ایسی ہی جگہ ان کے گھر ہوتے ہیں چھوٹی چیونٹی کی طرح دیمک بھی بہت سمجھدار ہوتی ہے۔ یہ دن میں دھوپ گرمی اور دشمنوں سے بچنے کے لئے آرام سے ٹھنڈے سوراخوں میں پڑی رہتی ہے۔ جہاں رات ہوئی اور سوراخ سے باہر نکل اپنے کام کاج میں لگ جاتی ہے۔ دن میں کہیں جانے کا اتفاق ہو جائے تو پہلے سرنگ کھودی جاتی ہے۔ پھر اس میں سفر ہوتا ہے۔ جس جگہ خوراک حاصل کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ وہاں سے یہ لمبے لمبے سرنگ کھود کر دوسری جگہ چلی جاتی ہے یا اگر بہت بڑا سفر درپیش ہو تو رات کے وقت اُن کا قافلہ روانہ ہوتا ہے۔

نوکر دیمک کو بچپن سے ہی اپنی برادری کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔ اس طبقے کے دشمنوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا مُنہ دیمک کے مُنہ سے چوڑا اور سپاہی کے منہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کا سر ہمیشہ جھکا ہوا رہتا ہے۔ یہ اندھی ہوتی ہے۔ شاہ و ملکہ دیمک اور ان کے انڈے بچوں کی حفاظت اس کا خاص فرض ہے۔ خطرے کے وقت انڈے بچوں کو محفوظ مقام پر تبدیل کرنا بھی اسی کے سپرد ہے۔ شاہ و ملکہ کے مکان آمد و رفت کے لئے سرنگیں بنانا اور پرانے مکانوں اور سرنگوں کی مرمت بھی اسی کے ذمے ہے۔ شاہ اور ملکہ دیمک سخت کھانا نہیں کھاتے۔ اس لئے نوکر دیمک ان کے کھانے کو خود چبا کر منہ کے لعاب سے ملائم اور ذائقہ دار بنانے کی بھی خدمت انجام دیتی ہے۔

ذرا بڑی عمر ہونے کے بعد نوکر دیمک کو سپاہی کا عہدہ ملتا ہے اور پرنسل کرپنشن ہونے تک اُسے یہی کام انجام دینا پڑتا ہے۔

سپاہی دیمک نوکروں سے بڑی اور طاقتور ہوتی ہے۔ اس کے جبڑے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں مگر آنکھوں کی نعمت سے یہ بھی محروم ہے۔ دشمنوں کے حملے کو روکنا اس کا خاص فرض ہے۔ ایسے موقع پر یہ بہت بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتی ہے اور نوکر دیمک فوراً ہی انڈے بچوں کو دوسری جگہ تبدیل کر دیتی ہے۔ چیونٹا دیمک کا خاص دشمن ہے۔ مگر اس سے بالکل نہیں ڈرتی بلکہ اپنے بڑے بڑے جبڑے دکھا کر الٹا اسی کو ڈرا دیتی ہے اور اپنے سر سے زہریلا لعاب خارج کر کے اُسے بھگا دیتی ہے۔

جب کوئی کیڑا سرنگ توڑ دیتا ہے تو سپاہی دیمک اسی وقت باہر آکر اپنے دشمن سے مقابلہ کرتی رہتی ہے اور اس درمیان میں نوکر جھٹ سے سرنگ کی مرمت کر ڈالتی ہے اور جب تک وہ درست نہ ہو جائے سپاہی دیمک مقابلے سے نہیں ہٹتی خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

ملکہ دیمک کا بچہ پیدا کرنے اور شاہ دیمک کا

ان کی پرورش کرکے آبادی بڑھانے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔

جب دیمک کے پر نکل آتے ہیں تو اس کی موت کے دن قریب آجاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ع۔

"قضا آتی ہے چیونٹی کی جب اس کے پر نکلتے ہیں"

شروع برسات کا زمانہ ہوتا ہے ہزاروں پردار دیمک رات کو تیز روشنی پر منڈلا کر کچھ تو روشنی کی حرارت سے مرجاتی ہیں اور باقی مینڈکوں چھپکلیوں اور دوسرے جانوروں کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اس بُرے وقت میں جن دیمکوں کی جان بچ جاتی ہے اُن میں سے نر و مادہ مل کر جوڑے بنالیتے ہیں۔ پھر یہ جوڑے اپنے رہنے اور بچے دینے کے لئے اچھی سی جگہ تلاش کرکے وہاں چلے جاتے ہیں۔ اب ان کے پر خود بخود جھڑ جاتے ہیں، اور وہ بادشاہ اور ملکہ بن کر رہتے ہیں۔

ملکہ موٹی تازی اور لمبی چوڑی ہو جاتی ہے اس کی موٹائی تقریباً ½ انچ اور لمبائی ۲½ سے ۳ انچ ہوتی ہے۔ پیٹ ۲ یا ۲½ انچ کا ہوتا ہے۔ یہ روزانہ ۸۰ سے ۹۰ ہزار انڈے دیتی ہے یعنی ایک منٹ میں ۶۰ انڈے یا ہر سکنڈ میں ایک انڈے کا اوسط پڑتا ہے۔

گوالیار

محترمہ نفیسی عباد الرحمٰن

تھوڑے دنوں کا ذکر ہے ہمیں ریاست گوالیار جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ سفر ہم نے موٹر کار سے کیا خوب دلچسپ رہا۔ راستے میں جہاں جی چاہا موٹر روک کر اُتر گئے اور جو چیز دیکھنے کے قابل ملی اچھی طرح دیکھی گوالیار آگرے سے قریب ۷۲ میل ہے۔ سڑک ریاست دھولپور تک تو خوب چوڑی اور پختہ ہے لیکن آگے جاکر بندھیاچل کا پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا ہے، اور دو بڑی ندیاں چنبل اور سنگ بہتی ہیں زمین اونچی، نیچی، رتیلی ہے۔ راستہ کچھ خراب ہے پھر بھی ایسا نہیں کہ موٹر، اور لاریوں کے چلنے میں دقت ہو۔ ہر سال ریاست بہت سارو پیہ سڑک ہموار کرنے اور اس کی مرمت میں خرچ کرتی ہے۔ جب ہم آگرے سے چلے تو شام ہوگئی تھی۔ جاڑوں کی شام تھی۔ شہر سے نکلتے ہی جھٹ پٹا سا ہوگیا۔ سردی بھی خوب بڑھ گئی۔ ۳۴ میل چل کر کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں دھولپور پہنچ گئے۔ یہ ریاست چھوٹی سی ہے۔ راجہ کا محل اونچے مقام پر بنا ہوا ہے اور یہ دور سے نظر آتا ہے

کچھ خاص خاص عمارتیں مثلاً مندر اور دھرم شالہ وغیرہ ہندو وضع کے ہیں۔ بہت سے مکانات مغلیہ نمونے کے بھی ہیں اور آج کل جو عمارتیں بنائی جارہی ہیں وہ انگریزی وضع کے بنگلے ہیں، ریلوے اسٹیشن ہے۔ سڑکیں پکی اور عمدہ ہیں۔ گوالیار والی سڑک کے قریب ہی ایک پارک ہے اور اونچا سا گھنٹہ گھر بھی ہے۔ کل ریاست میں بجلی کی روشنی ہے۔ آس پاس بہت سے کھنڈر پرانے قلعوں اور عمارتوں کے ہیں۔ جی چاہا کہ کچھ دیر یہاں ٹھہر کر ان کھنڈروں میں گھومیں پھریں لیکن ایک تو اب اندھیرا ہوگیا تھا، دوسرے جلدی تھی کہ زیادہ رات ہونے سے پہلے گوالیار پہنچ جائیں کیونکہ اس راستے کا ہمیں تجربہ نہ تھا۔ اور یہ بھی سُنا تھا کہ دھولپور سے آگے رات میں سفر کرنا خطرناک ہے۔ یہاں سے بندھیاچل کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہوگئیں اُن کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ اندھیرے میں اُن کے کالے کالے اور اونچے اونچے سائے بڑے ڈراؤنے معلوم ہوتے تھے اب سڑک بھی خراب ملی۔ کہیں اونچی کہیں

پنچی، کہیں خطرناک گھماؤ۔ کوئی دو میل کے آگے چنبل ندی کے قریب دو پہاڑیوں کے بیچ سے گذرے۔ یہاں کچھ دور تک راستہ اتنا اونچا ہوتا چلا گیا ہے جیسے مسوری یا نینی تال کی چڑھائی اور پھر اتنا ہی زیادہ اتار ہے۔ یہ اتار بہت نیچے ندی کے کنارے تک چلا گیا ہے۔ ہر سال برسات میں جب چنبل میں سیلاب آتا تھا تو پانی سڑک کاٹ کر بہائے جاتا تھا، اس لئے اب اس اتار پر سمنٹ کا پختہ فرش لگا دیا گیا ہے۔ ایک تو اتار، اس پر سیمنٹ کا گھسا ہوا فرش ایسا چکنا اور پھسلواں کہ پیر جمانا یا موٹر کے پہیوں کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں موٹر آہستہ آہستہ بڑی احتیاط کے ساتھ چلانا چاہیئے ذرا چوک ہوئی اور بس ندی کے اندر۔ چنبل کے کناروں پر دیوار یا جنگلہ کوئی چیز روک کے لئے نہیں ہے بس ایک پتلا سا کچا پل ہے جس سے ندی پار کرتے ہیں۔ یہ پل بہت سی کشتیاں ایک لائن میں باندھ کر ان پر تختے بچھا کر بنا لیا گیا ہے اور سال میں آٹھ مہینے کام دیتا ہے۔ برسات میں توڑ دیا جاتا ہے۔ جب ہم پہاڑیوں سے نکل کر اتار پر پہنچے، پل کا چوکی دار لالٹین لئے دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ ہم لوگ پیدل پل پار کریں اور موٹر خالی لے جائی جائے۔ پھر اس نے بتایا کہ تھوڑے ہی دنوں پہلے وہاں حادثہ ہو گیا تھا۔ ایک لاری اسباب اور مسافروں سے لدی ہوئی تیز رفتار سے آ رہی تھی۔ ویسے ہی اتار پر آئی پہیئے پھسل گئے۔ ڈرائیور نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر لاری ندی میں جا رہی۔ کئی مسافر ڈوب گئے۔ تب سے لوگ پیدل پل پار کرتے ہیں۔ اور سواریوں کا بوجھ کم کر دیا جاتا ہے۔ اب تو ہمیں فکر ہوئی اور چوکی دار کے کہنے پر عمل کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے پل پار کیا۔

اب کوئی سات بج چکے ہوں گے۔ اندھیری رات تھی، دور دور تک آبادی کا پتہ نہ تھا نہ کوئی دوسری موٹر یا راہ گیر ملتے تھے۔ ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بس پہاڑیوں کے کالے کالے سائے یا گہری گہری گھاٹیاں راستے کے دونوں طرف نظر آتی تھیں۔ اس راستے میں کھیتی باڑی یا درخت بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ پتھریلی اور ریگستانی زمین ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی قسم کے پودے یا درخت لگائے جا سکتے ہیں اور نہ کھیتی ہو سکتی ہے۔ بعض جگہ تو پانی تک میسر نہیں۔ تو پھر گاؤں کیسے آباد ہوں۔ کل راستے میں بس دو تین خراب خستہ سے گاؤں اور دو چار آدمی اونٹوں یا بیل گاڑیوں پر سوار ملے۔ خیر تو قریب نو بجے رات کو گوالیار پہنچ گئے۔

یہ تو تم جانتے ہو گے کہ گوالیار سی، پی کی ریاستوں کا دارالخلافہ ہے اور اس کا شمار ہندوستان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ ریاستوں میں کیا جاتا ہے۔

ہمیشہ سے اس ریاست پر مرہٹہ نسل کے راجہ کی حکومت رہی ہے۔ یہ سندھیا کہلاتا ہے۔ آج کل جو راجہ گدی پر ہیں اُن کے خاندان کی بنیاد ایک بڑے فوجی سردار رانوجی راؤ سندھیا نے اٹھارھویں صدی میں ڈالی تھی پھر بہت دنوں کے بعد مہدجی کے زمانے میں اس خاندان نے طاقت پکڑی۔ مہدجی سندھیا نے اپنی بہادری اور قابلیت سے تمام شمالی ہندوستان پر اثر پھیلا کر پونا کی سرکار سے آزادی حاصل کرلی اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے بھی اپنی دوستی کا خوب انعام پایا۔ اُن کے زمانے میں سی پی کا دار الخلافہ اجین تھا مگر اُن کے جانشین دولت راؤ جب گدی پر بیٹھے تو گوالیار کو راج دھانی بنا لیا۔ دولت راؤ کے عہد میں سندھیا حکومت کو بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس کی طاقت روز بروز گھٹتی چلی گئی۔ ان کے بعد جیواجی راؤ راجہ ہوئے۔ انھوں نے ریاست کو بہت کچھ سنبھالا مگر اُن کے بیٹے یعنی موجودہ راجہ کے والد بڑے عقل مند اور قابل راجہ تھے۔ انھوں نے ریاست کو ترقی دینے میں ان تھک کوششیں کیں۔ گاؤں آباد کئے۔ سڑکیں بنوائیں۔ بہت سے مدرسے اور دستکاری کے اسکول کھولے۔ کار خانے تیار کرائے۔ رعایا کے آرام اور فائدے کا خیال انھیں ہر وقت لگا رہتا۔ اور ساری عمر ریاست اور رعایا کی حالت سدھارنے میں گذار دی اُن کے بیٹے جیاجی راؤ سندھیا جو آج کل گوالیار کے راجہ ہیں ۱۹۲۵ء میں گدی پر بیٹھے تھے اس وقت یہ چھوٹے سے لڑکے تھے۔ اب اُن کی عمر ۱۰ سال ہے۔

ریاست تین شہروں پر منقسم ہے:

(۱) گوالیار (۲) لشکر (۳) مُرار

ان میں لشکر بہت صاف ستھرا اور سب سے اچھا ہے۔ مہاراجہ کا محل، بڑی بڑی عمارتیں کالج عدالتیں ہوٹل اور پارک یہ سب لشکر ہی میں ہیں۔ ریاست میں بہت سے مقام دیکھنے کے لائق ہیں اور بہت سی چیزوں سے پرانے زمانے کے قصّے معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور اور دیکھنے کے قابل چیز قلعہ ہے اس کی تاریخ پانچویں صدی عیسوی سے ملتی ہے۔ اس میں سینکڑوں حاکم وقت رہ کر راج کر چکے ہیں۔ نہ معلوم کتنی حکومتوں کو اس نے بنتے بگڑتے دیکھا ہوگا اور کسی زمانے میں اس کی رونق کیا کچھ نہ ہوگی۔ [illegible] ہوا ایک ویرانہ پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا [illegible] کی سڑک پر حضرت محمد غوث کی درگاہ [illegible] ولی اللہ گذرے ہیں۔ اکبر بادشاہ [illegible] قریب ہی ہندوستان کے مشہور [illegible] مقبرہ ہے۔ تان سین بھی اکبر بادشاہ [illegible] تھے۔ انھیں بادشاہ کے دربار میں بڑا [illegible] یعنی اکبری نورتن کے ایک رتن تھے۔ [illegible] والے تھے وہیں دفن ہیں۔ کچھ [illegible]

...کے زمانے کی جامع مسجد ہے۔ قلعہ کی پہاڑی کے
دامن میں ایک بہت خوب صورت پرانا محل ہے
سے لوگ گوجری محل کہتے ہیں۔ راجہ مان سنگھ نے
۱۵ ویں صدی کے آخر میں اپنی ایک سب سے
... رانی کے رہنے کو بنوایا تھا۔ یہ رانی تھیں تو ذات کی
... مگر بڑی خوب صورت اور ذہین تھیں۔ نام
... نینا (ہرن کی آنکھوں والی) تھا، مگر محل کا نام
... ذات پر پڑ گیا۔ اب اس میں عجائب خانہ بنا دیا
... ہے۔ اور بہت پرانے ... زمانے کی چیزوں
... ہے

آج کل جس محل میں مہاراجہ رہتے ہیں اس کا نام
... محل ہے۔ موجودہ راجہ کے دادا جیواجی راؤ
... اس کا نقشہ ایک اٹلین نقشہ نویس
... ہوا اٹلین وضع میں تیار کیا
... چھوڑ کر یہ محل ... دیکھ
... ہے
... ولایتی ... وضع کا

نرالا محل ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر سونے چاندی
کا کام بڑی خوب صورتی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ دربار
ہال کو جانے کے لئے بلوری زینہ ہے۔ محل کے چاروں
طرف بہت بڑا باغ ہے۔ طرح طرح کے پیڑ، پودے
اور پھول لگے ہیں۔ ایک طرف بڑا سا چڑیا گھر ہے۔
ملک ملک کے جانور پلے ہیں۔ چڑیا گھر دیکھنے اور باغ
میں گھومنے پھرنے کی عام اجازت ہے۔ گوالیار کا
مٹی کے برتنوں کا کارخانہ (THE GOWALIOR
POTTER WORKS) دور دور مشہور ہے۔ یہاں
بہت اچھا سامان تیار ہوتا ہے اور ہندوستان بھر میں
جا کر بکتا ہے۔ ہمیں یہاں کوئی دو گھنٹے لگ گئے۔ کارخانے
کے ہر شعبے میں جا کر دیکھا۔ جتنا دیکھتے تھے دلچسپی بڑھتی
جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا ... پیالیاں کیسے بنتی ہیں
چاردانی کیوں کر ڈھالی جاتی ہے۔ برتن پکائے کیسے
جاتے ہیں۔ پھول والوں پر ... نقش و نگار کس
طرح چڑھائے جاتے ہیں ...
کرتی ہیں۔ الغرض کارخانہ ... دیکھیں
اور بہت سی باتیں سیکھیں۔

پہیلیوں کے جواب

(۱) ... سوئی (۴) آسمان (۵) آسمان (۶) آسمان تارے (۷) چاند یا سورج (۸) ... (۹) انگوٹھی

(۱۰) ... (۱۱) ... (۱۲) انڈا (۱۳) مکڑی کا جالا (۱۴) چیونٹا (۱۵) ... (۱۶) ...

روم کے افسانے

رومولس اور ریمس

سالک لکھنوی

آج سے ہزاروں برس پہلے نیومٹز البا کا بادشاہ تھا پر اس کے چھوٹے بھائی اَمولس نے اس سے دغابازی کی اور دھوکا دے کر تخت سے اُتار دیا۔

نیومٹز کی ایک لڑکی تھی۔ بہت خوب صورت، لیکن جب اَمولس بادشاہ بن گیا تو اس نے لڑکی سے قسم لے لی کہ وہ کبھی اپنی شادی نہ کرے گی اور سدا کنواری رہے گی۔ کیونکہ بادشاہ کو ڈر تھا کہ اگر لڑکی کی شادی ہو گئی تو ممکن ہے اس کے لڑکے بعد کو اس سے تخت چھین لیں۔ لیکن اس کی یہ تدبیر بے کار گئی کیونکہ لڑکی نے اپنی قسم توڑ کر مریخ کے خدا سے شادی کر لی جس سے "رومولس اور ریمس" دو توام بچے پیدا ہوئے۔

اَمولس نے جیسے ہی دونوں بچوں کے پیدا ہونے کی خبر سنی۔ حکم دیا کہ اس کی ماں زندہ دفن کر دی جائے۔ کیونکہ اس زمانے میں قسم توڑنے والوں کی یہی سزا ہوتی تھی۔ پھر اس نے حکم دیا کہ دونوں بچے دریائے طیبر میں پھینک دیے جائیں جو ان دنوں بہت چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے یہ دونوں ہیبتناک حکم پورے ہوگئے۔ ماں زندہ گاڑ دی گئی اور بچوں کو دریا میں بہا دیا گیا۔

یہ بچے مرے نہیں بلکہ خدا کی قدرت سے بہت دور تک بہتے چلے گئے۔ پھر ایک بہت بڑی لہر آئی اور دونوں کو خشکی پر پھینک گئی۔ ابھی یہ پڑے رو ہی رہے تھے کہ ایک موٹی تازی بھیڑنی دونوں کو اُٹھا کر اپنے بھٹ میں لے گئی۔ جہاں اس نے انھیں اپنا دودھ پلا پلا کر پالا۔

ایک دن ایک چرواہا ادھر سے گذرا۔ اس نے دیکھا کہ دو خوب صورت بچے ایک بھیڑیے کے بھٹ میں پڑے ہوئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ اور دونوں کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ اب یہ دونوں بھی اس کے بچوں کے ساتھ پلنے اور بڑھنے لگے۔ یہاں تک ان کی عمریں سولہ سولہ برس کی ہوگئیں۔ دونوں اپنے فرضی باپ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے

یہ چرواہا بادشاہ آمولس کا نوکر تھا۔ ان دونوں
آمولس اور نیمائٹر کے چرواہوں میں اپنے اپنے
مالکوں کی طرف سے لڑائی بھی ہو رہی تھی۔ ایک دن
کیا ہوا کہ نیمائٹر کے آدمی اس چرواہے کے گھر گھس آئے
اور ریمس کو اٹھا اپنے مالک نیمائٹر کے پاس لے گئے۔
رومولس اپنے بھائی کی محبت میں پیچھے پیچھے چلا۔

دونوں لڑکے اپنے نانا کے سامنے لائے گئے
نہ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ اُن کا نانا ہے۔ اور نہ اُن
کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا اور نہ نیمائٹر ہی کو
معلوم تھا کہ یہ دونوں اس کے نواسے ہیں۔ کیونکہ
وہ تو یہی جانتا تھا کہ اس کے ظالم بھائی آمولس نے
دونوں کو دریا میں ڈبو دیا ہے۔

لیکن اگرچہ دونوں لڑکے گنوارو کپڑے پہنے
ہوئے تھے، پھر بھی نیمائٹر نے دونوں کے چہروں پر
کچھ ایسی بات دیکھی کہ وہ اُن کے حالات پوچھنے پر
مجبور ہو گیا۔ اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں
اس کی مرحوم لڑکی کے لڑکے ہیں تو وہ بہت خوش
ہوا اور دونوں کو گلے لگا لیا۔

رومولس اور ریمس نے جب یہ سنا کہ آمولس
نے اُن کے نانا کو دھوکا دے کر تخت سے اُتار دیا
اُن کی ماں کو زندہ دفن کر دیا اور خود اُنھیں دریا
میں پھینک دیا تھا تو مارے غصے کے دونوں سرخ
ہو گئے اور قسم کھائی کہ وہ بدلہ لے کر رہیں گے۔

اب یہ دونوں البا کی طرف چلے جہاں اب
تک دغاباز آمولس بادشاہی کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر
انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اپنے نانا نیمائٹر کو پھر
تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد دونوں نے پکا ارادہ
کر لیا کہ وہ اپنے باپ دادا کے شہر میں نہیں رہیں گے
بلکہ خود ایک شہر بنائیں گے۔

"ہم خود اپنا ایک شہر آباد کریں گے"۔ انھوں
نے چلا کر کہا "وہاں جہاں ہم موت سے بچے تھے"

دونوں دریائے طبر کے کنارے پہنچے اور
شہر آباد کرنے کے لئے مشورہ کرنے لگے۔ لیکن فوراً
ہی دونوں میں بحث چھڑ گئی رومولس کہتا تھا کہ شہر
کوہ پلاطین پر تعمیر کیا جائے اور ریمس کہتا تھا کہ
کوہ اونطین پر۔ آخر یہ ٹھہرا کہ دوسرے دن صبح تڑکے
جو سب سے پہلے خدائی شگون دیکھے وہ اپنی مرضی
سے شہر آباد کرے۔ چنانچہ دونوں صبح کے انتظار
میں رات بھر جاگتے رہے۔ رومولس کوہ پلاطین
(PALATINE) پر اور ریمس کوہ آونطین
(AVANTTNE) پر!

سب سے پہلے ریمس نے دیکھا کہ اس کے
بائیں طرف چھ عقاب اڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس
کے ذرا ہی دیر بعد رومولس نے دیکھا کہ بارہ عقاب
کوہ پلاطین پر منڈلا رہے ہیں۔

"میرا شگون تمھارے شگون سے زیادہ صاف

ہے!" روموس نے اپنے بھائی ریمس سے کہا کیونکہ میں نے بارہ عقاب اپنے پہاڑ پر منڈلاتے ہوئے دیکھے ہیں اور تم نے صرف چھ وہ بھی دور اُڑتے ہوئے"۔

"لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟" ریمس نے جواب دیا۔ "پہلے تو میں نے ہی شگون دیکھا اور اس لئے شہر بھی میں ہی آباد کروں گا"

اس پر پھر دونوں میں بحث شروع ہوئی اور آخرکار دونوں ایک دوسرے پر تلواریں لے کر جھپٹ پڑے، ریمس کا سر اُڑ گیا۔ اب روموس کو کوئی ٹوکنے والا نہ تھا لہٰذا اُس نے کوہ پلاطین پر ایک خوب صورت شہر آباد کیا اور اس کا نام اپنے نام پر "روم" رکھا۔

پہیلیاں

شاہدہ خانم

(۱) ایک شیشی میں دو رنگ۔

(۲) ہاتھ نہیں پر پیٹ میں پاؤں

(۳) نیک بی بی کے سر میں ڈیڑھ بال

(۴) تم نہیں سو منڈوا۔

(۵) ساری بستی ایک ہی چادر۔

(۶) اودے رومال میں سفید سفید پھول

۷ اللہ کا دیا سر پر۔

۸ تمہارے گھر میں اونٹ بلبلائے۔

۹ سر پر پتھر۔ منہ میں انگلی۔

۱۰ کالی پونی سفید دھاگا۔

۱۱ بنائی سنواری پچھاڑے پھینک دی۔

۱۲ چومو تو بات کہے۔ نہیں تو چپکا بیٹھا رہے

(۱۳) اندھیری کوٹھری میں بڈھا بڑبڑائے۔

(۱۴) سونا ہے سنار نہیں۔ روپا ہے دلال نہیں گنبد ہے دروازہ نہیں پہیلی ہے بوجھن ہار نہیں

(۱۵) درزی اسے سی نہیں سکتا۔ دھوبی اسے دھو نہیں سکتا۔ بادشاہ اسے پہن نہیں سکتا۔

(۱۶) کالا ہے، کوا نہیں۔ سر بڑا ہاتھی نہیں۔ کمر پتلی چیتا نہیں۔ پیڑ پہ چڑھتا بندر نہیں۔

(۱۷) بال ہے جوں نہیں۔ آسمان ہے تارے نہیں پانی ہے مچھلی نہیں۔

(۱۸) یہاں نہیں، وہاں نہیں۔ شہر کے بازار میں نہیں۔ چھیلو تو چھلکا نہیں۔ چوسو تو گٹھلی نہیں

جواب صفحہ ۸۳ پر دیکھو

قلعہ گولکنڈہ کی سیر

منور احمد صدیقی - حیدرآباد

گول کنڈہ بہت پرانا اور تاریخی شہر ہے۔ یہاں کا قلعہ بادشاہوں کے مقبرے اور دوسری عمارتیں تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمیں بہت دنوں سے قلعے کی سیر کا شوق تھا۔ ہماری درخواست پر ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی اجازت دے دی اور جمعہ کی صبح کو کوئی ۸ بجے ہم سائکلوں پر روانہ ہوئے۔ راستہ بڑے مزے سے کٹا۔ کوئی دو گھنٹے میں ہم قلعے تک پہنچ گئے۔ ایک میدان میں "پرچم آصفی" لہرایا اور قومی ترانا پڑھا اور قلعے کی سیر کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

قلعہ ایک پہاڑی پر ہے۔ بہت پرانا بنا ہوا ہے۔ پھر بھی اچھی حالت میں ہے ہم بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور خوب گھومے پھرے اس کی سب سے اوپر کی منزل بالاحصار کہلاتی ہے یہاں سے پورا شہر صاف نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں یہاں ہیرے جواہرات کی کانیں تھیں دوسرے ملکوں کے سیاح یہاں اسی تلاش میں آتے ہیں۔

کوئی گیارہ بجے ہم وہاں سے لوٹ آئے اب یہ طے ہوا کہ قطب شاہی مقبرے دیکھیں یہ یہاں سے کوئی دو میل تھے۔ ہم تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ گئے ان مقبروں کے گنبد یہاں کی خاص چیز ہیں شکر ہے یہ بھی بہت اچھی حالت میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے مقبرے دیکھ کر ہمارے دل پر خاص اثر ہوا۔ مقبروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے چمن بھی ہیں ان میں انار امرود سنترے کے درخت لگائے گئے ہیں۔ پاس ہی پانی کی باؤلیاں ہیں۔ ان باؤلیوں سے درختوں کو پانی دیا جاتا ہے۔ باؤلیوں کا پانی سوائے ایک کے صاف نہیں ہے۔ ان باؤلیوں میں لوگ خوب نہاتے اور تیرتے ہیں۔ ہم لوگوں میں سے جو تیرنا جانتے تھے انھیں بھی یہ مشغلہ پسند آیا اور پانی میں اتر گئے۔ ایک گھنٹے تک خوب دلچسپی رہی۔ بدقسمتی سے مجھے تیرنا نہیں آتا تھا۔ ایک صاحب کو مذاق سوجھا تو مجھے بھی باؤلی میں گھسیٹ لیا۔ میں بدحواس ہوگیا اور غوطے کھانے لگا یہ دیکھ کر وہ میری مدد کو بڑھے میں نے انھیں دونوں

ہاتھوں سے خوب مضبوط پکڑ لیا کہ وہ ہاتھ پیر نہیں مار سکتا تھا۔ ہم دونوں تہ ہی جا رہے تھے کہ تیسرا لڑکا آگے بڑھا اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ اب صورت بہت نازک ہو چلی تھی کہ چوتھے لڑکے نے عقل سے کام لے کر ہم تینوں کو کنارے کی طرف دھکیلنا شروع کیا ہم لوگ خدا خدا کر کے کنارے تک پہنچے کوئی ایک گھنٹے میں ہمارے حواس ٹھیک ہوئے۔

مقبروں سے تین چار میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا تالاب ہے اسے درگ کا تالاب کہتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں بیچ میں ایک چھوٹا سا میدان بھی ہے۔ سورج غروب ہونے وقت یہاں کا منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے یہاں ہمارے اسکاوٹ ماسٹر صاحب نے بہت سے کھیل کھلائے خوب لطف رہا۔ کوئی چھ بجے ہم وہاں سے روانہ ہوگئے اور آٹھ بجے اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔

نئے رسالے

رتن (ماہوار) یہ بچوں کا رسالہ کئی سال سے جموں سے نکل رہا ہے۔ اس عرصے میں اس نے بہت اچھی ترقی کی ہے۔ مضامین بہت آسان زبان اور دلچسپ انداز میں لکھے جاتے ہیں۔ اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ بچوں کے سامنے ہر قسم کا مواد پیش کیا جائے۔ ترتیب میں بھی خاص سلیقہ نظر آتا ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی، تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے (عہ۲) ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ "رتن" جموں کشمیر

آپا (پندرہ روزہ) یہ رسالہ اردو، ہندی اور تلنگی میں بچوں کے لئے چند ماہرین تعلیم کی نگرانی میں نکلتا ہے اس میں چھوٹی، چھوٹی کہانیاں اور بچوں میں ڈرائنگ، کاغذ کاٹنے۔ الفاظ معلوم کرنے کی صلاحیت اور شوق پیدا کرنے کے لئے بہت مفید اور دلچسپ مواد پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں باتصویر ہوتی ہیں۔ اردو میں اپنی طرز کا پہلا رسالہ ہے۔ البتہ لکھائی چھپائی میں ذرا ترقی کی گنجائش ہے۔

قیمت سالانہ بچوں سے ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ:۔ دفتر "المعلم" حیدر آباد دکن

رامو جولاہا

محمودہ بیگم صاحبہ

بہت دن کی بات ہے راجہ بھوج ہندوستان کا ایک مشہور راجہ تھا۔ کہتے ہیں اس کے زمانے میں رامو نامی ایک جولاہا اپنی کاہلی کی وجہ سے بھوکا مرتا تھا۔ سردیاں آنے سے پہلے شہر کے اور تمام جولاہے تو دن رات کام میں لگے رہتے اور اون کات کات کر کمبل تیار کرتے جاڑے کے زمانے میں انھیں بیچ کر اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ مگر رامو مشکل سے تھوڑا سا کام کرتا

ایک رات کا ذکر ہے ایک سادھو بھبوت ملے بھیانک صورت لمبی لمبی جٹائیں اون کی ایک گٹھری سر پر رکھے رامو کے پاس آیا اور بولا "کل شام تک اس اون کا کمبل تیار کر دے ورنہ یاد رکھنا ایسا شراپ[۵] دوں گا کہ تو جل کر بھسم ہو جائے گا" اگلے دن رامو بہت محنت سے کام کرتا رہا لیکن سوائے اون کاتنے کے اور کچھ نہ کر سکا۔ شام کو اس کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں تو اس نے کام چھوڑ کھانے کی فکر کی۔ بڑی دقت سے اس کو تھوڑا سا آٹا قرض مل سکا۔ گھر لا کر اس کو گوندھا ہی تھا کہ سادھو آدھمکا اور یہ دیکھ کر کہ ابھی تک کمبل تیار نہیں ہوا ہے اس کی تیوری پر بل پڑ گئے غصے سے چہرا سرخ ہو گیا اور بڑے درشت لہجے میں اس نے کہا "مجھ کو یہیں ٹھہرنا ہوگا کیونکہ میں کمبل لے کر ہی جاؤں گا"

مجبوراً بے چارے رامو کو سادھو کے لئے کھانے اور بستر کا انتظام کرنا پڑا۔ سادھو نے غریب جولاہے کو صبح تڑکے سے ہی جگا کر کمبل تیار کرنے پر مجبور کیا رامو دوپہر تک پوری محنت سے کام کرتا رہا اور کھانے کا دھیان بھی دل میں نہ لایا۔ سادھو نے بھی فاقہ ہی کیا وہ اس خیال سے اور بھی نہ سرکا کہ اس کے پیچھے جولاہا کمبل کو یوں ہی چھوڑ دے گا۔ تیسرا پہر ہونے کو آیا تو سادھو دیوار کا سہارا لے کر سو گیا اور بہت جلد خراٹے لینے لگا کچھ دیر تک تو رامو بہت تیزی سے کھٹا کھٹ بنتا رہا۔ اس کے بعد اس نے پانی کی ٹھلیا کی طرف نظر ڈالی۔ اسے بڑی پیاس لگ رہی تھی۔ مگر کیا دیکھتا ہے کہ سادھو نے ٹھلیا کے منہ پر ایک تنکا رکھ دیا ہے کہ مٹکی چھونے کی حالت

---

۵ بد دعا

میں یہ بے جگہ ہو کر چغلی کھائے۔ اس کی نا اُمید نظریں
پانی سے ہٹ کر سادھو پر پڑیں اور وہیں جم کر رہ گئیں
بھوک، پیاس سب رخصت ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ مکھی
کی برابر ایک جانور سادھو کی جٹا سے نکلا اور رینگتا ہوا
زمین پر اُتر کر ٹھلیا کی طرف بڑھا۔ پھونک پھونک کر
قدم رکھتا ہوا مٹکی اور تنکے پر سے گذر کر دوسری طرف
اُترا اور دیوار کے قریب ایک موکھے میں غائب ہوگیا
کچھ دیر بعد پھر برآمد ہوا اور اسی راستے سے گذر کر پھر
سادھو کی جٹا میں داخل ہوگیا

اب ایک دم سادھو کی آنکھ کھل گئی اس کے
چہرے پر غصے کی جگہ نرمی اور حیرت سی ٹپک رہی
تھی۔ "ابھی جب میں غافل سو رہا تھا ایک عجیب خواب
دیکھا۔ میں ایک بیابان جنگل میں سے ہو کر چلا جا رہا
ہوں کہ ایک پہاڑ نظر پڑا۔ اس پر لشتم پشتم پہنچنے کے
بعد ایک جھیل کے پل کو مشکل سے پار کیا۔ پل بہت اونچا
اور پانی بہت نیچا تھا۔ اس کے بعد کئی گھنٹے لق و دق
میدان میں بھٹکنے کے بعد ایک غار میں پہنچا جہاں قسم
قسم کے چمک دار پتھر، لاکھوں کی تعداد میں سونے چاندی
کے بے شمار سکے پڑے ہوئے تھے۔ ابھی میں اچھی طرح
سے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک خوفناک گھڑگھڑاہٹ پیدا
ہوئی میں سٹ پٹایا اور الٹے پاؤں واپس ہوا۔
راستے میں وہی میدان، جھیل، پل اور پہاڑ وغیرہ ملے
جہاں سے حیرت اور تعجب میں ڈوبا ہوا مکان واپس آیا۔"

جولاہے نے ذرا آنکھیں پھاڑ کر جواب دیا "تم
وہاں سے کچھ لے کر تو لوٹے نہیں۔ بے کار سا خواب ہی
میرا اتنا وقت یوں ہی خراب ہوا!"

رامو کو کام میں مصروف دیکھ کر سادھو
پھر سو گیا۔ مگر اس مرتبہ رامو نے کمبل ختم کر کے ہی
سانس لیا اور پھر سادھو کو جگا کر کمبل اس کے حوالے
کرتے ہوئے بولا "مہاراج سدھارو" سادھو کو اُجرت
نہ مانگنے پر تعجب ضرور ہوا لیکن مفت را چہ گفت"۔ اور
یہ لوگ اس کے عادی بھی نہیں ہوتے۔ کچھ دعائیں دیتا ہوا
وہاں سے چل دیا۔

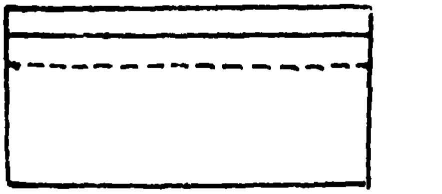
جب رات زیادہ ہوگئی اور قصبے بھر میں سناٹا
چھا گیا تو رامو ایک پھاوڑا اور سبل لے کر اٹھا دروازہ
اچھی طرح بند کر کے اس نے موکھے کے پاس دیوار کھودنی
شروع کی۔ دو تین گھنٹے کی متواتر کوشش سے تھک کر
چور ہوگیا اوزار بھی قریب قریب بے کار ہوگئے لیکن
اس نے ہمت نہ ہاری اور پھر کوشش کی اب کے پھاوڑا ہی
ہاتھ بجائے مٹی کے کسی دھات کے برتن پر پڑا۔ رامو
نے احتیاط سے مٹی ہٹائی اور ایک بڑی دیگ کا منہ نظر آیا
تھوڑی دیر میں اس کے سامنے اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کا
ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد رامو رامو جولاہا نہ رہا بلکہ سیٹھ
رام پرشاد ہوگیا ـــــ دیکھا تم نے رامو کو ایک ذرا سی
محنت اور تندہی سے کتنا فائدہ ہوا۔ آج کل ایسے سادھو نہیں
ملتے۔ مگر جفاکشی تمھیں اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

سلائی کی ا ب ت

محترمہ قدرۃ البیضا بیگم

تم کہو گی کہ پہلے پہل مکتب میں بیٹھے تھے تو ا ب ت ضرور سنی تھی۔ سنی کیا سیکھی تھی۔ یہ سلائی کی ا ب ت کیسی؟ بات یہ ہے کہ ہر فن کے ابتدائی درجے کو اس کی ا، ب، ت کہہ دیا کرتے ہیں۔ کسی ہنر کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ابتدائی اصول سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لی جائے۔ اب ہم تمھیں بتائیں کہ سلائی کی ا، ب، ت کیا ہے۔ یہ تیپچی، بخیہ اور ترپن ہے۔ اگر ان تینوں کو تم اچھی طرح سیکھ جاؤ تو گویا تم نے سلائی میں مہارت حاصل کر لی۔ شاید تمھیں یہ تینوں ٹانکے آتے ہیں۔ لیکن ہر کام کے کرنے کا ایک درست طریقہ ہوتا ہے اور ایک غلط۔ تمھیں درست طریقہ بتلاتے ہیں۔

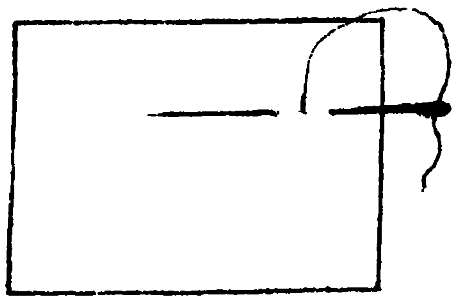
تیپچی عام طور پر دو کپڑوں کو جوڑنے کے لئے اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب کہ سیون زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت نہ ہو یا اس کو ترپنا ہو۔ تیپچی کرنا تو سب ہی جانتے ہیں سوئی کو کپڑے کے اوپر نیچے کرتے ہوئے سیتے چلے جاتے ہیں۔ سیون کی شکل ایسی ہوتی ہے ------ تیپچی کرتے وقت ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا۔ اول تو سیون سیدھی ہو ایسی نہ ہو ------ اوپر نیچے کا ٹانکا برابر ہو اور سب ٹانکوں کی لمبائی برابر ہو اس بات کا خیال رہے کہ دونوں کپڑے جو جوڑے جا رہے ہیں برابر رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اوپر کا یا نیچے کا کپڑا ڈھیلا ہو جائے اگر ڈھیلا ہوگا تو تم جب سلائی ختم کرو گی تو دیکھو گی کہ ایک کپڑا دوسرے سے بڑھ گیا ہے اور پھر سلا سلایا ادھیڑنا پڑے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر تمھیں تیپچی کے بعد کپڑے کو ترپنا ہے تو اس کپڑے کو جو ترپنے میں اوپر کی طرف آئے گا۔ (خاکہ نمبر ۱)



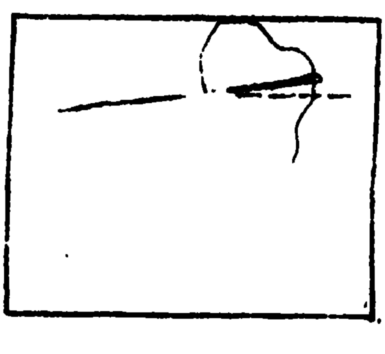
اتنا بڑا رکھو جس قدر ترپنے میں اندر موڑا جائے گا۔ اس طرح کرنے سے ترپن موٹی نہ ہو گی۔ خصوصاً موٹے کپڑے میں ایسا کرنا نہایت ضروری ہے۔ البتہ ایسے کم زور کپڑے میں جس کے نکل جانے کا

اندیشہ ہو۔ ایسا نہ کرنا

بخیہ اکثر مضبوط سلائی کے لئے کیا جاتا ہے اس کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس جگہ سے سلائی شروع کرنی ہے وہاں ایک مضبوط ٹانکا لگا کر سوئی اس سے ذرا فاصلے پر کپڑے کے اوپر نکال لو۔ پھر سوئی کو بجائے آگے کی جانب کے پیچھے کے رُخ کپڑے میں داخل کرو۔ اور پہلے جہاں سے نکلی تھی اس سے کچھ آگے باہر نکال لو (خاکہ نمبر ۲)، پھر اگلے

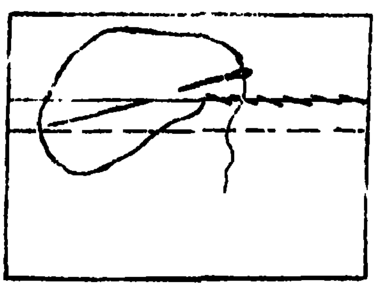


ٹانکے کے لئے سوئی کو کپڑے میں اس جگہ داخل کرو۔ جہاں پچھلا ٹانکا ختم ہوا تھا۔ اور اس ٹانکے سے اتنا آگے نکالو جتنا کہ پچھلی دفعہ فاصلہ چھوڑا تھا۔ اس طرح کرنے سے تمہارے ٹانکوں کی شکل یہ ہوگی (خاکہ نمبر ۳) یہی بخیہ ہے۔ بخیہ کرتے وقت وہ تمام



باتیں دھیان میں رکھنی چاہئیں جن کی ہدایت تیپچی کرتے وقت تمہیں دی گئی تھی۔

ترپنا۔ کسی کپڑے کا کنارا موڑ کے سینے کے لئے یا کسی سیون کو دبانے کے واسطے جو ٹانکہ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کو ترپن کہتے ہیں۔ اگر کنارہ موڑنا ہے تو جس قدر سیون کی چوڑائی رکھنی ہے۔ کنارہ اس سے ½ انچ کے قریب زیادہ موڑ لو اور ½ انچ کو سیون کے اندر دبا دو۔ اگر سیون باریک کرنی ہے تو اس سے کم بھی دبا سکتی ہو۔ اگر سلی ہوئی سیون دوہرانا مقصود ہے تو سیون کو صفائی سے کپڑے پر موڑ کر اس کا کنارہ اس قدر اندر دبا کر سیو کہ استعمال سے وہ نکل نہ جائے۔ اگر تم مبتدی ہو تو پہلے کسی جھاڑن۔ رومال یا دوپٹے کے پلو پر ترپنے کی مشق کرو۔ بہتر ہوگا کہ تقریباً ½ انچ چوڑا کنارا موڑو۔ پھر اس میں سے آدھے سے کچھ کم چوڑا اندر دبا کر اس پر شلنگ ڈال لو۔ شلنگ ڈالنے کی وجہ سے ترپتے وقت کپڑا سرک نہ سکے گا۔ جب تمہیں سلائی میں مہارت ہو جائے گی تو شلنگ ڈالنے کی چنداں ضرورت نہ رہے گی ترپنا اس طرح شروع کرو



موڑے ہوئے کپڑے کے سرے پر سوئی کپڑے میں لگاؤ۔ پھر نیچے والے کپڑے میں سوئی داخل کرکے اوپر والے کپڑے پر نکال لو اور اسی طرح یکے بعد دیگرے ٹانکے ڈالتی جاؤ۔ تم کہوگی اس میں دقت کیا ہے؟ یہ تو بڑی آسانی سے کیا جاتا ہے۔ ہم تمھیں اس کی مشکلوں سے بھی آگاہ کریں ایک تو اس میں سلوٹ پڑ جانے کا اندیشہ رہے۔ اس سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ موڑے ہوئے کپڑے کو بالکل سیدھا رکھو۔ ٹانکے جہاں تک ہوسکے سیدھے رکھو۔

ایسے ~~~~ یا اس طرح کے ~~~~ ترچھے ٹانکے بدشکل ہوتے ہیں۔ ترپن کی خوبصورتی بس یہی ہے کہ ٹانکہ تقریباً بالکل سیدھا ہو۔

ایک بات اور یاد رکھنا کپڑا اندر اتنا موڑا جائے کہ نہ تو موٹا بھدا ہو جائے اور نہ اس قدر کم ہو کہ ایک دفعہ کے دھلنے میں سیون نکل جائے۔

تم ان تینوں ٹانکوں کی مشق کرو۔ پھر ایک بالشت لمبی اور کوئی ۲ انچ چوڑی کپڑے کی دو پٹیاں لو۔ ان دونوں کو تپنی کرکے جوڑو اس کی سیون کو ترلو اور اس کے ایک جانب بخیہ کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔ اگر تمھاری سلائی سب سے اچھی ہوئی تو تم کو ایک اچھا سا انعام ملے گا۔ اپنی عمر ضرور بتانا۔ ورنہ تمھیں انعام نہیں مل سکے گا۔

خط کتابت

مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ میرے پاس اکثر ملکوں کے بہت اچھے صاف ستھرے ٹکٹ ہیں سلور جوبلی (ہندوستان کے) چھ پیسے سے آٹھ آنے تک اور مختلف ملکوں کی سلور جوبلی ہندوستان کے ذکٹوریہ کے زمانے کے اور ایرسل کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے کوئی صاحب مبادلہ کرنا چاہیں تو خط کتابت کریں۔ وحید احمد معرفت علی احمد صاحب ٹھیکیدار قرول باغ کھجور روڈ دہلی

مجھے دنیا کے نئے اور پرانے ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور مشہور جگہوں کے باتصویر کارڈ بھی چاہئیں۔ جن پیام بھائیوں اور بہنوں کے پاس ٹکٹ یا اُن کے وطن کے باتصویر کارڈ ہوں وہ مہربانی فرما کر مجھے بھیج دیں۔ میں مبادلے میں عدن کی مشہور مشہور جگہوں کے باتصویر کارڈ بھیج دوں گا۔ احمد باد العد دودہ گلی تواہی۔ عدن

پیام تعلیم کے شوق دلانے سے میرے پاس خدا کے فضل سے سات آٹھ سو ٹکٹ جمع ہو گئے ہیں۔ میں ان ٹکٹوں کا حیدرآباد، میسور اور دوسرے ملکوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ پیامی بھائی میری مدد کریں گے

عتیق الرحمن قدوائی۔ معرفت جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قرول باغ، نئی دہلی۔

میرا پتہ:۔ درۃ البیضا بیگم مہتمم مسلم گرلس اسکول پانی پت۔

پیامی برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو!

سب سے پہلے تو میں اپنے پیامیوں کو عید کی مبارک باد دیتی ہوں خدا تم سب کو مبارک کرے اور ایسی ہزار عیدیں دیکھنی نصیب ہوں۔ یہ بقرعید ہولی، دیوالی، بڑادن اور نیادن (پہلی جنوری) کیسے اچھے اور خوشی کے تیوہار ہیں جی چاہتا ہے خوب اچھلو، کودو، دوستوں اور عزیزوں سے ملو اور خوب دعوتیں اڑاؤ۔ یہ تیوہار ہیں ہی اسی لئے کہ انسان کچھ دیر کے لئے روز مرہ کی فکروں سے بالکل بے پروا ہو جائے اور خوب ہنسے بولے جو لوگ جمعہ اتوار کی چھٹیوں اور تیج تیوہار کے دن بھی کام میں لپٹے رہتے ہیں مجھے اُن سے بڑی نفرت ہے میں تو اس بات کی قائل ہوں کہ کام کے دنوں میں آدمی خوب ڈٹ کے کام کرے اور چھٹی کے دن خوب تفریح کرے۔ اس سے دماغ تازہ اور تندرستی بنی رہتی ہے

اب کے کرسمس اور نئے دن کے موقعوں پر اکثر پیامیوں نے خصوصاً بھوپال کے بہت سے عزیزوں نے میرے پاس تحفے بھیجے ہیں میں اُن سب کا دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ محبت کی نشانیاں میرے لئے بہت قیمتی ہیں اور انھیں بہت حفاظت سے رکھوں گی۔

محترمہ درۃ البیضا بیگم کے انعامی مضامین کا سلسلہ اس مہینے سے پھر شروع ہوتا ہے۔ مجھے تو اُن کے مضامین بہت پسند آئے اور ایڈیٹر صاحب سے معلوم ہوا کہ بچیاں بھی انھیں بہت پسند کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب پیامی بچیاں اس انعامی مقابلے میں حصہ لیں گی اور محترمہ درۃ البیضا بیگم کی ہدایت کے مطابق چیزیں بنا کر انھیں بھیجیں گی

فوٹوگرافی کے مقابلے نے ماشاء اللہ خوب ترقی کی ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ بچے ڈرائنگ سے بھی دلچسپی لیں۔ شمس الاسلام علی خاں قائم گنجی اور دوسرے بچوں نے کچھ چیزیں بھیجی تھیں اُن میں سے بعض مجھے بہت پسند آئیں مگر وہ کئی رنگوں میں تھیں اس لئے اُن کے ایک رنگ کے بلاک نہ بن سکے۔ ایڈیٹر صاحب نے انھیں فریم میں لگوا لیا ہے بچے اچھی تصویریں ایک ہی رنگ میں بنا کر بھیجیں۔ ہاں اپنی عمر ضرور لکھ دیں۔ اس لئے کہ آٹھ سے بارہ اور تیرہ سے سولہ

(... سن) کے بچوں کے الگ الگ مقابلے ہوں گے۔ جس کی تصویر سب سے عمدہ ہوگی اسے انعام دیا جائے گا اور پیام تعلیم میں چھپے گی۔ ہر تصویر کے نیچے پورا پتہ اور ڈرائنگ ماسٹر کی تصدیق ضرور ہونا چاہیئے۔ ورنہ مقابلے میں شامل نہ کی جائے گی۔

اچھا اب رخصت۔

"تمہارے ابا جان"

جلسوں کی کارروائی

گلبرگہ:۔ بتاریخ یکم جنوری ۱۹۳۹ء نیو مدن ٹاکیز میں پیام برادری گلبرگہ کا ایک عظیم الشان علمی جلسہ زیر صدارت نواب غوث یار جنگ بہادر صبح کے دس بجے منعقد ہوا۔ حکام، وکلا، تجار، طلباء اور عوام سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کوئی پانچ چھ ہزار کا مجمع تھا۔ جلسے کا آغاز رفیق احمد صاحب مہاجر معتمد کی روئیداد سے ہوا۔ اس کے بعد عبدالکبیر صاحب صدیقی نے اقبال کی ایک نظم "میرا پیام اور ہے اور دل کا ہے پیام اور" ——— خوش الحانی سے گا کر سنائی۔ اس کے بعد مسٹر ابراہیم حسین جلیس صدر پیام برادری نے برادری کا تعارف لوگوں سے کرایا۔ اور آئندہ کا پروگرام بتایا۔ اس کے بعد شہر کے نامور وکیل مولوی عبدالکریم صاحب تماپوری نے قومیت کے عنوان پر ایک گھنٹے تک تقریر کی۔ مجمع صبر و سکون سے آپ کی تقریر سنتا رہا۔ آپ کے بعد سید محمد صاحب تقی مہتمم تعمیرات نے وقت کی قدر پر تقریر فرمائی۔

آپ کے بعد لنگایت طبقے کے ایک معزز شخص ڈنڈپا گٹیل نے "اتحاد" پر مختصر تقریر کی۔ اس تقریر کے بعد نواب غوث یار جنگ بہادر صدر جلسہ نے پیامیوں کو سال نو کی مبارک باد دیتے ہوئے نصیحتیں فرمائیں اور آئندہ کے لئے چند لائحہ عمل بتائے۔ آپ نے اسٹرائک کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اسٹرائک طلباء کے حق میں زہر ہے۔ آپ کے بعد معتمد نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ ۱۲½ بجے برخاست ہوا۔

بھوپال

(ساتواں جلسہ) حاضرین کی تعداد ۲۵ کے قریب تھی۔ ٹھیک ۹ بجے جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے گذشتہ جلسے کی روداد پڑھی گئی پھر مقررہ موضوع "تعلیم نسواں" پر تقریریں ہوئیں۔ سب سے اچھی تقریر مسٹر اختر حسین خاں نائب صدر کی تھی۔ آخر میں مسٹر غضنفر محمد خاں نے ایک تجویز پیش کی کہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۸ء بروز شنبہ ایک تعزیتی جلسہ بطل حریت کمال اتاترک کی یاد میں ہونا چاہیئے۔ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہو گئی۔ جاگو اور جگاؤ کے پرجوش نعروں کے ساتھ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔

(آٹھواں جلسہ) ۱۳ نومبر۔ ۳ بجے دن۔ جلسہ کا آغاز حافظ اسلام رکن مجلس انتظامیہ نے قرآن پاک کی تلاوت

سے فرمایا۔ اس کے بعد مسٹر غنی۔ مسٹر نعیم عالم۔ مسٹر اسرار الحق نے مختصر الفاظ میں کمال اتاترک کا تذکرہ کیا۔ بعد میں مسٹر اختر حسین خاں نے مفصل روشنی ڈالی۔ اور مسٹر غضنفر محمد خاں نے ایک نظم پڑھی۔ آخر میں سکریٹری نے ساغر نظامی کی نظم ذرا سے تغیر کے ساتھ پڑھی۔

(نواں جلسہ) ۲۰ نومبر بوقت ۴ بجے دن۔ اس جلسے میں حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ مقررین کو مجوزہ موضوع کی اطلاع دی جا چکی تھی جو حسب ذیل تھا:۔

"ہندوستان کیسے آزاد ہوگا"

سب سے پہلے سکریٹری نے گذشتہ جلسے کی روداد پڑھ کر سنائی اس کے بعد مقررین نے تقاریر کیں

مقررین کی تعداد:۔ (۱) غضنفر محمد خاں صاحب

(۲) عبدالغنی صاحب

(۳) اختر حسین خاں صاحب

(۴) مہر عالم صاحب

سب سے بہترین تقریر مسٹر غضنفر کی تھی۔

دہلی ۵:۔ شاخ پیام برادری کا ایک جلسہ برکت علی صاحب فراق کی صدارت میں ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء کو جامعہ ملیہ میں ہوا۔ اس جلسے میں صرف انتخاب ہونا تھا۔ جلسہ ۳ بجے قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ شروع ہوا۔ اور یہ حضرات اتفاق رائے سے منتخب ہوئے

(۱) سرپرست شاخ:۔ جناب سعید انصاری صاحب پرنسپل استادوں کا مدرسہ۔

(۲) مربی:۔ (۱) جناب رشید نعمانی صاحب، (۲) جناب ماسٹر قاسم حسن صاحب (۳) جناب حکیم محمد کامل صاحب (۴) جناب الطاف علی صاحب (۵) جناب سید عروج الحسن صاحب

(۳) صدر:۔ عمر کامل صاحب (۴) نائب صدر:۔ محمد یوسف صاحب صدیقی (۵) ناظم:۔ خاکسار (حسن احمد قنوجی)

(۶) نائب ناظم:۔ مظفر علی خاں صاحب (۷) خزانچی:۔ سلیم اختر صاحب۔

(۸) اراکین مجلس منتظمہ:۔ (۱) سید صلاح الدین صاحب (۲) عقیل الرحمٰن صاحب محسنی۔ (۳) مظہر حسین صاحب (۴) محمد آفتاب احمد خاں صاحب

جلسہ ۴½ بجے برخاست ہوا۔ (ناظم) حسن احمد قنوجی۔

دہلی ۲:۔ ہمارا سب سے پہلا تفریحی جلسہ یکم جنوری ۱۹۳۹ء کو پرانے قلعے میں منعقد ہوا۔ اتوار کے دن صبح کو ۹½ بجے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے جنتر منتر پہنچے۔ وہاں سے انڈیا گیٹ پہنچے۔ یہاں نہر کے کنارے کچھ دیر ٹھہرے۔ پھر

قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۲ ½ بجے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہم لوگوں نے کئی قسم کے کھیل کھیلے۔

بعد نماز ظہر محمد یوسف صاحب صدیقی کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ منظور عبد الرحمٰن صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد ناظم نے پچھلے جلسے کی روداد سنائی۔ ان حضرات نے نظمیں اور مضمون پڑھے۔

۱. مشتاق صدیقی (نظم) وقت سحر — ۲. مظفر علی خاں صاحب میری رائے (ہم پیام برادری کو کس طرح کامیاب بنا سکتے ہیں)
۳. محمد یوسف صاحب صدیقی (نظم) نوجوان کی دنیا — ۴. مشتاق صدیقی صاحب۔ میری رائے۔
۵. رشید اختر صاحب (نظم) میرا وطن — ۶. سلیم اختر صاحب میری رائے
۷. عبید اللہ صاحب (نظم) پرند کی فریاد — ۸. فضل احمد صاحب (نظم) خلیفہ عمرؓ کی خاکساری

اس جلسے میں یہ حضرات شامل تھے:۔

۱. سید احمد صاحب ٹونکی (۲) سرفراز حسین صاحب (۳) رشید اختر صاحب (۴) عبید اللہ صاحب (۵) فضل احمد صاحب (۶) سلیم اختر صاحب (۷) محمد یوسف صاحب صدیقی (۸) مظفر علی خاں صاحب (۹) منظور عبد الرحمٰن صاحب (۱۰) محمد آفتاب احمد خاں صاحب (۱۱) سید حسن اختر صاحب (۱۲) سید رضی اختر صاحب (۱۳) مشتاق صدیقی صاحب۔

جلسے کے بعد ہم لوگوں نے چائے پی اور بعد نماز عصر قلعہ سے گھر کی طرف لوٹے۔ راستے کو دلچسپ بنانے کے لئے لطیفہ گوئی اور بیت بازی کا سلسلہ جاری رہا۔ (ناظم) حسن احمد قنوجی

حیدرآباد:۔ انجمن کی جانب سے ہر تیسرے مہینے مضمون نگاری اور تقریری انعامی مقابلوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ چنانچہ ماہ نومبر ۳۸ء میں مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ بعنوان "عہدِ عثمانی میں حیدرآباد کی ترقی" مقرر کیا گیا۔ اس مقابلے میں حیدرآبادی پیامی بچوں کو بھی شریک کیا گیا تھا۔ عالی جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ہماری ہمت افزائی کے لئے مضمون جانچنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

۱۵ نومبر ۳۸ء کو تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوا جس میں انعام پانے والے لڑکوں نے اپنے اپنے مضامین پڑھ کر سنائے۔ مقابلے کا نتیجہ یہ رہا:۔

انعام اول (صنوبر کے سائے) (۲) شہزوری، اقبال حسین۔ انعام دوم (عطیہ رحیم الدین صاحب صدر انجمن) منور حسین۔
انعام سوم:۔ (بحیرۂ جنوبی کا سفر (عطیہ منور حسین معتمد انجمن) معین الدین احمد صاحب۔

معین الدین احمد صاحب معتمد انجمن کی طرف سے دو خاص انعام رکھے گئے تھے جن کی مستحق دو پیامی بہنیں شوکت باسط علی اور مس صدیقہ صدیقہ عائشہ قرار پائیں۔ منور حسین۔ سکریٹری پیام برادری۔ حیدرآباد دکن

آگرہ:۔ ۲۰ جنوری ۳۹ء صبح ۱۱ بجے میرے مکان پر پیام برادری کا جلسہ منعقد ہوا۔ سب سے پہلے حافظ محمد رفیق صاحب نے تلاوت آیت قرآنی سے جلسے کا افتتاح فرمایا۔ خاکسار نے ایک مختصر سی تقریر میں پیام برادری شاخ آگرہ کے قائم

کرنے کی وجہ اور اس کے فوائد سے حاضرین کو مطلع کیا۔ بعد ازاں کثرتِ رائے سے نئے عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا اور وہ یہ ہے:۔

صدر:۔ جناب تمیز الدین صاحب۔ نائب صدر۔ جناب حافظ محمد رفیق صاحب۔ سکریٹری:۔ مبارک الدین احمد صاحب۔ اسسٹنٹ سکریٹری جناب محمد عثمان صاحب اجمیری۔ خزانچی:۔ جناب انعام الٰہی صاحب۔ نائب خزانچی۔ جناب سرور احمد صاحب

عہدے داروں کے منتخب ہونے کے بعد یہ چند ضروری تجویزیں طے ہوئیں کہ:۔

(۱) ہر مہینے ایک جلسہ ہوا کرے گا (۲) برادری کا ماہانہ چندہ فی الحال ار فی ممبر رکھا جائے (۳) انجمن کے اغراض و مقاصد وہی ہیں جو محترمہ آپا جان کی طرف سے مقرر ہو چکے ہیں (۴) اگر کوئی عہدے دار صاحب اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو ایک دفعہ ان کو تنبیہ کرنے کے بعد عہدے سے معزول کر کے دوسرا انتخاب کر لیا جائے گا۔ (۵) عام جلسے میں ہر ممبر کو مباحثے میں حصہ لینا ضروری ہے۔

اس کے بعد صدر صاحب نے سب موجودہ ممبران صاحبان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیشہ برادری کی اشاعت و توسیع میں اُن کا ہاتھ بٹاتے رہیں۔ اور اسے اپنا فرض سمجھیں اس بات کا سب ممبروں نے وعدہ کیا اور صدر صاحب کو یقین دلایا کہ وہ حتی الامکان برادری کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے:

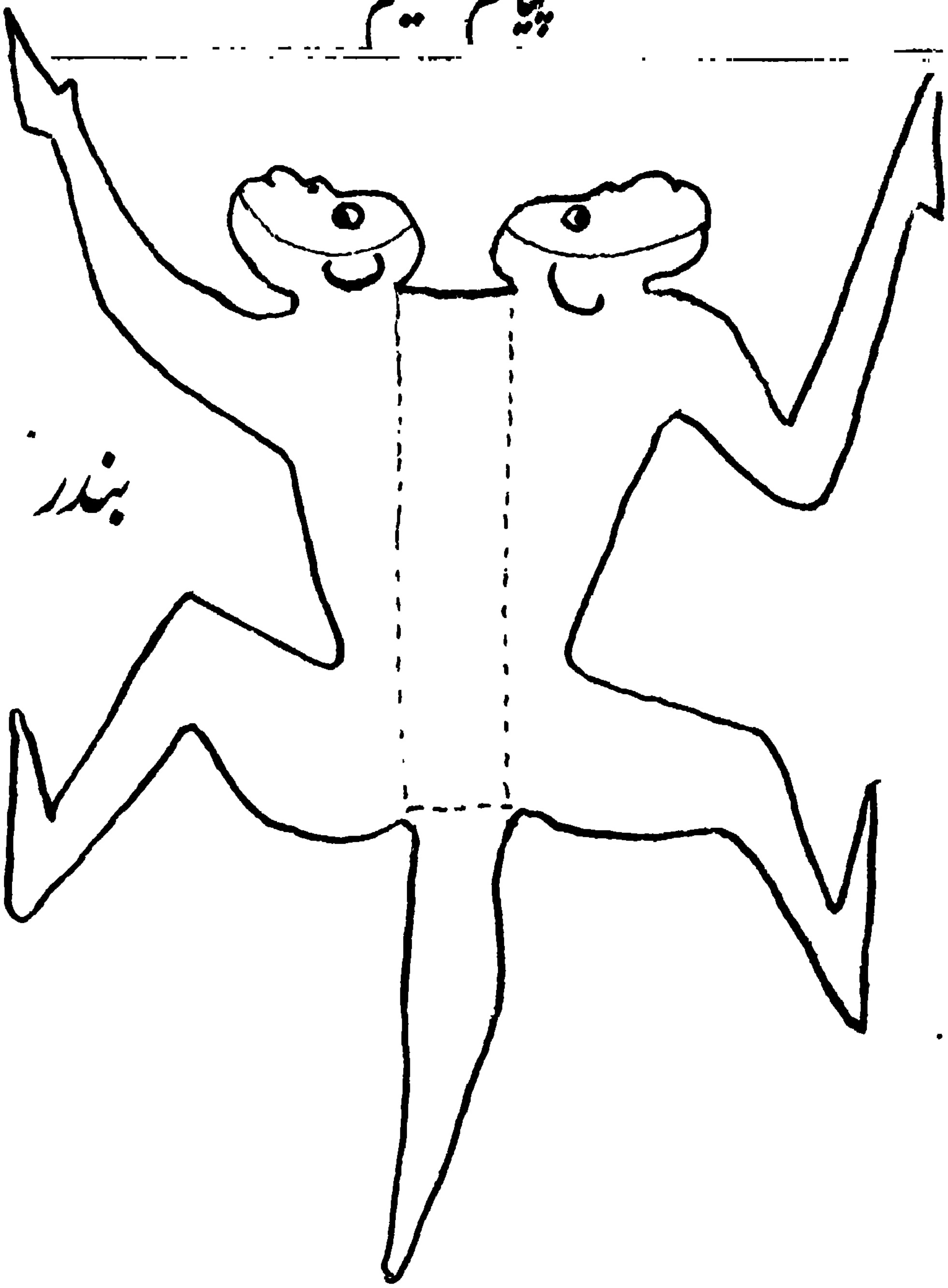
اس کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا۔ خاکسار مبارک الدین پنڈ دادنخانوی (سکریٹری)

پیام برادری شاخ آگرہ کے نئے ممبر:۔

(۱) جناب تمیز الدین صاحب (۲) جناب حافظ محمد رفیق صاحب (۳) جناب انعام الٰہی صاحب (۴) جناب سرور احمد صاحب (۵) جناب محمد شریف صاحب (۶) جناب محمد رفیق صاحب (۷) جناب عبد الحمید صاحب (۸) جناب محمد علی صاحب (۹) جناب سید محمود احمد صاحب۔ (۱۰) جناب سید محمد اظہر صاحب (۱۱) جناب سید اسلم صاحب (۱۲) جناب سید معصوم علی صاحب (۱۳) جناب عبد الوحید صاحب (۱۴) جناب عبد القیوم صاحب (۱۵) جناب غلام ربانی صاحب (۱۶) جناب محمد عمر صاحب (۱۷) جناب عبد العزیز صاحب

خاکسار محمد عثمان خاں اجمیری اسسٹنٹ سکریٹری محلہ حکیمان آگرہ۔

علی گڑھ:۔ اتوار کو بوقت ۲½ بجے پیام برادری کا جلسہ شروع ہوا۔ عزیز صاحب نے تلاوتِ قرآن کلام پاک سے جلسے کا افتتاح کیا۔ پھر سکریٹری نے پچھلے جلسے کی کارروائی پڑھ کر سنائی اس کے بعد جناب منیر احمد صاحب، نائبِ صدر برادری نے "میں بڑا ہو کر کیا کرتا" کے عنوان پر ۶ منٹ تقریر کی پھر ہمارے ایک نئے ممبر جناب مختار مسعود صاحب نے اسی عنوان پر ایک سرسری روشنی ڈالی پھر اور دوسرے ممبروں نے تقریریں کیں اور کہانیاں سنائیں اس کے بعد ہمارے ایک معزز ممبر و سابق سکریٹری پیام برادری عزیز عمر صاحب نے ایک نظم ہندوستان سے خطاب کے عنوان سے پڑھی نظم پرجوش تھی چنانچہ پسند کی گئی۔ اس کے بعد عزیز احمد صاحب نے ایک نظم "میں بڑا ہو کر کیا کرتا" سنائی۔ اس کے بعد ہمارے خزانچی الطاف محمد شفیع صاحب نے اپنی رپورٹ سنائی: جلسہ ۴½ بجے برخاست کیا گیا۔ محمد شائق الرسول۔ نمبر ۵۔ سول لائن۔ علی گڑھ



پہلے تپلے کاغذ پر اس خاکے کا عکس اُتار لو اور اسے دفتی یا موٹے کاغذ پر چپکا کر کاٹ لو۔ جسم گہرا سرخ، چہرہ اور دم بھوری رنگ لو۔ کالا اور سرخ رنگ ملانے سے گہرا سرخ بن جاتا ہے۔

پیام تعلیم دہلی

پیام تعلیم

یوپی، سی پی، بہار، بھوپال، حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

مارچ سنہ ۳۹ء

جلد ۲۲ — نمبر ۳

قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر

A.STUDIO.

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی



اس پرچے میں کہیں دوسری جگہ "جاگو اور جگاؤ" کے عنوان سے ایک ترانہ چھپا ہے۔ یہ ہمیں جناب محمود علی خاں صاحب جامعی کی نوازش سے ملا ہے۔ محمود علی خاں صاحب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس عنوان پر کئی شاعروں سے نظمیں لکھوائی تھیں مگر یہ نظم یا ترانہ سب سے اچھا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ پیامی بچیاں اور بچے بھی اسے بہت پسند کریں گے۔ ہماری تجویز ہے اور آپا جان نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ پیامی خصوصاً برادری کے ممبر اپنے جلسوں میں اب اسی ترانے کو گایا کریں۔

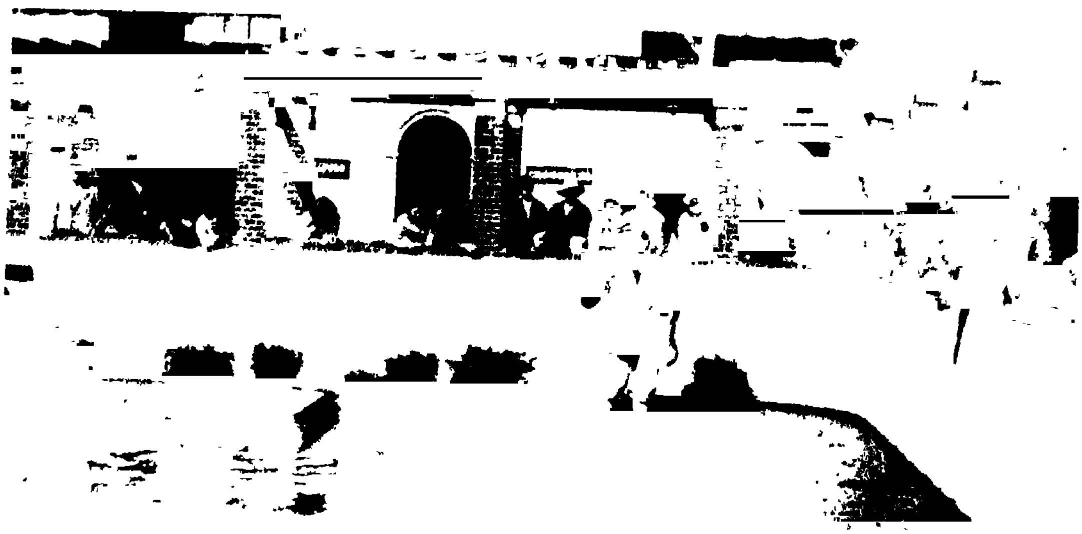
پرچے میں اور بھی کئی اچھی اچھی چیزیں ہیں:۔ جوگی والا ننھا سا مضمون اور "آؤ گھر گھر کھیلیں"۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ننھے منے پیامیوں کو یہ مضمون بھی پسند آئیں گے اور وہ بھی اس کھیل کو کھیل کر خوش ہوں گے۔ آخری مضمون نا تمام ہے۔ باقی اگلے پرچے میں چھپے گا

ہاں ایک اور مضمون ہے "کتابیں جمع کرنا" جمیل احمد صاحب نقوی نے یہ بہت اچھا مشغلہ تمھیں بتایا ہے۔ تمھیں اس مشغلے سے دلچسپی ہوئی تو جمیل صاحب نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اور بھی اچھے اچھے مضمون لکھیں گے اور اگر تم اپنے شوق کی کتابیں مکتبے سے منگاؤ گے تو نیجر صاحب سے کہہ کے ہم کچھ نہ کچھ رعایت بھی کرا دیں گے۔

علی گڑھ کی برادری کے سکریٹری سے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ پچھلے مہینے عزیزی پیامی نسیم احمد انصاری سلمہٗ کی والدہ نے انتقال کیا۔ نسیم احمد انصاری سلمہٗ علی گڑھ کی برادری کے بہت پرجوش ممبر ہیں۔ ہمیں اس حادثے میں اُن سے دلی ہمدردی ہے۔ خدا انھیں اور انکے عزیزوں کو صبر عطا کرے۔

اکثر بچے خط لکھتے وقت اپنا پتہ لکھنا بھول جاتے ہیں اُن کا جواب دینے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ خصوصاً جو بچے رسالے کے خریدار نہیں ہوتے اُن کے خط کا جواب دینا تو گویا ناممکن ہوتا ہے۔ اپنا پتہ تو تم ہر خط میں ضرور لکھا کرو چاہے وہ ایڈیٹر کے نام ہو یا اپنے کسی بزرگ کے یا ساتھی کے۔ نیجر صاحب بھی بہت سے پیامیوں سے پریشان ہیں یہ باوجود تاکید کے اپنا نمبر خریداری نہیں لکھتے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آیندہ وہ اس کا خیال رکھیں گے۔





پورٹ الزبتھہ (جنوبی افریقہ) میں سانپوں کی تربیت گاہ

(مرسلہ محمد احمد راوت صاحب)

جوگی

قیصر ریحانہ

جوگی! جوگی! کہاں سے آئے ہو، کہاں جاتے ہو۔ آج یہاں ہو، کل وہاں۔ تم نے پہاڑ دیکھے ہوں گے۔ دریا دیکھے ہوں گے۔ سمندر دیکھا ہوگا۔ نہ جانے کیا کیا دیکھا ہوگا جو میں نے نہیں دیکھا۔

جوگی! جوگی! راتوں کو بھی تم تو چلتے ہوگے۔ جب میں سوتا ہوں تو تم جاگتے ہوگے۔ دن کو جب میں مدرسے جاتا ہوں اور کام کرتا ہوں اور کھیل کھیلتا ہوں تو تم کسی پیڑ کے نیچے دریا کے کنارے سو جاتے ہوگے۔ تمھارا دن اور تمھاری رات کیا ایسی ہی ہوتی ہے جیسی میری؟

جوگی! جوگی! تمھارا جی نہ جانے خوش ہے، نہ جانے اداس۔ نہ جانے تمھیں ہم سب بُرے لگتے ہیں یا بھلے۔ تمھارے من میں نہ جانے کیا کیا آتا ہوگا، جو میرے دل میں نہیں آتا۔

جوگی چپ سنتا رہا۔ ذرا سر اُٹھایا، ذرا مسکرایا اور پھر سر نیچے کر لیا۔



جاگو اور جگاؤ

احسن عثمانی

آؤ آؤ پیارو آؤ ‏ ماں کے راج دلارو آؤ
دیس کی آنکھ کے تارو آؤ ‏ آزادی کے گیت سناؤ

جاگو اور جگاؤ

اٹھو اٹھو نیند کے ماتو ‏ دنیا جاگی تم بھی جاگو
ہر سونے والے کو اٹھا دو ‏ خود جاگو اوروں کو جگاؤ

جاگو اور جگاؤ

آزادی کا سورج نکلا | بچّہ بچّہ نیند سے جاگا
جو پیچھے تھا آگے بھاگا | اپنا گھوڑا تم بھی بڑھاؤ

جاگو اور جگاؤ

کیسی بہار آئی ہے چمن میں | سوتے جاگ اُٹھے ہیں وطن میں
بجلی دوڑ گئی تن من میں | اب تم بھی کچھ کر کے دِکھاؤ

جاگو اور جگاؤ

کام کرو اور پڑھتے جاؤ | دن دن آگے بڑھتے جاؤ
بڑھتے جاؤ چڑھتے جاؤ | اوروں کو بھی آگے بڑھاؤ

جاگو اور جگاؤ

پیاری ماں کے پیارے ہو تم | یعنی وطن کے سہارے ہو تم
ناؤ کے کھیون ہارے ہو تم | ناؤ وطن کی پار لگاؤ

جاگو اور جگاؤ



آؤ گھر گھر کھیلیں

رقیہ ریحانہ

رشید اور ہم ساتھ ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کی بہن راشدہ بھی ہمارے ساتھ پڑھتی ہے۔ دونوں صاف رہتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ کسی سے لڑتے نہیں کل چھٹی تھی تو اسد اور موہن اور سیتا سب رشید کے گھر کھیلنے گئے تھے۔ موہن نے پوچھا کیا کھیل ہوگا۔ راشدہ نے کہا آج گھر گھر کھیلیں گے۔

ذرا سی دیر میں گھر بننے لگا۔ رشید اور موہن کہیں سے ایک پرانا لکڑی کا صندوق اٹھا لائے۔ سامنے لکڑی کے تختے رکھ دیے۔ اسد کہیں سے ہرا رنگ لے آیا اور جھٹ پٹ گھر ہرا رنگ دیا۔ وہ دیکھو گھر تیار ہوگیا۔ راشدہ بنی ماں۔ اسد بنے ابا۔ راشدہ بولی چلو بچو چلو ابا چیز لائے ہیں۔

رشید کی بلی دوڑی "میاؤں میاؤں بھوک لگی ہے۔ ذرا سا دودھ پلادو۔"

اسد کا کتا دوڑا "بھو وو مجھے بھی بھوک لگی ہے۔ ایک ٹکڑا ہی دے دو۔"

راشدہ کی چڑیا بھی پھر سے اڑ کر آئی۔ "چوں، چوں، چوں، چوں مجھے بھی

بھوک لگی ہے ۔ دو دانے مجھے بھی۔"
راشدہ کا چھوٹا بھائی چنو بھی جلدی جلدی آیا۔ ایک ہاتھ میں منّا ایک ہاتھ میں منّی ۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے اور منّا کو بھی اور منّی کو بھی ۔"

اچھا ہے۔" چڑیا نے گھر کو دیکھا اور بولی چوں ، چوں ۔ بہت اچھا ہے۔" چنّو نے گھر کو دیکھا اور بولا " واہ ۔ واہ بہت اچھا ہے۔" منّا اور منّی نے بھی گھر کو دیکھا اور کہا " چیں ، پیں ۔ بہت اچھا ہے۔"



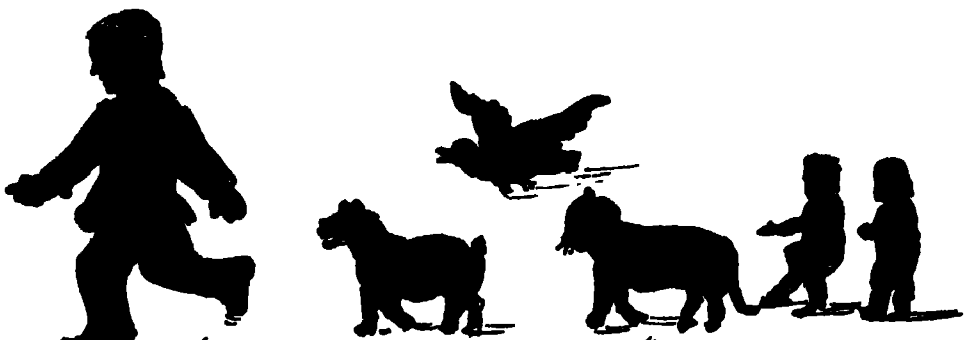
ماں نے کہا۔" دیکھو ۔ دیکھو یہ کیا ہے ؟ ابا نے تمھارے لئے یہ گھر بنایا ہے۔" بلی نے گھر کو دیکھا اور بولی ، میاؤں ، میاؤں بہت اچھا ہے۔" کتّے نے گھر کو دیکھا اور بولا " بھوں ، بھوں بہت

ماں نے کہا :۔ " اچھا تم سب یہاں گھر میں کھیلو ۔ میں سب کے لئے کھانا لاتی ہوں۔"

کھیل

ماں گئی کھانا لانے ۔ بچوں نے کہا

جب تک ذرا کھیل لیں۔ پہلے تو نئے گھر کو
اِدھر سے دیکھا، اُدھر سے دیکھا، اِدھر
دوڑے، اُدھر بھاگے۔ بھوں، بھوں
میاؤں، میاؤں کے پیچھے دوڑا۔ میاؤں
میاؤں، چوں چوں کے پیچھے لپکی۔ چوں چوں
کبھی پھر سے اُڑ کر اِدھر بیٹھی، کبھی پُھدک



کے اُدھر۔ چنّو بھی اپنی گڑیوں کو گود میں
لئے کبھی میز کے نیچے بیٹھ جاتا، کبھی کرسی
کے اُوپر۔

اتنے میں موہن نے کہا "اچھا سب
چھپ جاؤ ہم ڈھونڈیں گے۔" موہن نے
آنکھیں بند کرلیں۔ بچے سب چھپ گئے۔
چڑیا نے کہیں سے کہا "چوں، چوں موہن

اب آنکھیں کھول لو۔" موہن نے آنکھیں کھول
لیں اور بچوں کو ڈھونڈنے لگا۔ پنجرے
میں دیکھا، کوئی نہیں تھا۔ کھڑکی میں دیکھا
کوئی نہیں تھا۔ کرسی پر دیکھا، کوئی نہیں۔
میز کے نیچے دیکھا، کوئی نہیں۔ سب نہ جانے
کہاں چھپ گئے تھے۔ ذرا تم تو دیکھو کہ

چوں چوں کہاں ہے؟
بھوں، بھوں کہاں ہے؟
میاؤں، میاؤں کہاں ہے؟
چنّو کہاں ہے؟
مُنّا کہاں ہے؟
مُنّی کہاں ہے؟

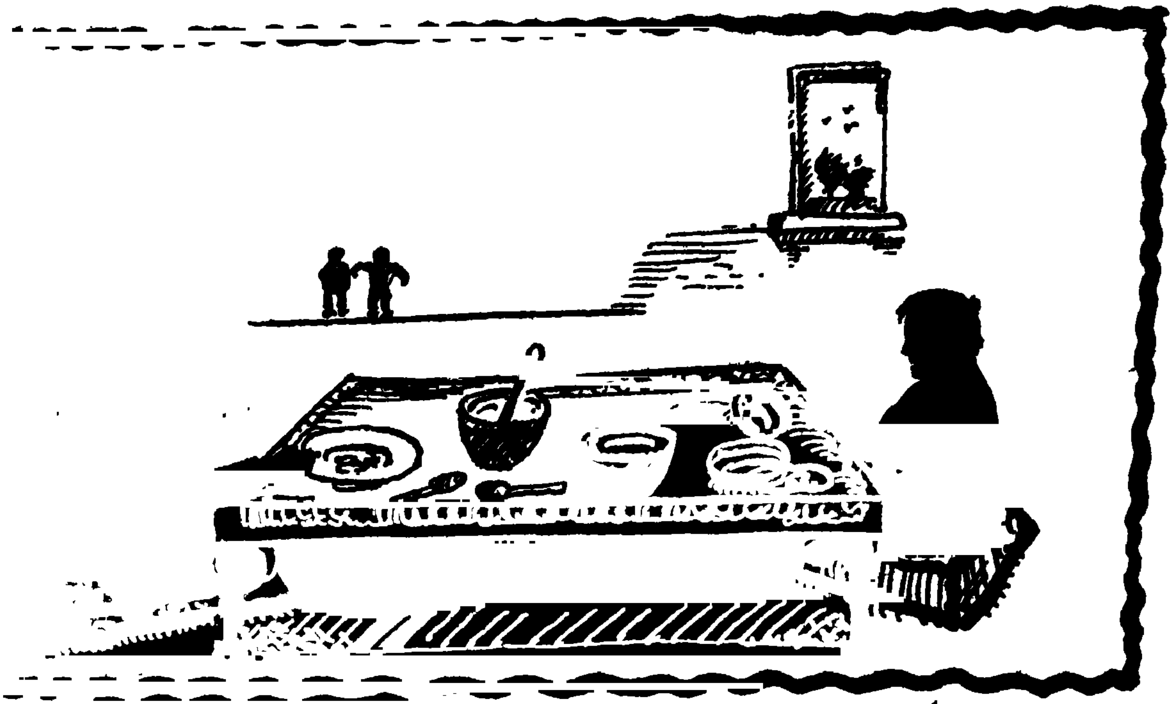
کھانا آگیا

چلو بچو چلو کھانا آگیا۔ امّاں نے چوکی پر رکابیاں رکھ دی تھیں۔ کٹوروں میں پانی رکھ دیا تھا سب کے لئے الگ الگ ایک کٹورا تھا۔ ابا نے بتایا تھا ایک ہی کٹورے سے سب کو پانی نہ پینا چاہیئے۔ اس سے کبھی کبھی بیماری پھیلتی ہے۔ رشید نے ہاتھ میں پانی کا لوٹا لیا اور کہا۔ آؤ بھائی سب ہاتھ دھو لو۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ ضرور دھونے چاہئیں۔ سب نے ہاتھ دھوئے اور آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ چنّو نے منّا اور منّی کو ایک طرف دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا اور وہ بھی سب کے برابر آبیٹھے۔ میاؤں میاؤں بھی آئیں مگر بھووو دور ہی کھڑے دم ہلا رہے تھے۔ میاؤں میاؤں نے دیکھا کہ سب ہاتھ دھو کر آئے ہیں تو انھوں نے بھی اپنے ہاتھ صاف کرنا چاہے۔ زبان سے انھیں صاف کیا۔

اماں نے کہا پہلے اُن کو دے دوں پھر ابھی تمھارے لئے لاتی ہوں۔ میاؤں میاؤں کے سامنے ایک دودھ کا پیالا رکھ دیا۔ بلّی نے کہا میاؤں میاؤں اور دودھ پینے لگی۔ بھوں بھوں کو ایک بڑی سی ہڈی دے دی۔ بھووو نے کیا غُر غُر۔ بھووو۔ اور ہڈی منہ میں دبا ایک طرف کو ہو گیا۔ دم سے زمین پر جھاڑ دے کر وہاں بیٹھ گیا اور ہڈی چبانا شروع کر دی۔

اماں نے بڑی سی رکابی میں کھچڑی نکالی اور لاکر چوکی پر بیچ میں رکھ دی۔ گرم گرم خوب بھاپ نکل رہی تھی۔ ایک پیالے میں گھی لاکر رکھ دیا ایک میں دہی۔ موہن نے کہا گھی تو بہت اچھا ہے۔ کیسا پیلا پیلا صاف ہے اماں نے کہا "اپنی گائے کا ہے۔ کچھ دودھ ہم سب پیتے ہیں۔ کچھ جما دیتے ہیں۔ کبھی دہی کھاتے ہیں۔ کبھی دہی کو بلو کر گھی نکال لیتے ہیں" سب نے اپنی اپنی رکابی میں کھچڑی

تھوڑی تھوڑی سے لی چمچے سے گھی ڈالا چنو نے گھی کا چمچہ دہی کے پیالے میں ڈال دیا تو رشید نے کہا "چنو میاں یہ دوسرا چمچہ لے لو اس سے دہی نکالو۔" سب نے گھی اور نے تھوڑی تھوڑی کھچڑی اور لی مگر رشید نے کہا "بھائی ہم تو کھچڑی کھا چکے۔ ذرا سی روٹی ملتی تو چٹنی سے دو نوالے اور کھاتے" اماں نے کہا "ہاں ہاں روٹی بھی ہے مگر



دہی ملا ملا کر خوب کھچڑی کھائی۔ اسد نے کہا "چٹنی ہوتی تو بڑا مزا آتا" اماں نے کہا جلدی میں لانا بھول گئی۔ ہرے دھنیے کی چٹنی تو بنا رکھی ہے۔" جھٹ جا کر ایک ننھی سی طشتری میں چٹنی لا کر رکھ دی۔ سب

ٹھنڈی ہے۔ چپاتی کا ٹکڑا دوں یا خمیری روٹی کا" رشید نے کہا "خمیری دے دو۔" اماں نے آدھی روٹی خمیری لا کر دی۔ رشید نے چٹنی سے روٹی لگا لگا کر خوب مزے لے لے کر کھائی پھر سب نے گرم پانی اور صابون سے ہاتھ دھوئے۔

[illegible]

پیالا الٹ گیا

محمد محسن حسان

صبح کو کوئی پونے سات بجے ہوں گے سعیدہ کے ابا کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ بی سعیدہ آئیں اور جھک کر آداب کیا۔ ابا نے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا جیتی رہو بیٹی تم اسکول کے لئے تیار ہو گئیں؟

سعیدہ :- جی ہاں ابا۔

اتنے میں حبیب اور غوثی نے بھی کواڑوں میں سے جھانکا۔ یہ ابھی ابھی اُٹھے تھے نہ منہ دھویا تھا نہ کپڑے بدلے تھے۔ دونوں اُداس اُداس تھے۔ منہ بھی پھولا پھولا۔ صبح صبح اُٹھنا اُن کے لئے مصیبت تھا

ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ امی نے دسترخوان بچھا دیا تھا۔ غوثی اور حبیب نے جلدی جلدی منہ دھویا اور ناشتہ کرنے لگے۔ سعیدہ بڑے اطمینان سے ناشتہ کر رہی تھی، کہنے لگی "امی آج کا ناشتہ تو بہت ہی مزے کا ہے۔ مگر غوثی اور حبیب کے مُنہ سے کچھ نہیں نکلا۔ صبح کا اسکول تھا اور انھوں نے ابھی کپڑے بھی نہیں بدلے تھے، وقت پر اسکول پہنچنے کی گھبراہٹ تھی اسی گھبراہٹ اور جلدی میں حبیب سے دودھ کا پیالا الٹ گیا۔ سارے دسترخوان پر بس دودھ ہی دودھ تھا۔ غوثی پاس ہی

بیٹھے تھے اُن کے کپڑے بھی خراب ہوگئے دونوں منہ لبسورنے لگے۔ فوراً دوسرا دسترخوان بچھا دیا۔ ابّا مسکرا کر بولے "جب تک تم دونوں غلط طریقے سے بستر سے اُٹھا کروگے تب تک یہی حال رہے گا۔"

حبیب اور غوثی ابّا کی طرف دیکھنے لگے۔

غوثی :۔ "غلط طریقے سے! ابّا میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

باپ :۔ "ہاں میاں جب تم غلط طریقے سے بستر سے اُٹھوگے تو تمہارا دل اُداس رہے گا اور تمہاری طبیعت میں جھنجلاہٹ ہوگی۔ دن بھر تمہارا یہی حال رہے گا۔"

حبیب :۔ "مگر ابّا میں تو اسی طرح بستر سے اُٹھا جس طرح روز اُٹھتا ہوں۔"

غوثی :۔ "اور میں بھی اسی طرح سے اُٹھا تھا جس طرح سعیدہ بہن اُٹھی تھیں۔"

سعیدہ مسکرا کر اپنے ابّا کی طرف دیکھنے لگی۔ ابّا بھی اُسے دیکھ کر مسکرائے اور بولے "دیکھو سعیدہ آج کتنی خوش ہے۔ وہ یقیناً ٹھیک طریقے سے اُٹھی ہے۔"

حبیب :۔ "ابّا ٹھیک طریقے سے کیسے اُٹھتے ہیں۔ مگر ابھی مجھے کپڑے بدل کر اسکول جانا ہے کہیں دیر نہ ہو جائے۔ اچھا ابّا آج شام کو ضرور بتائیے گا۔"

اتنا کہہ دونوں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے۔ حبیب نے اماں کو پکارا۔ امی امی میری پنسل اور کتاب نہیں ملتی۔ آپ نے دیکھی ہو تو بتا دیجئے۔ امی نے حبیب کی کتاب ڈھونڈی۔ غوثی کا قلم میز کے نیچے گر گیا تھا، وہ اُٹھا کر دیا۔ سعیدہ نے حبیب کی پنسل ڈھونڈ کر دی۔ بقیہ

خدا کر کے دونوں تیار ہوئے اور بستے لے کر اسکول کو چلے گئے۔ دونوں کے دل اب بھی اداس تھے۔

دوپہر کو دونوں اسکول سے لوٹے اس وقت بھی اداس اداس اور سست تھے۔ سعیدہ ان کے ساتھ کھیلنا چاہتی تھی مگر ان کا جی کھیل میں نہ لگا۔ سعیدہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔

حبیب کہنے لگا۔ آج تو کسی چیز میں بھی میرا جی نہیں لگا۔

غوثی:۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ بھئی ابا نے معلوم ہوتا ہے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج صبح اٹھنے میں ضرور ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔"

حبیب کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا کل جاگتے ہی سیدھا کھڑا ہو جاؤں گا۔

[illegible] ں سامنے آگئیں۔ وہ ان [illegible] ٹھٹھا مار کر ہنس پڑیں۔ دونوں بچے بھی ہنسنے لگے۔ پھر حبیب بولا۔

حبیب:۔ "غوثی بھیا، مجھے تو صبح کو بستر سے ٹھیک طریقے سے اٹھنے کی ترکیب معلوم ہو جائے تو میں تو اسے ضرور کروں گا۔"

غوثی:۔ بھئی ایک کام کریں۔ آج سے ہم دونوں سعیدہ کی نقل اتاریں۔ بس جو وہ کرے وہی ہم بھی کریں۔ دیکھو وہ صبح کو کتنی خوش خوش اٹھتی ہے"

شام کو کھانے کے بعد سعیدہ نے اپنے پڑھنے لکھنے کا سامان سلیقے سے ایک طرف رکھ دیا۔ حبیب اور غوثی نے بھی یہی کیا۔ سعیدہ آٹھ بجنے سے کچھ پہلے سونے کی تیاری کرنے لگی۔ ان دونوں کو اتنی جلدی سونا برا لگتا تھا مگر پہلے سے یہ طے ہو چکا

تھا کہ جو کچھ سعیدہ کرے گی وہی کریں گے اس لئے وہ بھی سونے کی تیاری کرنے لگے۔ سعیدہ نے دانت مانجھے، بالوں میں کنگھی کی، دوپٹہ اتار کر کھونٹی پر لٹکایا اور سونے کو لیٹ گئی۔ ان دونوں نے بھی دانت مانجھے، منہ دھویا اور سونے کے کپڑے پہن لئے اور بچھونے پر لیٹ گئے۔

دوسرے دن صبح تڑکے امّی نے بچوں کو جگایا۔ تینوں فوراً اٹھ بیٹھے۔ سعیدہ نے ہاتھ منہ دھویا۔ مدرسے جانے کے لئے کپڑے بدلے اور سامان ٹھیک کرنے لگی۔ غوثی اور حبیب نے بھی یہی کیا۔ تھوڑی دیر میں تینوں بچے تیار ہوگئے اور باپ کے کمرے میں جاکر تینوں نے ایک ساتھ آداب کیا۔

باپ:۔ "اوہو بھئی آج تو تینوں ٹھیک طریقے سے بستر سے اٹھے ہیں۔"

اتنے میں ناشتہ بھی تیار ہوگیا۔ آج تینوں نے بہت اطمینان سے ناشتہ کیا۔ حبیب میاں کہنے لگے۔ "آج تو ناشتہ بہت مزے کا معلوم ہو رہا ہے۔"

باپ:۔ "اور یہ اس لئے کہ تم.......۔"

حبیب:۔ "ٹھیک طریقے سے بستر سے اٹھے تھے۔"

سعیدہ کے باپ نے زور کا قہقہہ لگایا اور بولے۔ "آخر تم سمجھ گئے ــــ کہ ٹھیک طریقے سے اٹھنے کا کیا مطلب ہے۔ اچھا بیٹے ہم تمھیں دو چار باتیں اور بتاتے ہیں اگر انھیں کرتے رہو گے تو ہمیشہ اسی طرح خوش اور تندرست رہو گے۔"

حبیب اور غوثی:۔ "ہاں ہاں ابّا ضرور بتائیے۔"

باپ:۔ "دیکھو پہلی بات تو یہ کہ تمھیں رات میں آٹھ، نو گھنٹے ضرور سونا چاہیے"

پھر رات کو سونے، صبح کو اُٹھنے اور کھانا کھانے کا وقت مقرر کر لو اور ہمیشہ ہر کام اس کے ٹھیک وقت پر کیا کرو۔ کھانا اطمینان سے چبا چبا کے کھاؤ۔ کھانے کے علاوہ تازہ ہوا اور دھوپ بھی خوب کھاؤ۔ ہر روز تھوڑی سی ورزش کر لیا کرو۔ بدن صاف رکھو۔ دانت دن میں کئی بار مانجھو اور بھئی دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ پھر تم بھی خوش رہو گے۔"

پہیلیاں

شاہدہ خانم

(۱) سفید رکابی کالے چنے جس کے نصیب اس نے چنے

(۲) ایک گھوڑا تیس سوار۔ دیکھنے والا برخوردار

(۳) سفید زمین کالا بیج۔ بونے والا گائے گیت

(۴) چھوٹی چپاتی بڑی چپاتی۔ لڑتی چھکا چھک
بڑے میاں باہر بھاگے۔ لڑتے پھکا پھک

(۵) بیل پڑی تالاب میں پھول کھلتا جائے
عجب تماشا میں نے دیکھا پھول بیل کو کھائے

(۶) سامنے آئے کر دے دو۔ مارا جائے نہ زخمی ہو

(۷) چاند سا چکلا۔ پان سا پتلا
جو نہ بوجھے۔ اس کی آنکھ میں تکلا۔

(۸) راہ راہ جوگی جائے۔ چمپا پھول بکھیرتا جائے

(۹) ہری ٹوپی لال دوشالا۔ جس کے پیٹ میں دانوں کی خالا

(۱۰) چار چڑیاں چار رنگ۔ پنجرے میں جا کر ایک ہی رنگ

(۱۱) ایک گنی نے یہ گن کیا۔ ہرل ہار پنجرے میں دیا
دیکھو جادوگر کا کمال۔ ڈالے ہرا نکالے لال

جواب صفحہ ۱۳۷ پر دیکھو۔

چنیا بط

سید شاہ آفتاب عالم (عمر ، سال)

چنیا بط اک پالا ہم نے
سامنے اپنے کھلایا ہم نے

کھیل کے جب آتے ہیں گھر پر
پاس آتی ہے کرتی قر قر

کیسی اچھی کیسی بھلی ہے
سب سے زیادہ ہم سے ہلی ہے

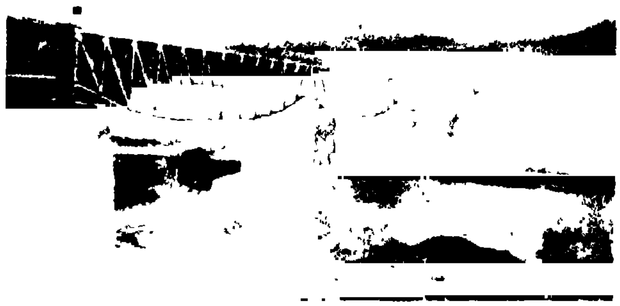
بولی ایسی جیسے ٹھٹّھا
چال عجوبہ رنگ نرالا

انڈا دے کر وہ دربے میں
بولی قر، قر، قیں قیں قیں قیں

دوڑ کے ہم نے انڈا اٹھایا
جھٹ پٹ گھی میں تل کر کھایا

رات کی ہے وہ چوکی دارن
دن کو کھیل کا سامان ۔ آفن

تصویروں کا مقابلہ



(… مد بنوں) "اٹک کا پل" (تعریف کے قابل)



(رضی عباس لکھنؤ) "بھینس والا"
(تعریف کے قابل)



(… حسن احمد جامعہ نگر) "حوض خاص" (پہلا انعام)



(برج راج سنگھ لکھنؤ) "تالاب کے کنارے" (دوسرا انعام)



عمر کامل صدر پیام برادری دہلی



محمد صادق کلکتہ



مبارک الدین سکرٹری پیام برادری آگرہ



محمد علی (بھائی بہن سمیت) شیخ پورہ



ایک دن ایک لڑکا اور اس کی چھوٹی بہن برف گاڑی پر جس میں کُتّے جُتے ہوئے تھے بیٹھے جا رہے تھے۔ لڑکا گاڑی کو برف ہی برف بہت دور لے جا رہا تھا۔ کُتّے بہت تیز دوڑ رہے تھے اور بچّے بہت خوش تھے۔ اتنے میں ایکا ایکی بہت زور کی آواز آئی۔ برف کا بہت بڑا ٹکڑا جس پر ان کی گاڑی جا رہی تھی برف کے باقی حصے سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا۔ برف کا یہ ٹکڑا کنارے سے بہہ کر سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ لڑکا سمجھ گیا کہ اب ماں، باپ سے ملنا ہمارے نصیب میں نہیں ہے جوں جوں وقت گذرتا تھا سردی بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی بہن تو رونے لگی۔ اس نے ٹھنڈی ہوا سے بچنے کے لئے برف کا ایک گھر بنا لیا۔ برف گاڑی پر جو گرم کپڑے پڑے تھے ان کو دونوں نے اپنے چاروں طرف لپیٹ لیا۔ لڑکا اپنے کتّوں کو بھی تھپکتا رہا۔

اب اندھیرا ہو چلا۔ لڑکا اپنی بہن کے پاس بیٹھ گیا اور رات بھر جاگتا رہا۔

دوسرے دن صبح کو ہوا برف کو کنارے پر لے آئی بھلا لڑکے کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ اس نے کنارے پر کچھ

آدمی دیکھے اور انھیں مدد کے لئے پکارا۔ انھوں نے بچوں کی آواز سنی تو کشتیوں میں سوار ہو گئے۔

بچوں کو صاف پانی تک آنے کے لئے برف کے بہت سے ٹکڑوں سے گذرنا تھا۔ لڑکے نے بہن کا ہاتھ پکڑا اور دونوں ایک ٹکڑے سے دوسرے ٹکڑے پر کود کود کر جانے لگے راستے میں وہ گر گر پڑتے تھے اور اُن کے پیر پھسل پھسل جاتے تھے۔

آخر گرتے پڑتے وہ بن سبجے پانی تک پہنچ گئے۔ یہ لوگ کشتیاں لے کر برف کے قریب تو آ نہیں سکتے تھے اس لئے کہ موجیں زور زور سے اٹھ رہی تھیں اور برف کے بڑے بڑے ٹکڑے ہل ڈل رہے تھے۔

لوگوں نے اکوا سے کہا کہ اپنی بہن کو ہماری طرف پھینک دو۔ لڑکے نے بہت حفاظت کے ساتھ اپنی بہن کو کشتی میں پھینک دیا اور خود ایک اور کشتی میں کود گیا۔ کتے بھی تیر کر کنارے تک آ گئے اور سب صحیح سلامت گھر پہنچ گئے۔

معذرت

فروری کے پرچے میں عقل مند ظفر کے نام سے ایک کہانی چھپی تھی یہ حیدرآباد کے ایک لڑکے نے بھیجی تھی۔ ایڈیٹر صاحب پھول کے خطے معلوم ہوا کہ یہ اُن کی ایک کتاب سے نقل کر لی گئی ہے۔ ہمیں اس کا بہت افسوس ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا تو کبھی نہ چھاپتے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ بچے اس قسم کی چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجیں گے۔

ایڈیٹر

بسنت

احسن عثمانی صاحب

جاڑا رخصت ہو رہا ہے۔ بسنت رت آئی ہے۔ کیسا دل لبھانے والا موسم ہے۔ سرسوں پھولی کھیتوں میں بسنتی رنگ کا دریا لہرانے لگا۔ یہ سرسوں کے ہرے بھرے کھیت، یہ زرد زرد رنگ کے پھول کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

انگریزی کا نیا سال شروع ہے۔ پوس کے آخر مہینے میں بسنت کی بہار رہتی ہے۔ انھیں دنوں بسنت پنچمی منائی جاتی ہے۔ بسنت کا تیوہار سبھی ہندوستانی مناتے ہیں۔ بسنت کے دنوں میں اچھے موسم کی خوشی ہوتی ہے۔ اس خوشی میں ہندو مسلمان سب کا حصہ ہے۔ یہ ہمارے دیس کا قومی تیوہار ہے۔ امیر خسرو ہمارے دیس کے بہت بڑے عالم فقیر اور ہندی فارسی کے بڑے اچھے شاعر گذرے ہیں۔ ایک دن امیر خسرو کے پیر حضرت نظام الدین اولیا کسی فکر میں بیٹھے تھے۔ بسنت پنچمی کا دن تھا۔ ہندو سرسوں کے پھول لئے گاتے بجاتے کالکاجی کے مندر میں جا رہے تھے۔ امیر خسرو نے بھی کھیت سے سرسوں کے پھول توڑے اور ایک ہندی دوہا گاتے ہوئے اپنے پیر کے سامنے پہنچے اور جھومنے لگے۔ یہ دیکھ کر اُن کے پیر کو

ہنسی آگئی۔ انھوں نے کہہ دیا کہ آج سے مسلمانوں میں بھی بسنت ہوا کرے۔ اُس وقت سے مسلمان بھی بسنت سے دلچسپی لینے لگے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اپنی کتاب "فسانۂ آزاد" میں لکھنؤ کے بسنت کا حال بھی لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اودھ کے نوابی زمانے میں ہندو مسلمان دونوں بڑی دھوم سے بسنت مناتے تھے۔ شاہ مینا کی درگاہ میں بھی بسنت کا جماؤ ہوتا تھا۔ ہر چیز کو زرد رنگ دیا جاتا تھا۔ کئی دن تک بسنت پنچمی کی دھوم دھام رہتی تھی۔

دیکھو بسنت کی بہار دلوں میں خوشی کی اُمنگ ہے۔ لڑکیاں بسنتی ساڑی اوڑھے سرسوں کے پھولوں کا تحفہ پیش کر رہی ہیں۔ چھوٹے بڑے سب بسنتی لباس پہنے ہیں۔ گھروں میں چہل پہل ہے۔ لوگ بسنت کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ ہندو مندروں میں سرسوں کے پھول چڑھائیں گے۔ دوست ایک دوسرے کو زرد رنگ کے پھولوں کا تحفہ دے رہے ہیں۔ دعوتیں ہو رہی ہیں لوگ مل مل کے گا رہے ہیں۔

"آئی بسنت کی بہار"



اچھا حمید

الطاف فاطمہ ۔ علی گڑھ

حمید بہت بھولا بچہ تھا۔ تین سال کی عمر میں بے چارے کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور ایسی ٹوٹی کہ ہمیشہ کے لئے لنگڑا ہو گیا۔ وہ پانچ سال کا ہوا تو ابا نے اُسے مدرسے میں داخل کر دیا۔ وہ اپنے لنگڑے پن سے ذرا نہ شرماتا تھا۔ لیکن مدرسے کے بچے اس کا مذاق اُڑاتے، طرح طرح سے چھیڑتے اور نقلیں کرتے۔ اس سے وہ بہت اُداس رہتا۔ اسکول سے آتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوتے۔

ایک دن شام کو وہ بہت اُداس اُداس تھا ماں نے پوچھا "بیٹا جب تم اسکول سے آتے ہو تو بہت اُداس ہوتے ہو۔ آخر کیا بات ہے۔ ماں کے اتنا پوچھنے پر وہ رو دیا اور کہنے لگا "امی اسکول میں سب میرا مذاق اُڑاتے ہیں اور مشتاق تو سب کا سردار ہے۔" امی کو یہ سُن کر رنج تو بہت ہوا پر حمید کو سمجھا کر کہا۔ "بیٹے! تم اُن کی باتوں کا خیال نہ کیا کرو۔ بلکہ جہاں تک بنے اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

ایک دن استاد نے لڑکوں سے کہا "پرسوں انسپکٹر صاحب اسکول دیکھنے آئیں گے۔ سب بچے ایک ایک نقشہ بنا لائیں جس کا نقشہ سب سے اچھا ہوگا اسے انعام

ملے گا۔"

تیسرے دن حمید صبح تڑکے اُٹھا جلدی جلدی ناشتہ کیا اور مدرسے روانہ ہو گیا۔ اسکول کے پاس پہنچتے پہنچتے کچھ لڑکے دکھائی دئے۔ وہ ڈر گیا کہ یہ مجھے دیکھیں گے تو پریشان کریں گے اس لئے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ مدرسے کی گھنٹی میں ابھی دیر تھی اس لئے لڑکے تھوڑی دور پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ایک بولا "مشتاق ذرا اپنا نقشہ تو دکھاؤ۔" مشتاق نے نقشہ دکھایا تو سب کہنے لگے۔ "بھئی نقشہ بہت اچھا ہے انعام تم ہی کو ملے گا۔" الیاس نے کہا "حمید نے بھی بہت اچھا نقشہ بنایا ہوگا شاید اُسے بھی انعام مل جائے۔" یہ سن کر مشتاق نے نقشہ تو وہیں چھوڑا اور لنگڑا لنگڑا کر چلتا ہوا بھاگ گیا۔ دوسرے لڑکے بھی ہنستے ہوئے اس کے پیچھے چل دئے۔ اب حمید درخت کی آڑ سے نکلا اور آنسو پوچھے۔ مشتاق اپنی شرارت کی ترنگ میں نقشہ وہیں چھوڑ گیا تھا۔ حمید نے اُٹھا کر دیکھا تو نقشہ سچ مچ بہت اچھا تھا۔ اس نے سوچا اگر میں اس نقشے کو پھاڑ ڈالوں تو دونوں انعام مجھے مل جائیں گے۔ مگر فوراً ماں کی نصیحت یاد آ گئی۔ اس نے نقشہ اُٹھایا اور اسکول چلا۔ مشتاق درجے کے سامنے بیٹھا شیخی کی باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں حمید نے کہا "مشتاق تمھارا نقشہ سچ مچ بہت اچھا ہے۔ انعام تم ہی کو ملے گا۔" مشتاق بولا "مگر لنگڑے میاں تھیں کیا معلوم میرا نقشہ بہت اچھا ہے؟" الیاس نے حمید کی طرف ہمدردی کی نظر سے دیکھا اور بولا۔ "مشتاق ہر وقت بدتمیزی اور شرارت اچھی نہیں لگتی۔" اور حمید نے اُداس اور غمگین لہجے میں کہا "یہ نقشہ مجھے میدان میں پڑا ملا تھا۔ میں نے سوچا اگر تمھیں یہ نہ ملا تو انعام

سے محروم ہو جاؤ گے۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگا. مگر مشتاق نے اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا بھائی حمید یہاں آؤ میں نے تمہارے ساتھ سبھی لڑکوں سے زیادہ بدتمیزی کی ہے میں بہت شرمندہ ہوں۔ خدا کے لئے معاف کر دو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ایسے اچھے ساتھی ہو۔

حمید کو اس دن تین انعام ملے۔

چیونٹی

وفا صاحب فرخ آبادی

ننھی منی سب سے نرالی
چیونٹی محنت کرنے والی
شکر کا ایک دانہ پاکر
ساتھیوں کو مہمان بنا کر
سب کو کھلا کر پیٹ بھرے گی
پریم سے جگ میں نام کرے گی

یہ ننھی سی جان تو دیکھو
اس پر اس کی شان تو دیکھو
محنت سے گھبرانا کیسا
کام سے جان چرانا کیسا
پھوٹ پہ کان نہ دھرنے والی
ایکے کا دم بھرنے والی
محنت ہر دم کام ہے اس کا
اس سے جگ میں نام ہے اس کا

بچّو تم بھی محنت کرنا
محنت کرنا، محنت کرنا
محنت کر کے پھل پاؤ گے
"محنتی بچّے" کہلاؤ گے

جاپانی ریشم

سید طاہر صاحب

ارسطو نے ریشم کے کیڑے کے متعلق لکھا تھا "یہ وہ کیڑا ہے جس کو دوسرے کیڑوں سے ممتاز کرنے کے لئے قدرت نے سینگ عطا کئے ہیں" اسی تعریف کو پڑھ کر یورپ کے باشندے اس کی زیارت کے لئے بے چین تھے مگر وہاں یہ عنقا تھا۔ ارسطو کے پندرہ سو برس بعد "مارکو پولو" ایک یورپین سیاح نے چین کے متعلق ایک کتاب لکھی جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو کی پیدائش کے دو ہزار سال پہلے سے چین میں ریشم کا رواج تھا۔ قبلا خاں کے زمانے میں شہر پیکنگ کا نظارا یہ جلیل القدر سیاح ذیل کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"تمام دنیا سے زیادہ وہاں تجارتی کاروبار ہوتا ہے۔ کیونکہ تقریباً ایک ہزار گاڑیاں اور گھوڑے خام ریشم سے لدے ہوئے روزانہ اس شہر میں داخل ہوتے ہیں اور اس سے زری کے تار اور ریشمی کپڑے بڑے اہتمام سے تیار کئے جاتے ہیں۔"

ہزاروں سال تک ریشم کے راز کو چینی اپنے سینوں میں چھپائے رہے تاکہ دوسرے ملک اس سے واقف نہ ہو جائیں۔ لیکن وہ کاروانی راستوں کے ذریعے یورپ اور ایشیا میں ریشم کے کپڑے برابر بنا بنا کر بھیجتے رہے۔ حضرت مسیح کی پیدائش کے زمانے میں روما میں چین کے ریشمی کپڑے اُمرا کے لئے فیشن میں داخل تھے یورپ کے بازاروں میں اس ریشم کو سونے سے تولا جاتا تھا اور اس کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی میں دو نسطوری راہب چین گئے اور وہاں انھوں نے سلک بنانے کے تمام راز خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ چونکہ ریشم کے کیڑوں کو چین سے باہر لے جانا حکومت کی نگاہ میں بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا اس لئے ان چالاک راہبوں نے بانس کے پول میں بہت سے کیڑے اور اُن کے انڈے رکھ لئے اور اس طرح چین سے صاف نکل گئے۔ یہ لوگ قسطنطنیہ پہنچے اور اسی زمانے سے وہاں ریشم کی صنعت کی داغ بیل پڑی۔ آج کل یورپ میں فرانس اس صنعت کا مرکز ہے۔ اطالیہ اور المانیہ (جرمنی) کا نمبر اس کے

بعد ہے۔ جنگ عظیم کے بعد سے یورپ میں ریشم کی صنعت کو زوال آگیا ہے یہاں تک کہ دنیا کے ریشم کا ۳/۴ حصہ چین اور جاپان میں تیار ہونے لگا ہے۔

جاپان میں ریشم کی صنعت زمانہ ماقبل تاریخ میں چین سے سیکھی گئی۔ شاہنشاہ "یوریاکو" (۴۵۷ سے ۴۷۹) کے زمانے سے اسے بہت فروغ ہوا کیونکہ اس نے اپنی ملکہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ ریشم کے کیڑوں کو پالنے کی مثال قائم کرے تاکہ رعیت میں اس کا رواج زیادہ ہو۔ اس نے کوریا سے بہت سی ہوشیار کاریگر بلائے۔ جنھوں نے جاپان کو اپنا وطن بنا لیا اور اسی ملک کے باشندوں کو اپنا ہنر سکھایا۔

اس فن کو یہاں تک ترقی ہوئی کہ سنہ ۶۰۴ء میں شہزادہ "شوٹوکو" نے اپنی رعیت کے متعلق کہا کہ "اگر وہ شہتوت کے درختوں کی طرف توجہ نہیں کریں گے تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز پہنیں گے"۔ شاہنشاہ "میجی" کے زمانے سے ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت پر بہت اہم تحقیقاتیں کی گئیں۔ اور آج کل اس پر حکومت اور رعیت کی پوری توجہ ہے۔

ریشم دراصل ایک لیس دار رطوبت ہے۔ جو کیڑے کے معدے کے نیچے کے غدودوں سے نکلتی ہے۔ نیا نکلا ہوا کیڑا بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ تقریباً چالیس ہزار کیڑوں کا وزن ۱/۲ اونس کے برابر ہوتا ہے۔ جب وہ ایک مہینے شہتوت کے پتے کھا چکتے ہیں تو اُن کا وزن چھ سو پونڈ (۳۰۰ سیر) ہو جاتا ہے۔ اتنا وزن بڑھانے کے لئے اُن پر ڈیڑھ ٹن پتے صرف ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ کیڑے کشتیوں پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنھیں ایک خاص درجۂ حرارت پر رکھا جاتا ہے۔ اُن کے گرد و نواح کی چیزیں بے انتہا صاف رکھی جاتی ہیں تاکہ زہریلے جراثیم پرورش نہ پائیں اور اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ اُن کے جسموں کے پھیلنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو غرضکہ اُن کی پرورش اور پرداخت مخصوص طریقے سے اس زمانے میں بے انتہا محنت اور عرق ریزی سے کی جاتی ہے۔ جاپانی لڑکیاں رات رات بھر اُن کی کشتیوں کے قریب بیٹھ کر یوں ہی کاٹ دیتی ہیں۔

موسم بہار کی دل فریب صبح کو جاپان کی جوان اور نوعمر کنواری لڑکیاں بانس کی ٹوکریوں کو اپنے کولھوں پر رکھے ہوئے شہتوت کے درختوں کے نیچے کھڑی ہوئی اپنے دل نواز نغموں سے جنگل کی روح کو تڑپاتی جاتی ہیں اور پتیاں چنتی جاتی ہیں۔

جب یہ کیڑے خوب بڑھ جاتے ہیں تو وہ اس طرح حرکتیں کرتے ہیں جیسے انھیں کسی چیز کی تلاش ہو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ وہ اب کوئے بنانے والے ہیں۔ چنانچہ اُن کو کوئے کے کمرے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک کوئے میں تقریباً تین ہزار فٹ لمبا تار ہوتا ہے جس کے متعلق ایک جاپانی ادیب نے تحریر

کیا تھا کہ" اگر چار پانچ کیڑوں کے کوئے ایک دوسرے سے جوڑ دئے جائیں تو اُن کی لمبائی اتنی ہی ہو جائے گی جتنی کہ ہمارے مقدس پہاڑ فیوجی یاما کی بلندی"
کوئے تین قسموں کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے کوئے فوراً معائنہ کے دفتر بھیج دئے جاتے ہیں جہاں اُن کو خورد بینوں کے نیچے رکھ کر دیکھا جاتا ہے پھر اُن کو خشک کرکے گودام میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اب کاشتکاروں اور عورتوں کو اُن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اسی زمانے میں اپنی دن رات کی محنت اور مشقت کا صلہ لینے کے لئے ہر گاؤں میں "کوئے کے میلے" منعقد کئے جاتے ہیں جن میں بڑی تفریحیں رہتی ہیں۔
منظور شدہ کوئے ریل بنانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دئے جاتے ہیں۔ وہ لوگ اُن کو اُبالتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے سب تار الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بڑی شدید محنت سے ان کے سروں کا پتہ لگایا جاتا ہے اور تار کو ریل پر چڑھانے کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ایکڑ شہتوت کے درختوں سے ۶۲۰ پونڈ کوئے حاصل کئے جاتے ہیں اور اس میں سے صرف ۴۰ پونڈ کچا ریشم کاتا جاتا ہے۔ اس طرح ایک گٹھے ریشم کے لئے ساڑھے تین ایکڑ شہتوت کے درخت خرچ ہوتے ہیں۔
جاپانی سرکار محکمۂ زراعت اور محکمۂ جنگلات کے علاوہ ریشم کے لئے ایک خاص محکمہ بھی رکھتی ہے جہاں اس صنعت کی ترقی کے لئے ہر امکانی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ماتحت تجربہ گاہیں ہیں جہاں ان کیڑوں کی نسلوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تین کالجوں میں کیڑے پالنے کے مخصوص نصاب ہیں اور بہت سے اسکولوں میں بطور اختیاری مضمون کے رائج ہے۔
امریکہ کو جاپان سے خام ریشم کی برآمد دراصل تجارت کا ایک حیرت انگیز رومان ہے۔ چونکہ جہاز میں لکھو کھا ڈالر کا مال بھرا ہوا ہوتا ہے اس لئے یوکوہاما یا کوبے سے نیویارک تک پہنچنے میں ایک دن کی بچت کے بھی یہ معنی ہوئے کہ بیمہ اور سود کی بیش قرار رقموں کا فائدہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ریشم کی تجارت کے لئے بہت بہت تیز رفتار جہاز بنائے گئے ہیں ہر جہاز میں ایسے گودام بنے ہوئے ہیں جن میں تازہ آب و ہوا کی آمدورفت رہتی ہے اور اس کے علاوہ وہ "آگ پروف" اور "پانی پروف" بھی ہوتے ہیں۔ انھیں میں ریشم کی لادیاں احتیاط اور حفاظت سے رکھ دی جاتی ہیں۔ دروازوں کو احتیاط سے بند کرکے سربمہر کر دیا جاتا ہے اور جہاز "سان فرانسسکو" یا "نیویارک" روانہ ہو جاتا ہے جس وقت جہاز بحر الکاہل کے ساحل پر لنگر انداز ہوتا ہے اسی وقت ایک مخصوص ریل گاڑی آہستہ آہستہ آتی ہے اور ریشم کی گٹھریوں کو بار کرکے براعظم کے سفر کے لئے ہوا کی طرح روانہ ہو جاتی ہے۔ یہی "سلک ایکسپریس" ہے۔

کتابیں جمع کرنا

سید جمیل احمد صاحب نقوی

مختلف مشغلوں پر تو تم آئے دن مضمون پڑھتے رہتے ہو اور تم میں سے بہت سوں کو ان میں سے کوئی نہ کوئی شوق ضرور ہے اور واقعی یہ شوق فائدہ مند بھی ہیں۔ اپنے روزانہ کے ضروری کاموں سے فراغت پا کر آدمی کا دل چاہتا ہے کہ کوئی دلچسپ کام کرے جس سے دل و دماغ کو تفریح ہو۔ پرانے زمانے میں تو طرح طرح کی بازیوں سے دل بہلایا جاتا تھا لیکن اب وہ بے فکری کا زمانہ تو گیا ان کی جگہ ان "جمع کرنے کے شوقوں" نے لے لی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کا ایک نہ ایک شوق ضرور ہے۔ کچھ لوگوں کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہوتا ہے اور میرے خیال میں یہ کتابیں پڑھنے کا شوق بہت ہی اچھا ہے اور ہم تو سب کے لئے یہی دعا کرتے ہیں کہ ع

"اللہ شوق دے تو کتابیں پڑھا کرو"

اب سوال یہ ہے کہ کتابیں پڑھنے کو کہاں سے ملیں۔ سب بچوں کے یہاں تو کتابیں ہوتی نہیں۔ اور اگر ہوتی بھی ہیں تو اکثر اُن کے پڑھنے کی نہیں ہوتیں

تم نے غور کیا ہوگا کہ بچے کو ذرا پڑھنا آجائے تو وہ ہر کتاب کو جو اس کے ہاتھ لگ جائے بڑی دلچسپی سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر لفظ سمجھ میں نہیں آئے تو ہجے کر کے اُن کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ قصے کہانیوں کی کتابیں تو تم جانتے ہو بچوں کو کس قدر پسند ہوتی ہیں۔ جن بچوں کو کتابیں پڑھنے کا شوق ہوتا ہے اگر انھیں کوئی نئی کتاب مل جائے تو جب تک اسے ختم نہیں کر لیتے انھیں کھانا کھانے اور پانی پینے کی بھی پروا نہیں ہوتی اور یہ بات بچوں ہی پر منحصر نہیں بڑے لوگوں کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو بڑوں کو تو کتابیں آسانی سے پڑھنے کو مل جاتی ہیں۔ وہ کہیں نہ کہیں سے لے آتے ہیں۔ کسی لائبریری سے لے آئیں گے۔ کسی دوست سے مانگ لائیں گے اور نہیں تو اگر انھیں کوئی کتاب بہت پسند ہے تو خرید لیں گے مگر مشکل تو بچوں کو ہوتی ہے۔ نہ وہ لائبریری سے آسانی سے لا سکتے ہیں نہ ان بے چاروں کے دوستوں کے پاس ایسی کتابیں ہیں نہ وہ فوراً خرید سکتے ہیں۔

پہلے زمانے میں تو ہر آدمی کو کتاب ملتی بھی نہ تھی آج کل کی طرح چھاپہ خانہ اور کتابوں کی دوکانیں تو تھیں نہیں کہ جلدی سے کتاب چھپی اور دوکان پر آگئی جس نے چاہا خرید لی۔ اس زمانے میں تو ہر کتاب ہاتھ سے لکھی جاتی تھی۔ اگر کسی کو کسی کتاب کی ضرورت ہو تو یا تو وہ خود نقل کرتا۔ بالکل ایسے ہی جیسے تم اپنی کتاب میں سے کاپی پر نقل کرتے ہو یا پھر اگر امیر آدمی ہے تو دام دے کر کسی سے نقل کرا لیتا۔ اس لئے بہت کم لوگوں کے پاس کتابیں ہوتی تھیں۔ آج کل کی طرح بچوں کو کتابوں میں سبق نہ دیا جاتا تھا بلکہ استاد زبانی پڑھاتا تھا اور اُسے ہی یاد کرا دیتا تھا یا پھر جو سبق زبانی پڑھایا اُسے ہی کاپی پر لکھا دیا۔ لیجئے لکھنے کا سبق بھی ہو گیا اور پڑھنے کا بھی ہو گیا۔

اب سے پانچ سو برس پہلے جب چھاپے کا رواج شروع ہوا تو کتابیں زیادہ تعداد میں لوگوں کے پاس جمع ہونے لگیں۔ غریب آدمی بھی کچھ دام دے کر کتاب مول لے لیتا تھا اور چونکہ نئی نئی بات تھی اس لئے ہر آدمی کوشش کرتا تھا کہ جو کتاب چھپے میں ضرور خرید لوں۔ رفتہ رفتہ چھپائی کا ایسا زور ہوا کہ سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں چھپنے لگیں تب کہیں جاکر اتنا ہوا کہ لوگوں کو جو کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا وہ ذرا کم ہو گیا مگر چونکہ کتابیں سستی ملنے لگیں تو شوق کم ہونے پر بھی لوگ کافی تعداد میں کتابیں خرید کر جمع کر لیتے تھے۔

آہستہ آہستہ بچوں کے لئے بھی چھوٹی چھوٹی خوب صورت کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع ہوا اور بچوں کو تو تم جانتے ہی ہو کہ ہر نئی چیز پر لوٹ کر گرتے ہیں۔ ولایت کے بچے تو خاص طور سے کتابوں کے شوقین ہیں۔ بچہ اپنے جیب خرچ میں سے کچھ نہ کچھ کتابیں خریدنے میں خرچ کرتا ہے اور اب تو یہ حالت ہے کہ ولایت والے ایسی ایسی اچھی کتابیں بچوں کے لئے چھاپتے ہیں کہ واہ واہ اور تماشا یہ ہے کہ سب ہی تو بک جاتی ہیں۔

ہندوستان میں نہ تو ابھی بچوں ہی کو کتابوں کے جمع کرنے کا کچھ شوق ہوا ہے اور بات کہنے سے پرانی ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہندوستان میں بچوں کے لئے کتابیں چھپتی ہی کہاں ہیں اور جو کچھ دن سے چھپنے لگی ہیں ان کی بچوں کو خبر نہیں ہوتی۔ لیکن اب کوشش کی جا رہی ہے کہ جو کتاب بچوں کے لئے چھپے اس کی زیادہ سے زیادہ بچوں کو خبر ہو جائے اور پیام برادری کے لئے تو یہ بات بہت ہی آسان ہے۔ "پیام تعلیم" میں ہر نئی کتاب کا اشتہار دے دیا جاتا ہے۔ ہاں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بچوں کو کتابیں کس طرح جمع کرنا چاہئیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ اپنے جیب خرچ میں سے ایک پیسہ روز کتاب کے لئے الگ رکھ دیں اور ایک

پیسہ روز الگ جمع کرنا کوئی دشوار کام بھی نہیں ہے تو اس طرح ایک مہینے میں ۳۰ پیسے جمع ہو جائیں گے یعنی ساڑھے سات آنے۔ اور ساڑھے سات آنے کی کم از کم تین کتابیں تو ضرور ہی مل جائیں گی۔ ہر مہینے تین کتابیں جمع ہوتی رہیں گی تو سال بھر میں ۳۶ کتابیں ہو سکتی ہیں۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک پیسہ روز بچانے سے سال بھر میں اتنی کتابیں جمع ہو گئیں کہ تمھاری الماری کا ایک خانہ بھر سکتا ہے۔ اول تو ہر عادت جو آدمی میں پیدا ہو جائے ساری عمر قائم رہتی ہے اور پھر ایسی اچھی عادت جس سے ہر طرح کا فائدہ ہو، دل بھی خوش ہو۔ اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کو ملیں، معلومات بڑھے اور پھر کتابیں مفت ہاتھ آئیں۔ جوں جوں تم بڑے ہوتے جاؤ گے اتنا ہی یہ شوق بڑھتا جائے گا۔ آج قصے کہانیوں کی کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے تو کل اونچے درجے کی علمی کتابیں تم آسانی سے جمع کر سکو گے۔ اگر تم اپنا شوق جاری رکھو گے تو ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمھارے پاس اپنا خود کا ایک بڑا کتب خانہ جمع ہو جائے گا اور آج جو کتابیں تم اپنے لڑکپن اور بھولپن کی وجہ سے اچھی جمع کرو گے بڑے ہو کر وہ کتابیں تمھیں اور بھی پیاری ہوں گی۔ میں نے اکثر بڑے آدمیوں کے کتب خانے دیکھے اور مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُن کی الماریوں میں ا، ب، ت کی کتابیں یعنی قاعدہ بغدادی تک موجود ہے اور وہ ان کو اپنی ساری قیمتی کتابوں سے پیارا ہے۔

ایک ترکیب ہم تمھیں اور بتاتے ہیں۔ اگر تمھارے دوست ہوں اور ضرور ہوں گے۔ تم انھیں بھی اس کا مشورہ دو کہ پیسہ پیسہ روز جوڑ کر کتابیں جمع کریں۔ اگر وہ بھی ایسا ہی کریں گے تو فرض کیجیے کہ تم دو دوست مل کر جمع کرو گے تو ایک مہینے میں چھ نئی کتابیں جمع ہو جائیں گی۔ تین تمھاری تین تمھارے دوست کی اور سال بھر میں ۷۲۔ سال بھر کے بعد ان میں سے جو تم پسند کرو آدھی تم لے لو، آدھی جو اسے پسند ہوں اُسے دے دو اس طرح دوگنی کتابیں پڑھنے کو مل سکتی ہیں۔

بہر حال اگر تم اسے پسند کرو تو ایک خط ایڈیٹر صاحب "پیام تعلیم" کے نام لکھو، وہ تمھیں اچھی اچھی کتابوں کے نام لکھ کر بھیجیں اور جو تمھیں پسند ہوں ان کے ذریعے سے منگا سکتے ہو۔ اگر پیامیوں نے اس سلسلے کو پسند کیا تو ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ان کی کس طرح حفاظت کی جائے۔

تین رومی بہادر

سالک لکھنوی

تم اس قصے کو ضرور پسند کرو گے۔ کیونکہ یہ ان تین بہادر آدمیوں کا قصہ ہے جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر روم کو اس کے دشمن "اٹرسکنوں" کے چنگل سے بچا لیا۔

ہوراشیس، لارٹیوس اور ہرمینیوس یہ تینوں اس زمانے میں تھے جب کہ روم کی عمر بہت کم تھی اور رومی ایک چھوٹی سی قوم سمجھے جاتے تھے لیکن بہت برسوں کے بعد وہ دنیا کی سب سے بڑی قوم بن گئے اور اپنی بہادری پر ناز کرنے لگے۔

ان دنوں اطالیہ میں چھوٹے بڑے بہت سے بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ آپس میں لڑا کرتے اٹروریہ کے رہنے والے جنھیں رومی اپنی زبان میں اٹرسکن کہتے تھے، ان سبھوں سے زیادہ طاقت ور تھے اور وہ یہی چاہتے کہ کسی طرح روم پر قبضہ کر لیں۔ لیکن ان کی یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوئی۔ پہلے پہل انھوں نے روم کے بہت سے شہر اور گاؤں چھین لئے مگر بعد کو روم کے بہادروں نے انھیں اپنے ملک سے نکال دیا اور پھر وہ کبھی اپنے قدم نہ جما سکے

یہ قصہ اس وقت کا ہے جب روم میں بادشاہ اور رعایا میں آپس کی لڑائی ہو رہی تھی کیونکہ بادشاہ جس کا نام "طرکوئن" تھا، اپنی رعایا پر طرح طرح سے ظلم کرتا اور کسی طرح چین نہ لینے دیتا تھا۔ رعایا بھی بگڑ بیٹھی۔ اور اپنے سرداروں کو لے بادشاہ سے لڑنے پر آمادہ ہو گئی اور قسم کھائی کہ پھر کبھی کسی کو بادشاہ نہیں بنائیں گے اور نہ کسی کو بننے دیں گے۔

طرکوئن نے جو دیکھا کہ اس کی جان خطرے میں ہے تو وہ وہاں سے بھاگا اور اٹروریہ میں آ کر دم لیا۔ اٹروریہ والے تو پہلے ہی سے روم کے دشمن تھے اور لڑنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے، اس موقع کو غنیمت جان کر طرکوئن کی مدد کا وعدہ کر لیا۔

اِدھر رومیوں کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم کس دن ظالم طارکوئن دوسروں کی مدد لے کر ہم پر پلٹ پڑے اور بے خبری میں ہمیں تباہ و برباد کر ڈالے۔ اس لئے سب سے پہلے انھوں نے یہ کیا کہ "بروٹس" کی سرداری میں ایک نئی طرح کی حکومت بنائی اور اس کا نام جمہوری حکومت رکھا۔ قوم کے دو سردار اس نئی حکومت کے صلاح کار بنے اور ان کا نام "کنسل" رکھا گیا۔ گویا یہ بادشاہ کی جگہ پر آئے مگر چونکہ یہ دونوں رومیوں کے بنائے ہوئے تھے اس لئے وہ ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی خراب کام کر بیٹھیں اور رومی ان سے اُن کا سارا مرتبہ چھین لیں۔ اس لئے وہ اپنی قوم کو ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔

شروع شروع ہر طرح کا امن چین رہا۔ رعایا ہنسی خوشی زندگی بسر کرتی، نہ کسی کا ڈر تھا، نہ کسی کا خوف۔ پرانے بادشاہ نے ایک مرتبہ سازش کر کے اس عمدہ جمہوری حکومت کو توڑنا چاہا مگر عین وقت پر یہ چال کھل گئی اور جتنے سازش کرنے والے تھے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور روم میں پھر وہی امن چین قائم ہو گیا۔

لیکن اچانک ایک دن سارے شہر میں غل مچ گیا کہ ـــ "اتروریہ والے آگئے، اتروریہ والے آگئے۔ ہتھیار سنبھالو!" ـــ ہر طرف ہل چل مچی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سپاہی تلوار و تیر لے کر دوڑے اور دریائے طبر کے کنارے جا پہنچے۔ اس دریا پر ایک لکڑی کا پل بنا ہوا تھا اور اسی پر چڑھ کر دشمن روم کی زمین پر پہنچ سکتے تھے۔ سپاہی دوڑے کہ پل توڑ ڈالیں تاکہ دشمن پار نہ اُتر سکے۔ سپاہیوں کے پیچھے عورتیں، مرد، بڈھے اور بچے، غلام اور آزاد سب دوڑ رہے تھے تاکہ اپنے بہادر سپاہیوں کو پل توڑتے ہوئے دیکھیں!

لیکن افسوس! مغرور طارکوئن اپنے دوست پورسینہ اور ہزاروں سپاہیوں کے ہمراہ پل تک پہنچ چکا تھا اور پار ہونے کو تیار تھا۔

"اس سے پہلے کہ ہم پل توڑ سکیں، وہ ہم پر آجائیں گے!" رومی سپاہیوں نے ناامید ہو کر کہا۔

"روم کی بربادی قریب آگئی ہے، خداؤں نے ہمیں بھلا دیا ہے!" عورتوں نے چلانا شروع کیا اور اپنے بچوں کو چھاتی سے لگا لیا۔

اس شور وغل میں یکایک ایک صاف، بلند اور گرجتی ہوئی آواز گونجی:۔

"روم بچایا جائے گا۔ پل ٹوٹ کر رہے گا، میں قسم کھاتا ہوں اپنے خداؤں کی، اپنے وطن کی اور اپنی عزت کی!" یہ ہوراشیس کی آواز تھی۔

"اے رومیو! کون ہے جو اپنی قوم کی عزت بچانا چاہتا ہے؟ میرے ساتھ آئے اور پل کے ایک طرف ان بزدل دشمنوں کو روکے۔ جب تک ہمارے سپاہی

پل کو کاٹ ڈالیں" ہوراشیس نے کہا۔

"میں تمھارے ساتھ ہوں" لارٹیوس کی آواز سنائی دی۔

"اور میں بھی!" ہرمینیوس نے کہا اور تینوں ایک عجیب بہادرانہ شان سے سر اٹھائے ہوئے پل کے قریب پہنچے' اس پر چڑھے اور وہاں تک جا پہنچے جہاں ان کے دشمن پرا جمائے کھڑے تھے۔

"طرکوئن اور پورسینہ! خبردار جو ایک قدم آگے بڑھایا ورنہ یاد رکھو ہماری لاشوں پر سے تمھیں گذرنا پڑے گا۔ ہماری زندگی میں تم پل پار نہیں کرسکتے" ہوراشیس نے چلا کر دشمن سے کہا

لیکن کسی اترسکن کی اتنی ہمت نہ ہوئی جو جواب تک دیتا۔ بتوں کی طرح سب چپ اور گم صم کھڑے رہے

ہوراشیس ہنسنے لگا اور بولا "ارے تم تین ہی رومیوں سے ڈر گئے"

پورسینہ طرکوئن کا دوست مارے غصے کے کانپنے لگا اور جھلا کر اس نے حکم دیا "آگے بڑھو!" تین تین اور چار چار کی قطار میں دشمن کے سپاہی آگے بڑھے دکیونکہ پل بہت تنگ تھا) لیکن سوائے قتل ہونے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک تو پل بہت تنگ دوسرے تینوں رومی بہادر اپنے جوش میں ہزاروں پر بھاری [illegible] زندہ نہ جاتا۔ اور ان کے پیچھے دوسرے [illegible] پل توڑنے میں مصروف تھے دھنیاں ایک ایک گر کر پانی میں گر رہی تھیں اور پل آہستہ آہستہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ کنارے پر رومی عورتیں اور مرد اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ تینوں بہادروں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ پل ٹوٹا جا رہا ہے اور جب پل کی بربادی بالکل قریب پہنچ گئی تو رومی چلا دئے۔

"کود پڑو! کود پڑو! پل ٹوٹ رہا ہے! ہوراشیس، لارٹیوس، ہرمینیوس جلدی کود و!"

— لارٹیوس اور ہرمینیوس فوراً کود پڑے۔ لوگوں نے پھر غل مچایا "تم بھی کود پڑو۔ ہوراشیس ابھی وقت ہے!"۔

"ابھی نہیں۔ جب تک کہ پل کی آخری دھنی بھی نہ ٹوٹ جائے" ہوراشیس نے جواب دیا اور اس عرصے میں دشمنوں کے چند اور سپاہی اس کی تلوار کا شکار ہو گئے۔

ہتوڑے اور تیر تیزی سے چل رہے تھے' دھنیاں ایک ایک کر کے ٹوٹ رہی تھیں۔ قریب قریب پورا پل ٹوٹ چکا تھا۔ صرف ایک دھنی باقی رہ گئی تھی اور آخر کار وہ بھی گر پڑی۔ ہوراشیس نے ایک جست کی اور پانی میں کود پڑا اور پیرتا ہوا کنارے جا پہنچا۔ ادھر دشمن نے ٹوٹے ہوئے پل پر چڑھنے کی کوشش کی مگر پل ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا اور دشمن پار نہ اتر سکے۔ روم بچ گیا۔

اب تم خود خیال کرسکتے ہو کہ رومیوں نے ان تینوں بہادروں کی کیا کچھ عزت نہ کی ہوگی؟ چھوٹے چھوٹے بچوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا اور مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو اُن کے قدموں پر ڈالے دیتی تھیں۔ کیوں کہ انھیں نے اُن کی جانیں بچائی تھیں۔ ہر شخص انھیں دلی محبت سے دیکھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ان تینوں پر سب کچھ نچھاور کردے۔ مگر وہ تینوں چپ کھڑے اپنی عزت سے زیادہ ان بھولے بھولے بچوں کو دیکھ رہے تھے جن کی جانیں ان کی کوشش سے بچ گئی تھیں اور یہی اُن کا انعام تھا!۔

خبر کیسے پھیلی؟

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

اورنگ زیب عالم گیر کا ارادہ دکن پر چڑھائی کرنے کا تھا لیکن اس سے پہلے کہ یہ بات بادشاہ کی زبان پر آئی ہو سارے شہر میں خبر گرم ہوئی کہ دکن پر حملہ ہونے والا ہے۔ اورنگ زیب کو سخت تعجب کہ یہ بات پھیلی تو کیوں کر پھیلی۔ شبہہ بھی کسی پر نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے کہ یہ ذکر کسی سے آیا ہی نہ تھا۔ ٹوہ لگاتے لگاتے پتہ چلا کہ پہلے پہل یہ بات قلعے کے ایک ملازم کی زبان سے سُنی گئی تھی۔ اس کی طلبی ہوئی۔ ملازم نے اقرار کیا کہ بے شک یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے۔ پوچھا کہ تو سمجھا کیوں کر تو اس نے جواب دیا کہ صبح کی نماز کے واسطے میں حضور کو وضو کرا رہا تھا کہ سرکار نے ایک خاص انداز سے دکن کی طرف دیکھا اور پھر موچھوں پر ہاتھ پھیرا میں ارادہ سمجھ گیا۔

نئے نئے کھیل

محمد اکرم خاں میرٹھی

امیرا گھوڑا

لڑکے اپنے میں سے کسی ایک کو گھوڑا اور دوسرے کو سائیس بنائیں۔ باقی لڑکے سوار یا ڈاکو بنیں۔ اب کسی جگہ گھوڑا بننے والے لڑکے کو جھکا کر



کھڑا کر دیا جائے۔ سائیس بھی اس کے پاس ہی اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ سائیس ایک مرتبہ گھوڑے پر سواری کر کے دیکھ لے۔ سوار یعنی باقی لڑکے گھوڑے کے چاروں طرف کھڑے رہیں اور گھوڑے پر سوار ہونے اور سائیس سے بچنے کی کوشش کریں۔ جو لڑکا سواری کرتے وقت سائیس سے چھو جائے گا وہ گھوڑا بن جائے گا۔ سائیس سواروں میں شامل ہو جائے گا اور جو لڑکا اب تک گھوڑا بنا ہوا تھا وہ سائیس بن جائے گا۔

۲۔ مداری کی بندریا

لڑکوں میں سے ایک بندریا بنے، ایک مداری باقی لڑکے تماشائیوں کی طرح ان دونوں کے چاروں طرف کھڑے ہو جائیں۔ اب بندریا بیچ میں بٹھائی جائے۔ مداری کو رسی یا مضبوط سا کپڑا دیا جائے

ایک سرا بندر یا پکڑے دوسرا مداری۔ رسی کی لمبائی میدان اور لڑکوں کے فاصلے کے مطابق ہونا



چاہیے۔ تماشائی مداری سے بچ بچ کر بندریا کو مارنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح مداری بندریا کو بچائے اور تماشائی کو چھونے کی کوشش کرے مداری جس تماشائی کو چھو دے گا وہ بندریا بن جائے گا۔ بندریا مداری کی جگہ لے لے گی اور مداری تماشائیوں میں شامل ہو جائے گا۔ بندریا کو زیادہ زور سے نہ مارنا چاہیے۔

۴۔ بہادر مینڈک

دائرہ بنا کر ایک لڑکے کو مینڈک بنایا جائے مینڈک دائرے کے درمیان چاروں ہاتھ پاؤں کے بل پھیل کر بیٹھے۔ باقی لڑکے ماہی گیر بنیں۔ ماہی گیر منتشر حالت میں دائرے کے اندر رہیں اور مینڈک کے سر پر مارنے کی کوشش کریں۔ مینڈک ماہی گیر کو ٹانگ سے چھونے کی کوشش کرے جس ماہی گیر کے مینڈک کی ٹانگ لگ جائے گی وہ مینڈک بن جائے گا اور مینڈک ماہی گیر بن کر ساتھیوں میں مل جائے گا۔ جو ماہی گیر دائرے سے باہر نکل جائے گا



وہ بھی مینڈک بن جائے گا۔ مینڈک ہاتھ اٹھا کر ٹانگ نہیں مار سکتا

عزیزی نسیم احمد انصاری نئی دہلی سے لکھتے ہیں کہ وہ ان بچوں کے لئے جو دہلی اور شملہ میں رہتے ہیں پیام برادری کی شاخ قائم کریں گے اس لئے نئی دہلی میں رہنے والے پیامی اُن کو لکھیں۔

پتہ :۔ نسیم احمد دہلوی بلاک نمبر ۲۰ بی۔ پلاٹ نمبر ۱۵۔ کیلنگ روڈ کا آخری سرا۔ متصل ریلوے لائن۔ (نئی دہلی)

2

ہماری برادری

مبارک الدین خاں اکبرآبادی

اتوار کا دن تھا اور دوپہر کا وقت۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر پڑھ رہا تھا۔ سبھی مضمون اچھے اور بہت اچھے تھے۔ مگر مجھے ابوطاہر صاحب کا مضمون چاند کی مہم بہت پسند آیا میں اسے بڑی محویت سے دیکھ رہا تھا کہ ایک دم کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ یہ میاں حمید تھے۔ میرے بے تکلف دوست۔ آتے ہی گرج کر بولے کیا پڑھ رہے ہو جی۔ میں نے ذرا ناگواری سے کہا "اندھے تو ہو نہیں، دیکھ لو کیا پڑھ رہا ہوں"۔ کہنے لگے "اچھا پیام تعلیم ہے!! آپ ہر وقت اسی کی تلاوت فرماتے رہتے ہیں۔ لائیے مجھے دیجئے"۔ یہ کہہ کے پرچہ میرے ہاتھ سے گھسیٹ لیا۔ بہتیرا منت سماجت کی، ڈانٹا ڈپٹا مگر توبہ کرو اس ظالم پر کیا اثر ہوتا۔ بڑے ٹھاٹھ سے آرام کرسی پر بیٹھ، ورق گردانی شروع کر دی۔ اتفاق سے پیام برادری والا صفحہ سامنے کھل گیا۔ پوچھنے لگے "کہئے قبلہ یہ پیام برادری کیا چیز ہے"۔ میں نے کہا "تم احمق ہو تمھیں ان باتوں سے کیا مطلب"۔

"نہیں بتاؤ گے؟ آؤں پھر؟"

"اچھا بتاتا ہوں تم تڑاؤ مت۔ تمھیں معلوم ہے پیام تعلیم جامعہ ملیہ سے نکلتا ہے۔ وہاں ایک آپا جان ہیں انھوں نے ہم سب لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ایک بڑی اچھی انجمن قائم کی ہے "پیام برادری"۔ تاکہ ہم میں ایک دوسرے سے محبت، دوستی، اتفاق پیدا ہو۔ اور ہم اپنا فرصت کا وقت اچھے اور دلچسپ کاموں میں لگائیں"۔

"اچھا! پھر تو یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے اس میں شریک ہونے کو"۔

"ضرور، ضرور، یہ دیکھو اس کے قواعد و ضوابط آپا جان نے بچوں کی سہولت کے لئے چھپوا دیئے ہیں"۔

"بھئی یہ مقاصد اور قواعد و ضوابط تو بہت ہی اچھے ہیں اگر ہم ان باتوں پر عمل کریں تو سچ مچ ہماری زندگی بن جائے"۔

"اس میں کیا شک ہے۔ یہ لو یہ اس کا کوپن ہے"۔

"مبارک صاحب اس میں یہ عہد نامہ خوب ہے میں ابھی اس کا ممبر ہوا جاتا ہوں"
"شاباش بس یہ کام تم عقل مندی کا کر رہے ہو"
"اور یہ شاخوں کی روداد یں کیسی ؟ کیا اس کی شاخیں بھی کھلی ہیں" "جی ہاں ! اس کا صدر دفتر دہلی میں ہے اور شاخیں ہیں۔ آگرہ ، میرٹھ ، دہلی ، علی گڑھ شملہ ، جھانسی ۔ حیدرآباد ، گلبرگہ ، کان پور ، بریلی ، لکھنؤ ، رنگون وغیرہ میں کھل چکی ہیں اور بہت سی جگہوں پر کھل رہی ہیں ۔
"اچھا آگرے میں بھی شاخ ہے"
"اور میں اس کا سکرٹری ہوں"
"خوب تو آپ ہمارے سکرٹری صاحب ہیں۔ اچھا تو سکرٹری صاحب میں چاہتا ہوں کہ اس کی شاخ سکندرے میں بھی قائم کروں۔ کچھ مشورہ دیجئے کہ کس طرح قائم کی جائے"
"بھئی میں نے تو یہ کیا کہ پہلے برادری کے قواعد بہت سے لڑکوں اور کچھ استادوں کو دکھائے۔ سب نے اس تحریک کو بہت پسند کیا۔ پھر ایک دن مقرر کر کے جلسہ کیا اس میں برادری کے مقاصد پر تقریریں کیں۔ اور آگرے میں شاخ کھولنے کی ضرورت ظاہر کی۔ اور لڑکوں کی تقریریں بھی ہوئیں۔ سب راضی ہو گئے تو وہیں صدر ، سکرٹری وغیرہ کا انتخاب ہو گیا۔ اب اس شاخ کے باقاعدہ جلسے ہوتے ہیں اور یہ خوب ترقی کر رہی ہے"
"خوب یہ تو بہت آسان صورت ہے میں بھی یہی کروں گا۔ اچھا رخصت ! آداب"
"ہیں ہیں یہ کیا ۔ پیام تعلیم تو چھوڑے جاؤ بھئی میں نے ابھی اسے پورے طور پر دیکھا بھی نہیں ہے۔ سنو تو"
میں چیختا ہی رہ گیا اور وہ حضرت پیام تعلیم لے یہ جا وہ جا۔

پہیلیوں کے جواب

(۱) قرآن شریف (۲) قرآن اور رحل (۳) کتاب (۴) چکی (۵) چراغ (۶) آئینہ (۷) پاپڑ (۸) گنا (۹) لال مرچ (۱۰) پان (۱۱) پان

گتّے کا کام

سید عروج الحسن صاحب

جنوری کے پرچے میں ہم تمھیں بلاٹنگ پیڈ (جو غلطی سے رائٹنگ پیڈ چھپ گیا تھا)، بنانے کا طریقہ بتا چکے ہیں۔ اس مرتبہ البم بنانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اگر تم نے بلاٹنگ پیڈ بنا لیا ہے تو البم بنانا بہت ہی آسان ہے۔ لو اب ترکیب سن لو اور آج ہی ایک البم تیار کر ڈالو۔

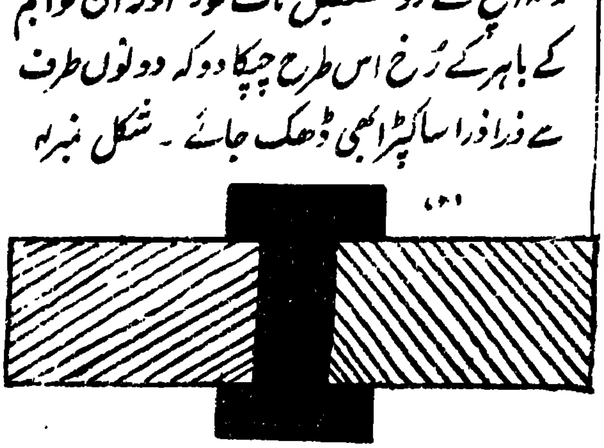
ذرا سا موٹا گتا لے کر ۵ انچ × ۸ انچ کے دو مستطیل بنا لو۔ اب کسی موٹے کپڑے کی ایک

(۱)



۲ انچ × ۸ انچ کی پٹی کاٹ لو۔ بجائے کسی اور کپڑے کے (BINDING CLOTH) استعمال کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ پٹی پر لیئی لگاؤ اور گتے کے ٹکڑوں کو پٹی پر شکل نمبر ۲ کی طرح رکھ کر چپکا دو۔ پٹی کے جو سرے نکلے ہوئے ہیں ان کو اندر کی طرف موڑ کر چپکا دو۔ اپنی پسند کا کوئی رنگین کاغذ لو اور ۸ انچ × ۵ انچ کے دو مستطیل کاٹ لو۔ اور ان کو البم کے باہر کے رُخ اس طرح چپکا دو کہ دونوں طرف سے ذرا ذرا سا کپڑا بھی ڈھک جائے۔ شکل نمبر ۳

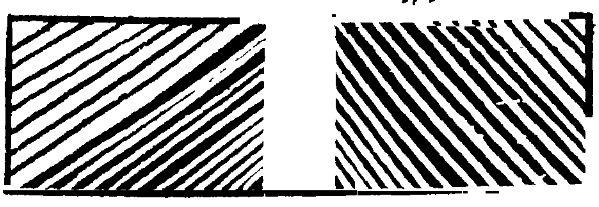
(۲)



(۳)



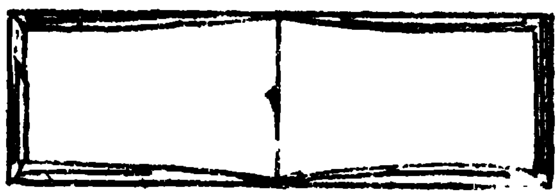
(۴)



اب البم کے اندر کا کاغذ لگانا رہ گیا۔ اس کے لئے

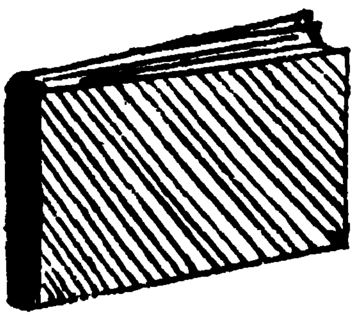
ماؤنٹ پیپر (MOUNT PAPER) یا اور کوئی موٹا کاغذ لے کر اس میں سے آٹھ یا دس ٹکڑے کاٹ لینا چاہیں۔ ان کی لمبائی اور چوڑائی پوری البم کی لمبائی اور چوڑائی سے ذرا ذرا کم ہو۔ ان کاغذوں کو ہی لینے کے بعد البم میں اس طرح لگانا چاہیئے کہ ایک پورا کاغذ البم کے اندر کے رُخ چپکا دیا جائے نمبر ۵

(۵)



اور بس تمہارا البم تیار ہو گیا۔ تیار کرنے کے بعد اس کو چند گھنٹوں کے لئے کسی وزنی چیز کے نیچے دبا دینا ضرور چاہیئے۔ اب اس البم میں تصاویر لگاؤ، ٹکٹ لگاؤ یا اور کوئی چیز۔ طریقہ تو تمھیں معلوم ہی ہو گیا۔ اب چاہے اسے اور بڑی بنا لو۔

(۶)

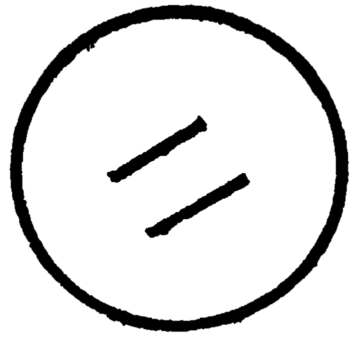


بٹن ٹانکنا

محترمہ درۃ البیضا بیگم

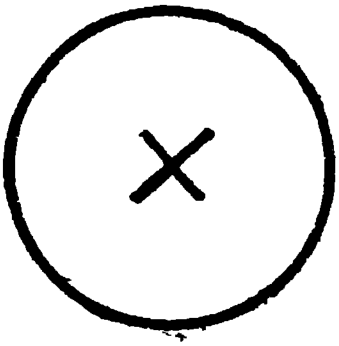
پیام بچیو! تم کہوگی کہ بٹن ٹانکنا بھی کوئی بڑا کام ہے۔ لاؤ ہم جتنے آپ کہیں ٹانک دیں" واقعہ یہ ہے بٹن ٹانکنا بہت آسان کام ہے۔ لیکن بکثرت لوگ اسے بھی اچھی طرح نہیں کرسکتے۔ دیکھو تم بٹن اس طرح ٹانکا کرو۔ اول تو جہاں تک ممکن ہو بٹن کپڑے ہی کے رنگ کا لینا اور پھر دھاگا بھی اس ہی کے رنگ کا ہو۔ اگر بٹن کپڑے کے رنگ کا نہ ہوسکے تو دھاگا تو ضرور بٹن کے رنگ کا ہونا چاہیئے۔ دھاگا سوئی میں لمبا نہ پرونا ورنہ اُلجھ جائے گا۔ سب سے پہلے جس جگہ بٹن لگانا ہے وہاں ٹانکا لگاؤ۔ پھر بٹن کو بائیں ہاتھ میں سیدھا پکڑو اور داہنے ہاتھ سے سوئی نیچے سے اس کے ایک سوراخ میں ڈال کر اوپر نکال لو۔ پھر دوسرے سوراخ میں سے سوئی داخل کرکے کپڑے کے نیچے نکال لو۔ پھر واپس سوئی پہلے سوراخ میں سے اوپر نکالو پھر دوسرے میں سے ... طرح سات آٹھ ٹانکے ڈالو۔ یہ بات ضرور ذہن میں رکھنا کہ دھاگا ڈھیلا رہے اس کے بعد سوئی کو بٹن کے نیچے اور کپڑے سے اوپر نکال لو۔ اور دھاگے کو بٹن کے ٹانکوں کے گرد سات آٹھ مرتبہ لپیٹ دو۔ اس طرح کرنے سے کپڑے اور بٹن کے درمیان کچھ فاصلہ ہوجائے گا اور اس کی وجہ سے بٹن کاج میں آسانی سے چلا جائے گا۔ یہ فاصلہ موٹے کپڑے کے لئے خصوصیت سے ضروری ہے ورنہ بٹن کاج میں سے نکل جایا کرتے ہیں۔ دھاگا لپیٹنے کے بعد سوئی کو کپڑے کے نیچے نکال لو اور کپڑے میں پھر ٹانکا لگاکر دھاگا کاٹ ڈالو۔ تمہارا بٹن لگ گیا۔ یہ تو تم جانتی ہوں گی کہ بٹن کا سائز کپڑے کے مطابق ہونا چاہیئے۔ قمیصوں، کرتوں میں بٹن چھوٹے لگتے ہیں۔ صدری میں ذرا بڑے۔ کوٹ، شروانی میں ذرا اس سے بھی بڑے۔ اور بڑے کوٹ میں سب سے بڑے۔ چھوٹے بچوں کے کپڑوں میں ہمیشہ چھوٹے چھوٹے بٹن لگانا چاہئیں۔ نیز اچھی قسم کے

کپڑوں میں بٹن بھی اچھے لگنے چاہئیں۔ ورنہ کپڑے کی حیثیت بگڑ جاتی ہے۔ بٹن ٹانکنے کے واسطے دھاگا استعمال کرو یا دوہرا کرکے لگاؤ۔ چار سوراخوں والے بٹن میں ٹانکے چاہے سیدھے اس طرح



لگاؤ۔ چاہے صلیبی ایسے بٹن ٹھیک کاج کے نیچے

آنا چاہیے۔ ورنہ کپڑے میں جھول آجائے گا۔ تم ایک بٹن بہت احتیاط سے ٹانک کر ہمارے پاس بھیج دو۔ اگر تم نے اور سب بچوں سے اچھا ٹانکا تو تمھیں انعام ملے گا۔ اپنی عمر ہمیں بتانا نہ بھولنا ورنہ



تمھیں انعام نہ ملے گا۔

کاغذ کاٹنا

آپا جان

آج میں تمھیں اچھی اچھی تصویریں بنانا سکھاؤں گی۔ تاکہ اُن سے اپنے بھائیوں اور بہنوں کے کمرے سجاؤ۔ یہ بارہ تصویریں ہیں اور پیام تعلیم میں مسلسل شائع ہوں گی۔ انھیں تم سیاہ رنگ کے کاغذ سے ہلکے رنگین گتے یا ڈرائنگ کے کاغذ پر بنانا۔ ہر شکل پر نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی ترتیب لگانا بھی بتاؤں گی۔ اور تم بغیر کسی کے بتائے خود ہی آسانی سے سب کچھ کر لوگے۔

اگر تمھیں کاغذ تراشنے اور چپکانے کی مشق پہلے سے ہے اور تمھارے پاس دوسری شکلوں اور تصویروں کا مجموعہ ہے تو تم سب اُن کی مدد سے اپنی پسند کی نئی تصویریں بھی بنا سکتے ہو یا پھر یوں کرو کہ جو تصویریں تمھارے پاس ہیں اُن کا خاکہ کھینچ لو اور ان میں رنگین پنسلوں یا برش سے رنگ بھر لو۔

اچھا تو تم ایک تصویر بنانا چاہتے ہو۔ کیسے بناؤ گے؟ ہم بتائیں سب سے پہلے تم اپنے دل میں ایک کہانی لکھو۔ پھر دیکھو اس میں کون کون سی باتیں سب سے اچھی اور اہم ہیں۔ بس اُن ہی کی تصویر بنانا شروع کر دو۔ اس قسم کی تصویریں تم نے کتابوں میں بہت سی دیکھی ہوں گی۔ یہ تصویریں کہانی کو سمجھانے اور کتاب کو خوب صورت بنانے کے لئے ہوتی ہیں۔ جو تصویریں تم سے بنوائی ہوں ان کا مقصد یہ بھی ہے کہ تم اپنے چھوٹے بھائیوں کا کمرہ سجاؤ۔ اس لئے یہ تصویریں بہت بڑی ہونی چاہئیں۔ ان تصویروں کے بنانے سے پہلے میں نے بھی کچھ کہانیاں لکھی تھیں۔ مگر یہ کہانیاں اس وقت بتاؤں گی نہیں۔ تم اپنی کہانی خود ہی لکھو اور انھیں سامنے رکھ کر تصویریں بناؤ۔ ہاں جو کہانی تم لکھو اسے ایڈیٹر صاحب کے پاس بھیج دو سب سے اچھی کہانی پر انعام ملے گا۔

سامان :۔

• ہلکے رنگ کا گتا (ہرا، پیلا یا نیلا)۔ یا ڈرائنگ کا کاغذ سترہ انچ چوڑا اور چھبیس انچ لمبا

یا بائیس انچ چوڑا اور اٹھائیس انچ لمبا۔ سیاہ چمکیلے کاغذ کے دو تختے۔ (اگر کالا کاغذ نہ ملے تو سفید ہی کالے رنگ میں رنگ لو) ہر ایک تیرہ انچ چوڑا اور سترہ انچ لمبا۔ تھوڑی سی لیئی۔ قینچی، پنسل اور بس ہاتھوں کی صفائی کا خیال رکھنا۔ سارا کام پرانے اخباروں کو نیچے رکھ کر کرو تاکہ میز گندی نہ ہو۔

نمبر ۱، ۲۔ دو خرگوش درخت کی۔ نمبر ۱۱، ۱۲ اونچی اونچی دو شاخوں پر بیٹھے ہیں

نمبر ۳، ۴۔ دو خرگوش درخت کی نمبر ۱۳، ۱۴۔ بیچ کی دو شاخوں پر بیٹھے ہیں۔

نمبر ۵، ۶۔ دو خرگوش درخت کی۔ نمبر ۱۵، ۱۶۔ تنے پر بیٹھے ہیں۔

نمبر ۷، ۸۔ دو چڑیاں داہنے ہاتھ کی طرف بیٹھی ہیں۔

نمبر ۹، ۱۰۔ دو چڑیاں بائیں ہاتھ کی طرف بیٹھی ہیں۔

نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ پیڑ کی شاخیں ہیں جن پر خرگوش بیٹھے ہیں۔

نمبر ۱۷۔ داہنے طرف کی زمین ہے۔

نمبر ۱۸۔ بائیں طرف کی زمین ہے۔

نمبر ۱۹۔ زمین کے بیچوں بیچ اور دونوں تنوں کے درمیان کی زمین ہے۔

نمبر ۲۰ اوپر کے دو تنوں کے درمیان کی گھاس ہے۔

نمبر ۲۱، ۲۲۔ گھاس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو بیچ کے تنوں سے ملے ہوئے بیچ کے خرگوشوں کے پیٹھ کی طرف ہیں۔

نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶ بھی گھاس کے ٹکڑے ہیں جنھیں اوپر والے بیچ کے اوپر نیچے کی طرف والے کندوں سے ملا دیا جائے۔ تو ایک دائرہ بن جاتا ہے۔

نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳۔ بائیں طرف اُگے ہوئے پودے ہیں۔

نمبر ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰۔ پودوں کے سبزے ہیں۔

پہلا طریقہ: (۱) جتنی سیاہ شکلیں ہوں قینچی سے احتیاط سے کاٹ لو اور پھر دیکھو کہ کس شکل پر کون سا نمبر ہے۔ انھیں اصل سے ملا لو۔

(۲) اب رنگین گتا اپنے سامنے رکھو۔ یاد ہے نا! یہ گتا ۱۷ انچ چوڑا اور ۲۶ انچ لمبا یا ۲۲ انچ چوڑا اور ۲۸ انچ لمبا ہوگا۔ گتے کو اس طرح رکھو کہ اس کی لمبان تمھارے سامنے ہو۔ اس پر کٹی ہوئی شکلوں کے سیاہ ٹکڑے رکھو جو حصہ تصویروں میں جہاں ہے، گتے پر بھی اسی کے مطابق ہو۔ ابھی انھیں چپکاؤ نہیں تصویر سے ملا کر دیکھو کہ زمین کا دائرہ گتے کے درمیان

بتلاہے یا نہیں۔

(۳) اب داہنی اور بائیں طرف زمین کے جو حصے بالکل سیدھے ہیں انھیں گتے پر چپکا دو (یہ سیدھے سیدھے حصے جو زمین کے ابھرے ٹیلوں کے حصے میں مل کر گتے کے کناروں کو ڈھک لیتے ہیں) اب زمین پر کے ٹیلوں کو چپکاؤ (اس طرح کہ اُن کے سیدھے کنارے نیچے کی طرف ہوں) اور اُن کے درمیان گھاس نمبر ۱۹ کو گتے کے بیچوں بیچ چپکا دو۔ دیکھو جب زمین کے حصے، ٹیلے اور گھاس کے حصے چپکائے جائیں تو گتا کہیں سے بھی نظر نہ آنا چاہیئے۔

(۴) اس کے بعد اب گھاس کے گول حصے اندر رہیں اور اُن سے گتے کے بیچ میں (بالکل گول نہ سہی) ایک دائرہ بن جائے۔ انھیں بہت احتیاط سے ایک دوسرے سے ملا دو۔ اُن کے دونوں طرف اور اوپری سرے پر ٹیلے کے حصے چپکا دو پھر نمبر ۲۱، ۲۲ والے گھاس کے ٹکڑوں کو بیچ کے دو ٹیلوں سے ملا دو

(۵) اب ہر ٹیلے پر خرگوش کو بٹھاؤ۔ اور دو خرگوش ایک دوسرے کے سامنے ہوں۔

(۶) ۵، ۶ نمبر کی چڑیوں کو زمین کے آخری سرے پر بٹھاؤ اور نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کی چڑیوں کو دوسرے آخری سرے پر اس طرح کہ دونوں طرف کی چڑیاں خرگوشوں کو تک رہی ہوں۔

اصل تصویر کا خیال رکھو۔ ایک طرف کے دونوں خرگوش دوسری طرف کے دونوں خرگوشوں کے آمنے سامنے ہیں۔ چڑیاں خرگوشوں کے پاس ہی بیٹھی انھیں تک رہی ہیں۔

(۷) پودوں کو بائیں طرف سے لگاؤ اور اُن کے اوپر اُن کے سروں کو لگا دو

نوٹ :- تصویر چپکانے کے لئے لئی زیادہ نہ لگے۔ لئی لگاتے وقت نیچے پرانے اخبار رکھ لیا کرو۔ دو تین تصویریں لگانے کے بعد اخبار بھی بدل دیا کرو۔ گتے پر تصویر چپکانے سے پہلے جہاں جو شکل لگانی ہو وہاں باریک پنسل سے نشان لگا لیا کرو تو اچھا رہے گا۔ اس سے تصویر ٹھیک جگہ پر آئے گی۔

دوسرا طریقہ :- کالا چمکیلا کاغذ لو اور اس کی پشت پر تمام شکلوں کا عکس لے لو۔ اس کے بعد جہاں جہاں عکس کے نشان ہوں وہاں وہاں کاغذ کاٹ لو اور طریقہ نمبر ۱ کے مطابق گتے پر چپکا دو۔

تیسرا طریقہ :- تمام شکلیں الگ الگ کاٹ لو اور سفید ڈرائنگ کے کاغذ پر جو گتے کی لمبائی چوڑائی کے برابر ہو ان کے چاروں طرف کی لکیریں کھینچ لو۔ پھر ان سب کے اندر اُن کے اصلی رنگ کے ان تینوں طریقوں میں سے ایک کے مطابق تصویر کو تیار کرو۔ پھر ان کو دیکھ کر ایک کہانی لکھو۔ کہانی ایڈیٹر صاحب پیامِ تعلیم کے پاس بھیج دو اور انعام لو



پیاری بجیو اور بچو!

خوش رہو۔ یہ معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی کہ پچھلے پرچے میں جو باتیں میں نے لکھی تھیں وہ تمھیں اچھی لگیں۔ عید کے دن بچوں اور بچیوں کے عید کارڈ بھی ملے۔ میں ان سب کی محبت اور سعادت مندی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

اس پرچے میں میں نے کسی جگہ کاغذ کے خرگوش کاٹنے کی ترکیب لکھی ہے۔ یہ کام مجھے امید ہے کہ تم بہت دلچسپی سے کروگے۔ کوئی بات مشکل معلوم ہو یا سمجھ میں نہ آئے تو ہمت نہ ہارنا مجھے لکھ بھیجنا۔ میں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔

جنوری کے پرچے کی تصویریں ان بچوں نے بھر کر بھیجی ہیں:-

مبین الرحمن، حیدرآباد دکن۔ محمد نالا انصاری سیف اللہ، لکھنو۔ خواجہ شمس الرحمن احسن سہارنپور۔ سید منصور حسن تعلیمی مرکز، دہلی۔ ابراہیم اچھا، جامعہ نگر دہلی۔ ملک امان اللہ، جامعہ نگر دہلی۔ احمد اسمعیل گوڈا، جامعہ نگر۔ قدوس بیگ، جامعہ نگر۔ ظہور عالم، جامعہ نگر۔ محمد خاں، جامعہ نگر۔ اقبال احمد، جامعہ نگر۔ ظہور مہدی، جامعہ نگر۔ امجد فاروقی، جامعہ نگر۔ رضی احمد وارثی، جامعہ نگر۔ صادق محمد خاں، جامعہ نگر۔ عبدالمعید، جامعہ نگر۔ سید عبدالرحمن، جامعہ نگر۔ سید حبیب حسن، جامعہ نگر۔ نور احمد، جامعہ نگر۔ اظہار الحق صدیقی، جامعہ نگر۔ عبدالحمید خاں۔ جامعہ نگر۔ سید شاہ مظفر حسین، جامعہ نگر۔ محمد ذکی، جامعہ نگر۔ سید ضیا کریم، جامعہ نگر۔ محمد افضل، جامعہ نگر۔ عبدالوہاب، جامعہ نگر۔ مبارک سعید لوی، جامعہ نگر۔ عبدالحمید، جامعہ نگر۔ منصور عالم، جامعہ نگر۔ صادق میاں، جامعہ نگر۔ سید ذکی الحسن ردولی۔ ان میں سید ذکی الحسن، اول۔ صادق میاں، دوم اور منصور عالم سوم آئے ہیں۔

اس مرتبہ بہن درۃ البیضا بیگم نے انعامی مقابلے کے لئے بہت آسان مضمون بھیجا ہے۔
مجھے اُمید ہے کہ سب بچیاں اس مقابلے میں حصہ لیں گی۔ تمھاری "آپا جان"

جلسوں کی کارروائی

لکھنؤ:-

ہمارا جلسہ ۱۵ر جنوری کو ایک بجے منعقد ہوا۔ جلسے میں حاضرین کی تعداد بہت کافی تھی۔ جلسہ "پیام برادری" کے گیت سے شروع ہوا۔ اس کے بعد ترانۂ ملی گایا گیا۔ اس کے بعد ہمارے معزز صدر صاحب نے پرجوش خطبہ صدارت پڑھا۔ اور اپنی صدارتی تقریر کے درمیان انھوں نے وہ اعلان دہرایا جو آپا جان کی طرف سے ہوا تھا۔ اس کے بعد تقریری مقابلہ شروع ہوا۔ گذشتہ مرتبہ "آن حضرت کی سیرت" پر تقریر اور مغربی تہذیب اچھی ہے یا مشرقی تہذیب" پر مضمون تجویز ہوا تھا۔ دونوں پر ممبروں نے تقریریں کیں اور اپنے مضامین پڑھے۔ اس کے بعد صدر صاحب نے تقریر اور مضمون میں حصہ لیا۔ اس کے بعد ایک ریزولیوشن ضیغم اسلام خادم کعبہ بطل حریت الحاج مولانا شوکت علیؒ کے انتقال پر ملال پر پاس ہوا۔ ریزولیوشن:-

"پیام برادری" کا یہ جلسہ موصوف کی وفات حسرت آیات پر اپنے انتہائی رنج وغم حزن وملال کا اظہار کرتا ہے۔ اس حادثے کو ملت اسلامیہ اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان تصور کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ وہ جاں نثار اسلام کی روح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ملت اسلامیہ کو اس کا نعم البدل عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

"سید صباح الدین احمد۔ جنرل سکرٹری"

علی گڑھ:-

۱۵ر جنوری کو ہمارا پچھلا جلسہ ہوا تھا۔ یہ جلسہ کئی ناغوں کے بعد ہوا۔ کرسمس کی چھٹیوں میں ممبران باہر تشریف لے گئے تھے اور ششماہی کا زمانہ قریب تھا۔ جلسے کے شروع ہونے سے پہلے قرآن شریف کی تلاوت ہوئی۔ اس کے بعد جناب عبدالحمید صاحب کی درخواست پر جناب نسیم احمد انصاری (جو اس برادری کے ایک سرگرم ممبر ہیں)، کی والدہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

چونکہ اس جلسے میں نہ تو جناب سکریٹری صاحب تھے اور نہ ہی جناب نائب سکریٹری صاحب تھے اس وجہ سے مجھ کو جناب سکریٹری کا اہم کام انجام دینا پڑا۔

چونکہ اس جلسے کے لئے کوئی خاص مضمون طے نہیں ہوا تھا اس لئے تقریریں نہیں ہوئیں اور صرف چھوٹے بچوں نے کہانیاں سنائیں۔ اُن کے نام اور نمبر یہ ہیں :-

(۱) اشفاق حسین ۱۵ میں سے ۸

(۲) اقبال حسین " ۶

(۳) احتشام الرحمن " ۸

اس کے بعد منیر احمد اور دیگر صاحبان نے شاہنامہ اسلام میں سے کئی نظمیں پڑھیں۔ پھر اگلے جلسے کے لئے یہ مضمون طے ہوا: "ہندوستان کو گاندھی کی ضرورت ہے یا ہٹلر کی" آخر میں جناب صدر نے یہ خوش خبری سنا کر جلسہ برخاست کیا کہ جو ممبران ماہ جنوری تک کا چندہ ادا کریں گے ان کو پیدائش میں برادری کی طرف سے کباب مٹھائیوں کی ایک دعوت ملے گی۔ (انطاف شفیع۔ سکریٹری)

میرٹھ :-

"پیام برادری" میرٹھ کا ماہواری جلسہ مورخہ ۵ فروری زیر صدارت جناب عقیل احمد صاحب منعقد ہوا آپاجان کی اور ہمارے سرپرست صاحب کی رائے تھی کہ بڑے بچوں کو پیام برادری سے الگ ہو جانا چاہیے۔ سال بھی ختم ہو چکا تھا اور تازہ انتخابات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ لہٰذا ہمارے اس جلسے میں ۱۴ سال سے کم عمر کے پیامی شریک ہوئے۔ سب سے پہلے ہمارے سرپرست صاحب نے ہمیں پیام برادری کے فائدے بتائے۔ جاگو، جگاؤ کا مقصد سمجھایا۔ دوسرے ملکوں میں جو بچوں کی برادریاں ہیں اُن کے حالات سنائے اور برادری کے ممبروں سے عہد لیا کہ جب تک وہ پیام برادری کے ممبر ہیں اس وقت تک کسی دوسری انجمن مثلاً :- مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن یا کمال یونین کے ممبر نہیں بنیں گے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو ممبر آئندہ ماہ میں پیام برادری کے سب سے زیادہ ممبر بنائے گا اس کو وہ اپنی طرف سے دو روپے قیمت کی ایک کتاب بطور انعام مرحمت فرمائیں گے۔ عرض صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب محض مکتبہ جامعہ سے منگوائی جائے۔ اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ پیام برادری کا جو ممبر اپنی جماعت میں اول آئے گا اس کو پانچ روپے قیمت کی کتابیں مرحمت فرمائیں گے۔ ایک پیام کرکٹ کلب بھی قائم کیا گیا اور سرپرست صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے کھیل میں شرکت کیا کریں

اس کے بعد فیروز پاشا نے ایک نظم پڑھی اور پھر انتخابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ نعیم پاشا صدر۔ جمیل احمد نائب صدر۔ یوسف بشیر، خزانچی۔ ریاض اقبال، نائب سکریٹری اور مجھے سکریٹری منتخب کیا گیا۔ سرپرست صاحب نے نعیم پاشا کو اپنے اختیار سے لائبریرین مقرر کیا۔

اس کے بعد یہ ریزولیوشن پیش کئے گئے۔ "میرٹھ کے پیامیوں کی جانب سے ایڈیٹر صاحب کی محبت اور عید کی مبارک باد کا شکریہ ادا کیا جائے"۔ یہ تجویز اتفاق رائے سے کامیاب ہوئی۔ پھر یہ تجویز پیش ہوئی کہ آئندہ ہر پیامی سرپرست صاحب کو "بھائی جان" کے لقب سے یاد کرے"۔ یہ بھی اتفاق رائے سے پاس ہوا۔ اور بھائی جان نے ہم لوگوں کی محبت کا شکریہ ادا کیا۔ آئندہ جلسے کی تاریخ ۱۲ فروری مقرر کی گئی۔ بحث کے لئے یہ مضمون تجویز ہوا۔ "پیام برادری سے ہم کو کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں"۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

شاہد منظور۔ سکریٹری

دہلی:-

شاخ پیام برادری کی سندیلی کا جلسہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو دن کے ۳ بجے اُستادوں کے کمرے میں ہوا۔ اس جلسے کے صدر جناب سعید انصاری صاحب تھے۔ جلسہ قرآن شریف کی تلاوت سے شروع ہوا سب سے پہلے ہمارے محترم صدر جناب عمر کامل صاحب نے خطبہ صدارت پڑھا۔ بعد میں ہمارے اکثر سرپرستوں نے مختصر تقریریں کیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس جلسے میں آپا جان نے بھی اُردو میں تقریر کی اور ہم کو بہت سی اچھی باتیں بتائیں۔ جلسہ ۴ بجے برخاست ہوا

(ناظم) حسن احمد فاروقی

دہلی:-

ہمارا ایک تفریحی جلسہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کو جامعہ نگر اوکھلا میں ہوا۔ ۲۸ جنوری کو جامعہ نگر کے پیامیوں نے ہم کو مدعو کیا۔ ہم لوگ کچھ ریل سے اور کچھ سائیکلوں سے اوکھلے پہنچے۔ کھانا وغیرہ کھایا اور خوب کھیلے کودے۔ ۳ بجے نہر پر عمر کامل صاحب کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں کافی دلچسپی رہی۔ شام تک ہم لوگ دہلی واپس آگئے۔

(ناظم) حسن احمد قنوجی

Printed & published by Dr. Sayed Abid Hussain, at the Mahbob-ul-mataba Press, Delhi.

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Delhi.

بچوں کے لئے قصّے اور کہانیوں کی کتابیں

ایورسٹ کی داستان اور ننگا پربت ان دو پہاڑی چوٹیوں کو سر کرنے کے لئے بہت دنوں سے مہمیں جاری ہیں۔ اس کتاب میں ان ہی دونوں مہموں کی سرگزشت ہے چوٹیوں تک پہنچنے کے لئے کیا کیا صورتیں اختیار کی گئیں کیا کیا دقتیں پیش آئیں، کتنے بہادروں کی جانیں ان کوششوں پر قربان ہوئیں یہ سب حال ان دونوں کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر ہماری اس طرح کی ایک ایک دنیا سمندر کی بھی ہے جس کی آبادی انسانی آبادی کی طرح بہت ہی عجیب وغریب ہے عجائب خانہ سمندر میں اس آبادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بہت سی تصویریں اور ٹائیٹل پیج بہت خوب صورت ہے۔ قیمت ۱۰ر

جادو کا جہاز یہ کتاب دوسری اور تیسری جماعت کے بچوں کے لئے تیار کرائی گئی ہے۔ موٹے موٹے الگ الگ الفاظ اور ہر صفحے پر تصویر ہے نہایت دلچسپ کہانی ہے۔ بچے اسے پڑھ کر بہت خوش ہوں گے۔ قیمت ۲ر

شریر لڑکا از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایک نتیجہ خیز ڈراما ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ شریر لڑکا بھی اچھا اور نیک طینت ہو سکتا ہے بشرطیکہ تربیت اچھی ہو۔ ۲ر

جھوٹے اور سچے دوست یہ آٹھویں جماعت تک کے کے لئے نہایت دلچسپ ڈرامہ ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ جھوٹے اور سچے دوستوں کی پہچان کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد آپ اپنے تمام دوستوں کی اچھی طرح پرکھ کر سکتے ہیں۔ قیمت ۲ر

لال مرغی باتصویر عبد الواحد صاحب سندھی نے چھوٹے بچوں کے لئے لال مرغی، مینڈک اور خالہ بلی ان بن اور بعد میں پھر دوستی بہت اچھے پیرائے میں لکھی ہے صفحات ۲۰ قیمت دو آنے ۲ر

چھوٹا چمو ایک ننھے منے چوہے کی دلچسپ کہانی میاں چمو بعض شریر بچوں کی طرح بہت ہی نٹ کھٹ تھے اپنے ماں باپ کا کہنا بھی نہ مانتے تھے اسی وجہ سے ایک بار مصیبت میں پھنس گئے۔ اور بڑی مشکل سے نجات ملی۔ بڑے مزے کی کہانی ہے۔ بہت سی تصویریں۔ ٹائیٹل خوب صورت۔ ۲ر

مرغی اور جمیر چلی محترمہ رقیہ ریحانہ بچوں کی مشہور ومعروف لکھنے والی ہیں۔ آپ نے یہ دلچسپ کہانی بڑی آسان زبان میں لکھی ہے اور مکتبہ نے چھاپی بھی بہت خوب صورت ہے۔ ٹائیٹل پیج پر ایک نہایت نفیس تصویر ہے۔ قیمت ۲ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ

پیام تعلیم دہلی

پیام تعلیم — یوپی۔ سی پی۔ برار۔ میسور اور حیدر آباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے "منیجر"

جلد ۲۴ — اپریل ۱۹۳۹ء — نمبر ۴

قیمت سالانہ ... فی پرچہ ... — مکتبہ جامعہ نئی دہلی — ایڈیٹر۔ محمد حسین حسان

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے پی۔ایچ۔ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

سید جمیل احمد صاحب نقوی کا مضمون. بچوں نے بہت پسند کیا۔ بے شمار خط اس کی تعریف میں ہمارے پاس آئے ہیں. جمیل صاحب ان دنوں اور دوسرے کاموں میں بہت مصروف ہیں۔ پھر بھی انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ جوں ہی انھیں فرصت ملی سب سے پہلے وہ یہی کام کریں گے۔

کچھ عرصے سے ٹکٹوں کی خبریں پرچے میں نہیں چھپ رہی تھیں۔ بہت سے پیامیوں خصوصاً ٹکٹ جمع کرنے والے بچوں کو شکایت تھی۔ اب اس پرچے سے یہ برابر چھپا کریں گی۔

خبروں کے علاوہ معلومات، خط کتابت کھیل کی خبریں اور دوسری چیزیں بھی التزام کے ساتھ شائع ہوں گی۔ ایک عزیز پیامی نے ٹکٹوں اور پالتو پرندوں پر بہت سے اچھے اچھے مضمون بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مضمون مفید اور دلچسپ ہوئے تو ان کا سلسلہ بھی اگلے مہینے سے شروع ہو جائے گا۔

اس پرچے میں سائنس کی الماری کے نام سے ایک مضمون چھپ رہا ہے۔ اس کا سلسلہ کئی مہینے تک چلے گا امید ہے کہ بچے اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

اب کی گنجائش کم ہونے کی وجہ سے کئی اچھے اچھے مضمون نہیں چھپ سکے۔ یہ اللہ نے کیا تو اگلے پرچے میں چھپیں گے۔

محترمہ درۃ البیضا بیگم نے ہمیں شکایت لکھی ہے کہ بچیاں ان کے مضمون سے زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی ہیں بہت کم بچیاں مقابلے میں حصہ لیتی ہیں۔ ہم نے یہ شکایت آپاجان تک پہنچا دی ہے۔ مگر یہ ہے بہت بری بات۔ تم نے اس طرح لاپرواہی سے کام لیا تو محترمہ درۃ البیضا بیگم مضمون لکھنا چھوڑ دیں گی اور پیام تعلیم ایسے اچھے مضمونوں سے محروم ہو جائے گا۔

پچھلے مہینے ہماری جامعہ میں بہت غم ناک حادثہ ہوا ہمارے بہت محترم استاد حضرت مولانا سید شرف الدین صاحب کا دو دن کی بیماری کے بعد یکایک انتقال ہو گیا۔ مولانا اردو اور فارسی کے بہت بڑے عالم اور دونوں زبانوں کے بہت اچھے شاعر تھے

ہمارا ارادہ ہے کہ کسی اگلے پرچے میں مولانا کے حالات پر ایک تفصیلی مضمون شائع کیا جائے۔ ہمیں اور سب پیامیوں کو مولانا کے عزیزوں سے دلی

جاگو جاگو ننھے بچو!

احسن عثمانی

رات گئی اب ہوا سویرا　　　کیسا ہے یہ وقت سُہانا
لیتے ہیں سب نام خُدا کا
جاگو جاگو ننھے بچو!

چڑیاں چُوں چُوں بول رہی ہیں　　　اپنے پروں کو تول رہی ہیں
من کی کھڑکی کھول رہی ہیں
جاگو جاگو ننھے بچو!

ڈالی ڈالی جھوم رہی ہے　　　باغ میں بُلبُل گھوم رہی ہے

منہ پھولوں کا چوم رہی ہے
جاگو جاگو ننھے بچّو!

مُرغا گکڑوں کوں چلّایا اور محلّے بھر کو جگایا
کوّوں نے بھی شور مچایا
جاگو جاگو ننھے بچّو!

پُورب سے وہ سُورج نکلا سارا عالم خواب سے جاگا
سب نے اپنا کام سنبھالا
جاگو جاگو ننھے بچّو!

ناشتہ بھی تیار ہے آؤ کھاپی کر اسکول کو جاؤ
پڑھنے میں جی خُوب لگاؤ
جاگو جاگو ننھے بچّو!

آؤ گھر گھر کھیلیں

رفیقہ ریحانہ

منّی کی بیماری

سب کھانا کھا چکے تو موہن کو خیال آیا کہ چنّو کی گڑیوں نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔

اس نے کہا "ہم سب نے تو گرم گرم کھچڑی کھائی مگر منّا اور منّی منہ ہی تکتے رہے۔"

ماں نے کہا "نہیں نہیں وہ تو کئی دن سے کچھ کھاتے ہی نہیں۔ کچھ جی اچھا نہیں ہے منّے کا پیٹ چلتا ہے، منّی کی آنکھ آئی ہے۔"

یہ سنا تو سب نے کہا کہ دیکھیں کیا بات ہے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ بے چاری منی کی تو ایک ٹانگ ہی ٹوٹ گئی ہے۔ نہ جانے چنّو نے کہیں گرادیا کہ آپ کہیں پھسل کر گر گئی۔ ایک ٹانگ الگ رکھی تھی۔ سب چلا اٹھے! "ارے ارے منی کی تو ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ امّاں یہ سن کر دوڑیں۔ چنّو بھی دوڑے امّاں نے کہا "جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔ جلدی سے!"

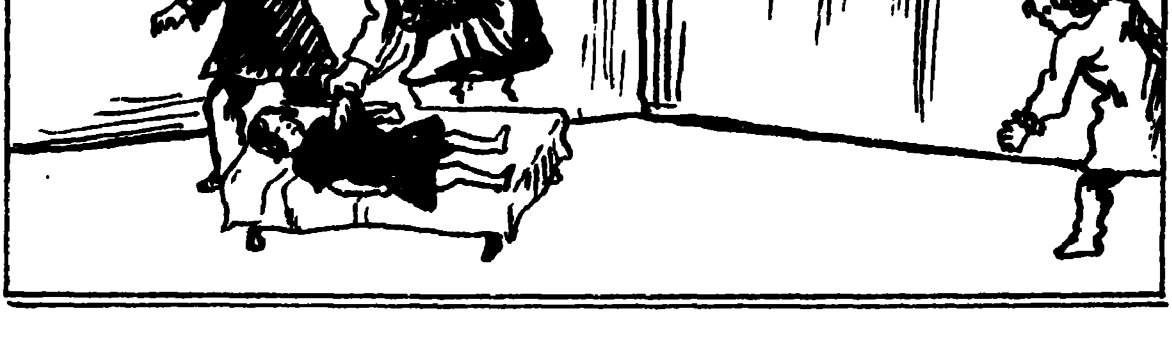
اسد نے کہا "میں جاتا ہوں ابھی ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔"

موہن ڈاکٹر بنے۔ ارہر کی لکڑیاں پڑی تھیں ان میں سے ایک پتلی سی لکڑی توڑی۔ بخار دیکھنے کا آلہ بنایا (اسے کہتے ہیں تھر۔ ما۔ می۔ ٹر کیا نام ہے تھر۔ ما۔ می۔ ٹر!!)

ایک ستلی پڑی تھی اسے گلے میں لٹکایا اور اس میں مٹی کا ایک آب خورہ باندھ لیا۔ اور آئے کھٹ پٹ کھٹ پٹ ——— لو ڈاکٹر صاحب آگئے ڈاکٹر صاحب آگئے۔

ڈاکٹر صاحب: "آداب عرض ہے۔

سب۔ آداب عرض ہے ڈاکٹر صاحب۔
ڈاکٹر صاحب۔ کہئے کیا بات ہے؟ کون بیمار ہے؟
رشید۔ منی بہت بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب
ڈاکٹر صاحب۔ کہاں ہے، منی۔
رشید۔ ڈاکٹر صاحب۔ چارپائی پر لٹا دیا ہے بہت بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب۔ ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔
ڈاکٹر صاحب۔ بھائی ہے کہاں؟
رشید۔ یہ ہے چارپائی پر۔ رضائی اوڑھے پڑی ہے۔ بہت بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب۔ ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب
ڈاکٹر صاحب اچھا بھائی۔ اچھا۔ سمجھ گیا کہ منی بہت بیمار ہے ذرا اسے دیکھ تو لوں۔
کہو منی بیٹی کیسی ہو؟
منی (رو رو کر) ڈاکٹر صاحب آنکھ دکھتی ہے اور ٹانگ ڈاکٹر صاحب ٹوٹ گئی ہے الگ ہو گئی ہے ڈاکٹر صاحب الگ۔
ڈاکٹر صاحب۔ اوہو ایسا؟ اچھا تمہیں ذرا اچھی طرح دیکھ لیں۔ اچھا ذرا منہ تو کھولو۔ یہ تھرمامیٹر منہ میں رکھ لو۔
ڈاکٹر صاحب نے گھڑی نکالی۔ تھوڑی دیر بعد کہا اب منہ میں سے بونگی نکال لو۔ پھر اس بونگی کو دیکھا اور بولے "ہاں! بخار تو ہے۔ کہو آ آ۔ ہوں ٹھیک ہے گلا تو ٹھیک ہے۔ ذرا تمھارا سینہ بھی دیکھوں مگر



تنے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ پہلے کوٹ اس کے
مرزائی۔ اس کے نیچے کرتا۔ اس کے نیچے بنیان
کے نیچے ایک بنیان اور بھائی ذرا ان کے یہ کپڑے
رو۔

چنّو نے منّی کے کپڑے اتارے۔ ڈاکٹر صاحب
انگلی سے اِدھر ٹھوکا اُدھر ٹھوکا منّی کا آب خورہ
ی پر رکھا اور کہا "منّی، کہو ایک۔ دو۔ تین۔ ہاں ایک
تین پھر ایک دو تین .... ذرا کھنکارو۔
کھنکارو۔ ہوں۔ سینہ بھی ٹھیک ہے۔ دل بھی
ل ہے۔ بس۔ میں نیلی شیشی میں ایک دوا بھیجوں گا
نکھ میں ڈالنا۔ گھنٹہ گھنٹہ بھر بعد۔ اور دیکھو منّی کی
یہ سے منّی یا منّو منہ نہ پوچھیں۔ نہیں تو ان کی آنکھیں
دکھنے آجائیں گی۔ اور ہاں! ذرا سوئی تاگا تو لانا
ی کی ٹانگ سی دوں۔"

ڈاکٹر نے دیکھتے دیکھتے منّی کی ٹانگ سی
ر کہا اب انھیں کرتا پہنا دو۔ اور اوپر سے
ف اڑھا دو۔ میں کل آکر پھر دیکھ لوں گا۔

چنّو نے ذرا اچک کر جو دیکھا تو منّی کی ٹانگ
ٹر صاحب نے الٹی سی تھی۔ انگلیاں پیچھے اور ایڑی
آگے۔ "ڈاکٹر صاحب منّی کی ٹانگ تو الٹی لگ گئی۔"

ڈاکٹر نے کہا "خیر۔ اب تو سل گئی۔ یہ بھی کام دے گی۔ پھر کاٹ کر جوڑوں گا تو منّی کو بہت تکلیف ہوگی۔ اچھا۔ میں اب جاتا ہوں۔ آداب۔"

کہانی کہو

بچّوں نے شام سے کہنا شروع کیا۔ امّاں کہانی کہو کہانی کہو۔ موہن بھی ہیں اسد بھی ہیں چنّو بھی ہیں۔ امّاں کہانی کہو۔ امّاں نے کہا "اچھا کیسی کہانی سنو گے؟"

موہن نے کہا "اچھی سی"

اسد نے کہا "مزے کی"

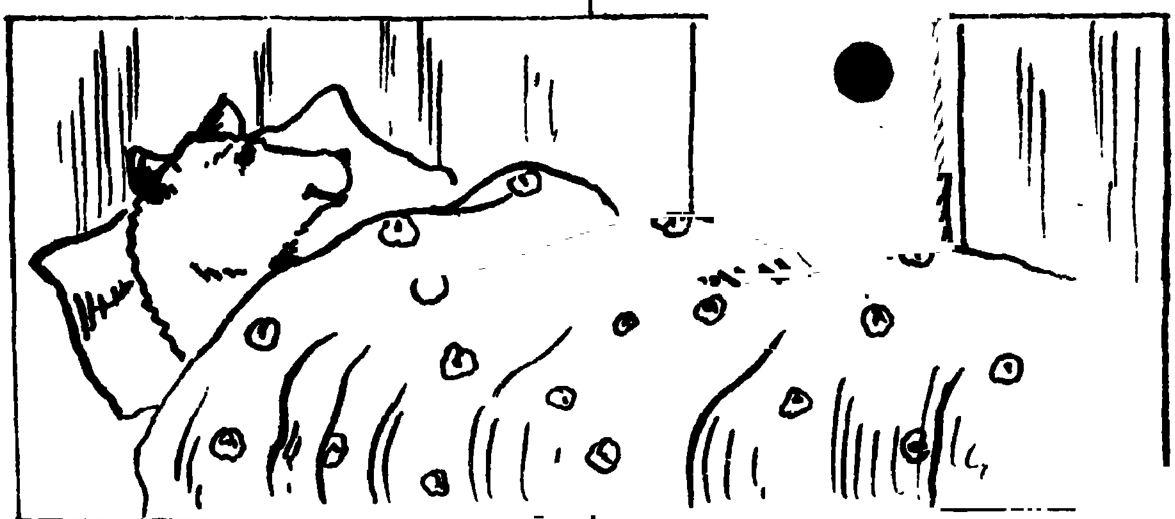
چنّو نے کہا "ایسی جس سے ہنسی آئے"

امّاں نے کہا "اچھا سنو"

ایک تھے لالو ایک تھے کالو، اور ایک تھے بھالو
لالو کالو اور بھالو ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان کا گھر بہت اچھا تھا۔ صاف تھا۔ یہ تینوں بھی بہت صاف رہتے تھے۔ یہ دن کو ساتھ ساتھ کام کرتے تھے اور کھیلتے تھے رات کو اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو جاتے تھے۔ سات بجے اور یہ سب سو گئے۔

ایک دن کیا ہوا لالو بھی جاکر بچھونے پر لیٹ گئے۔ کالو بھی جاکر بچھونے پر لیٹ گئے اور بھالو بھی جاکر اپنے بچھونے پر لیٹ گئے۔ کالو تو سو گئے لالو بھی سو گئے۔ مگر بھالو کو نیند نہیں آئی۔

بھالو نے دونوں آنکھیں بند کرلیں۔ نیند نہیں نہ آئی۔ سیدھی آنکھ کھولی۔ پھر الٹی آنکھ کھولی پھر



دونوں آنکھیں کھولیں پھر دونوں آنکھیں بند کرلیں مگر نیند نہ آئی۔ بھالو نے ادھر کروٹ لی بھالو نے ادھر کروٹ لی مگر نیند نہ آئی۔ گھڑی بجنا شروع ہوئی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات آٹھ۔ آٹھ بج گئے اور نیند نہ آئی نو بج گئے اور نیند نہ آئی دس بج گئے اور نیند نہ آئی بھالو اٹھا۔ کھڑکی میں سے منہ جو نکالا تو چندا ماموں اوپر سے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ چندا ماموں نے سیدھی آنکھ سے اشارہ کیا۔ پھر چندا ماموں نے الٹی آنکھ سے اشارا کیا اور گانے لگے۔

آؤ چلیں جی بھالو
آؤ اڑیں جی بھالو
نیند تو اب آنے کی نہیں
آؤ چلیں جی بھالو
آؤ اڑیں جی بھالو
بھالو بھیا بھالو

اوپر سے ہوا آئی زائیں زائیں زائیں

پھر ایک جھوکا آیا زائیں زائیں زائیں سارا گھر

ہلنے لگا۔

بھالو کی چارپائی چلنے لگی۔ بھالو کو ڈر لگا اس نے چلا کر کہا

لالو لالو۔ کالو کالو۔

مگر نہ لالو بولا نہ کالو

چندا ماموں کی آواز آئی وہی

آؤ چلیں جی بھالو

نیند تو اب آنے کی نہیں

آؤ اڑیں جی بھالو

بھالو بھیا بھالو

بھالو کی چارپائی کھڑکی میں سے اڑ کر باہر پہنچی پھر باغ کے پیڑوں کے اوپر سے اڑ کر نہ جانے کہاں گئی۔ یہ بے چارا ڈرتا رہا اور چلاتا رہا۔ لالو لالو۔ کالو کالو۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ بس چندا ماموں گاتے رہے۔

آؤ اڑیں جی بھالو

بھالو بھیا بھالو

پھر بھالو کا کھٹولا اڑنے لگا تیزی سے اڑنے۔ لگا اور ایک دفعہ ہوا دھم سے۔ اور میاں بھالو کا اڑن کھٹولا ریت پر آگیا۔ بھالو نے ڈرتے ڈرتے ایک آنکھ کھولی پھر دوسری آنکھ کھولی۔ تو وہی کمرہ وہی مکان چپکے سے اٹھا اور لالو کے کمرہ میں جھانک کر دیکھا۔ لالو سو رہا تھا۔ خُر خُر خُر خُر۔ بھالو نے کالو کے کمرے میں جھانک کر دیکھا وہ بھی سو رہا تھا خُر خُر خُر خُر۔ بھالو بھی آکر پھر چپکے سے اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں تو یہ بھی کرنے لگا۔ خُر خُر خُر خُر۔

بس کہانی ختم۔

نیو لائٹ لاہور۔

یہ پندرہ روزہ پرچہ ام خیر الدین قادری کی ادارت میں لاہور سے نکلتا ہے۔ مضامین دلچسپ لکھائی چھپائی اچھی کاغذ معمولی۔ قیمت سالانہ دو روپے چار آنے (عہ) مقام اشاعت لاہور۔

نیا کھلونا

محمد حسین حسان

سعید:۔ احمد احمد جلدی اٹھو

احمد:۔ کیوں کیا بات ہے

سعید:۔ ارے بھئی ابا ہمارے لئے نیا کھلونا لائے ہیں

احمد ہڑبڑا کر اٹھا" جلدی بتاؤ کیا چیز ہے"

سعید:۔ یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں جانے ننھی منی منو بلائی ہے یا کتے کا پلاّ ابا نے کچھ بتایا نہیں وہ کہتے ہیں پہلے ناشتہ کرلو پھر بتائیں گے۔

احمد:۔ اچھا تو پہلے میں تیار ہو کر ابا کے پاس جاتا ہوں۔

سعید:۔ جی نہیں۔ آپ بھلا میرا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں پہلے میں تیار ہوں گا۔

دونوں بچوں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور دوڑے دوڑے باپ کے پاس پہنچے۔

احمد:۔ دیکھئے ابا پہلے میں تیار ہو کر آپ کے پاس آیا۔

سعید:۔ جی نہیں میں۔

باپ:۔ اچھا بھئی ذرا ٹھہر جاؤ پہلے یہ بتاؤ تم نے ہاتھ منہ دھو لیا ہے

سعید:۔ جی ہاں

احمد:۔ ارے ابا یہ تو میں بھول ہی گیا اچھا تو جانے دیجئے میں اول نہیں ہوں۔

ماں:۔ اور ایک گلاس تازہ پانی پی لیا تھا تمہیں معلوم ہے ناشتے سے پہلے ایک گلاس پانی ضرور پینا چاہیئے۔

سعید:۔ ابا میں نے تو نہیں پیا اچھا تو میں بھی اول نہیں ہوں۔

باپ:۔ اچھا تو جلدی سے تیار ہو کر

آجاؤ ہم ناشتے پر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔

میں تیر رہا ہے یہی کھلونا، ابا ہمارے لئے لائے ہیں۔



احمد دوڑ دوڑا غسل خانے میں گیا اور منھ ہاتھ دھویا۔ سعید نے گھڑونچی کے پاس جا کر ایک گلاس پانی پیا۔ پھر دونوں نے ابا اور امی کے ساتھ ناشتہ کیا۔

احمد:۔ ابا اب دیکھئے نا کھلونا اب تو ناشتہ بھی ختم ہو گیا۔

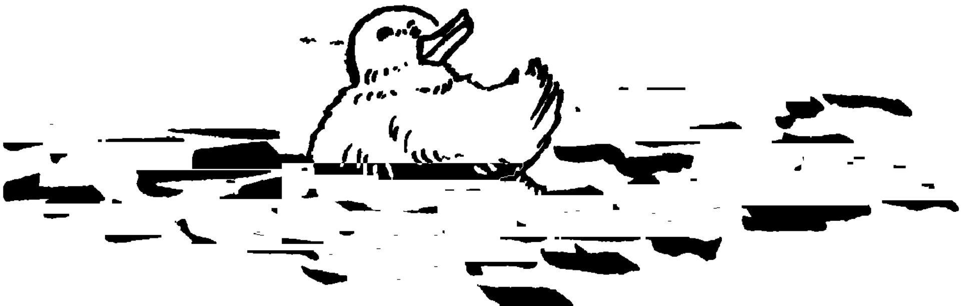
باپ:۔ ہاں ہاں چلو باغ میں چلو وہیں ہے۔

احمد:۔ ارے سعید بھیا دیکھو یہ کیا پانی

سعید:۔ بھئی واہ یہ تو ننھا منا بطخ کا بچہ ہے۔ کیسی پیاری صورت ہے۔ بھولا بھولا زرد زرد

احمد:۔ اور دیکھو کس مزے سے تیر رہا ہے

دونوں بچے بہت اشتیاق اور غور سے بچے کو دیکھتے رہے اتنے میں بچے نے کیا کیا کہ اپنی ننھی سی چونچ سے خوب ڈگڈگا کے پانی پیا اور پھر چھپ چھپ چھپ بہت سا پانی اپنے اوپر بھی چھڑک لیا۔

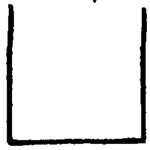


احمد:۔ ارے ابا اس نے بھی تو وہی کیا جو ہم روز صبح کو اٹھ کر کرتے ہیں دیکھئے پہلے پانی پیا اور پھر منہ دھویا۔

باپ:۔ ہاں اور اب یہ بھی ناشتے کے لئے تیار ہے۔

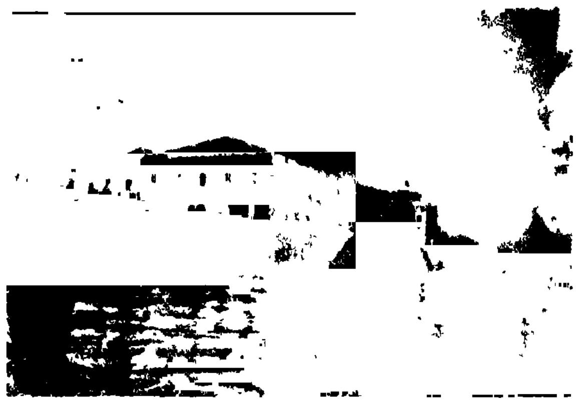
سائنس کے مشغلے

اپنے اسکول کے سائنس کے کمرے سے یا کسی بڑی دوکان سے جہاں سے سائنس کا سامان ملتا ہو ایک فلاسک گول پیندے کا لے آؤ  یہ آدھا پانی سے بھر دو۔ اس پانی کو اسپرٹ لمپ سے اُبالو تھوڑی دیر تک اُبلنے دو۔ پھر لمپ بجھا کر فلاسک میں فوراً ڈاٹ لگادو۔ اور اسے اس طرح  اُلٹا کرد اب ایک کپڑا ٹھنڈے پانی سے بھگو کر فلاسک کے پیندے پر رکھو۔ پانی ابلے گا اور تمھارے دوست دیکھ کر حیران ہوں گے۔

اگر تم اپنے کسی دوست سے کہو گے کہ میں کاغذ میں پانی گرم کرسکتا ہوں تو وہ حیران ہوگا۔ ہم تمھیں ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ ایک کاغذ لو اور اسے اس طرح  موڑو۔ پھر اس کے کناروں میں چھید کرکے تاگا باندھ دو اور اسے کسی چیز میں چھینکے کی طرح لٹکا دو۔ اب کاغذ میں تھوڑا سا پانی ڈالو اور کاغذ کے نیچے آگ جلا دو۔ پانی گرم ہوجائے گا۔ کاغذ کا توازن برابر ہونا چاہیئے۔

سید علی عباس (لکھنو)۔

فوٹو گرافی کا انعامی مقابلہ



(احمد الصمد بلوچ) 'عکس' (دوسرا انعام)



(محمد ... پیلاس مرینہ) برف کی موک (پہلا انعام)



... (تیسرا انعام)



(محمد اقبال کیمبل پور) کمبھ میلا ہردوار (تعریف کے قابل)

تعلیمی برادری کے چند ممبر



مصطفی الحسن (پٹنہ)



ام ظفر اللہ (کلکتہ)

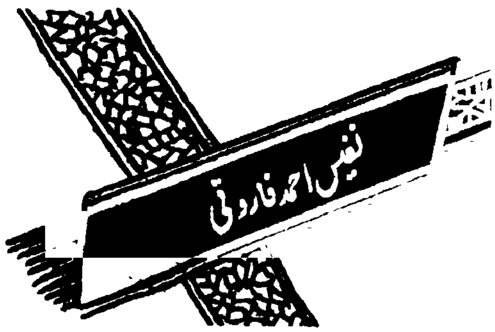


ملک احسان الٰہی (سیالکوٹ)



احمد یاد اللہ (عدن)

اپرل فول



یہ مہینہ انگریزی سال کا چوتھا مہینہ ہے اس کے پہلے ہفتے میں بہت عجیب عجیب مذاق ہوتے ہیں اور لطف یہ کہ بڑے سے بڑے مذاق کو برا نہیں مانا جاتا۔ اس مذاق کو اپرل فول (APRIL FOOL اپرل کا بے وقوف) کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں اس دن لوگ کوئی اور تہوار منایا کرتے تھے۔ اب وہ تہوار تو باقی نہیں ہے لیکن اس کی جگہ یہ دلچسپ چیز قائم ہے۔

ہم یہاں ایک مذاق کا حال بیان کرتے ہیں امید ہے کہ تم بھی دلچسپی سے پڑھوگے۔

چنّو میاں نے ایک دن ایک پرچے میں پڑھا۔

"تم اپرل فول (APRIL FOOL) کی بابت کچھ جانتے ہو؟ نہیں جانتے؟ تو ابا میاں سے پوچھو!"

چنّو میاں بھاگے بھاگے ابا جان کے پاس پہنچے اور ان پر اپریل فول کے متعلق سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔ جب یہ خاموش ہوئے تو انھوں نے کہا۔

"دیکھو کل اپریل کی پہلی تاریخ ہے۔ کل تمھیں اپرل فول کی بابت سب کچھ بتا دیں گے۔"

چنّو میاں خاموش ہوگئے مگر بہت بے چینی سے دوسرے دن کا انتظار کرنے لگے۔

دوسرے دن ان سے ابا جان نے کہا "دیکھو چنّو میاں۔ آج ہمارے کچھ دوست رات کو کھانے پر آئیں گے۔ تم ہمارے ہی ساتھ رہنا۔"

"مگر ابا جان ہمیں اپریل فول کی بابت تو بتا دیجیے۔" "ہاں ہاں بھئی رات کو کھانے کے بعد

بتادیں گے۔"

دوپہر کو چنو میاں کا نوکر ان کے ابا جان کے سب دوستوں کو ایک ایک خط دے آیا اس میں لکھا تھا۔

"آج رات کو آپ کھانا میرے ہاں کھائیے۔"

رات کو سب دوست جمع ہوگئے چنو میاں نہایت مستعدی سے انتظام کرتے پھر رہے تھے مگر انھیں اس بات پر تعجب تھا کہ ان کے یہاں آدمی تو اتنے جمع ہیں مگر کھانا ایک آدمی کا بھی زیادہ نہ پکا تھا۔ بہت دیر کے بعد ان کے ابا جان نے مہمانوں سے کہا" اب آپ لوگ کھانے کے کمرے میں آئیے۔"

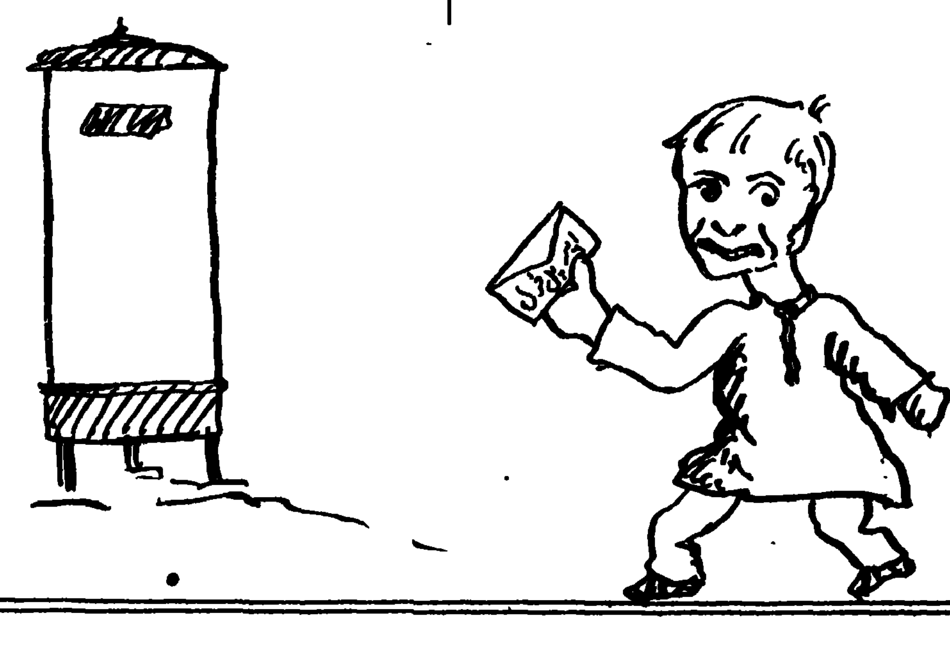
میز پر بہت سی رکابیاں اور چمچے الٹے رکھے تھے پاس ہی ڈونگے وغیرہ بھی تھے۔ چنو میاں کے ابا جان بولے۔

"تشریف رکھئے"

سب بیٹھ گئے اور اپنی اپنی پلیٹیں سیدھی کیں۔ ہر پلیٹ پر موٹے موٹے حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔

"اپنا ساتھ لایا ہوا کھانا اس میں اتاریئے۔"

بعد میں چنو میاں کو اپرل فول کا مطلب سمجھا دیا گیا۔



سائنس کی الماری

محمد حسین حسان

آج عمر کامل میاں مدرسے سے آئے تو بہت جلدی میں تھے جیسے کسی چیز کی تلاش میں ہوں باپ نے پوچھا "کیوں بھئی کیا بات ہے آج تمھاری چال میں بہت تیزی ہے؟"

عمر کامل:- ابا اس دن آپ گتا لائے تھے اپنی دیوار پر لگانے کے لئے۔ وہ ہمیں تھوڑا سا دے دیجئے۔

ماں:- ہاں ہاں بیٹے کچھ کٹے ہوئے ٹکڑے پڑے تو ہیں مگر تم کروگے کیا۔

عمر کامل:- بس وہی کافی ہیں۔ دیکھئے ہماری آپا جان ہیں جامعہ میں پڑھاتی ہیں۔ آپ توان سے مل بھی آئی ہیں۔ تو وہ سائنس کی الماری بنا رہی ہیں انھوں نے سب بچوں سے کہا ہے کہ جس جس بچے نے اب تک جو جو چیزیں گھر میں یا گھر سے باہر گھوم پھر کر جمع کی ہیں وہ کل لیتا آئے۔ آپا جان ان سب چیزوں کو الماری میں سجائیں گی۔ انھوں نے پالتو جانور، کیڑے اور پودے وغیرہ بھی لانے کو کہا ہے۔

باپ:- تو تم کیا لے جاوگے؟

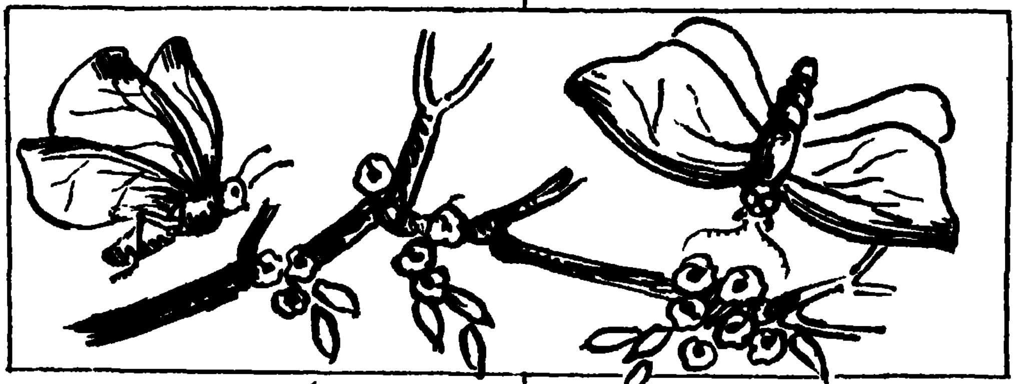
عمر کامل:- یہی راستے بھر میں بھی سوچتا رہا مگر پھر خیال آیا کہ میں نے آپ کے ساتھ باغ کی سیر کرتے وقت بہت سی تتلیاں جمع کی تھیں۔ وہی کیوں نہ لے جاؤں۔ آپ نے انھیں محفوظ رکھنے کا طریقہ بھی تو بتایا تھا اسی لئے تو وہ اب تک اچھی حالت میں ہیں۔ دیکھئے میں نے کتنی محنت کی تھی۔ یہ محنت اب کام آئی۔

باپ:- ہاں بیٹے نہیں تو اور بچے اچھی اچھی چیزیں لے جاتے اور تم جھینپ کے مارے کونے میں چھپے چھپے پھرتے۔

عمر کامل:۔ ہاں اماں بس یہ ٹھیک ہیں میں سب تتلیاں پنوں سے ان گتوں پر لگائے دیتا ہوں۔

تمھے بس وہی لے لو۔

دوسرے دن صبح تڑکے عمر کامل نے



ماں:۔ بھئی شاباش تم نے بہت سلیقے اور صفائی سے تیتریاں لگائی ہیں جامعہ کے استادوں اور آپا جان نے تمھیں تھوڑے ہی دنوں میں کچھ سے کچھ کر دیا ہے۔

عمر کامل:۔ مگر اماں کوئی چیز ہوتی جس میں یہ گتے رکھ کر میں مدرسے لے جاتا۔ ایسے تو یہ خراب ہو جائیں گی۔ اور لے جانے میں بھی دقت ہوگی۔

باپ:۔ کل میں ننھی کے لئے اور تمھارے لئے نئے جوتے لایا تھا ان کے ڈبے خالی ہوں گے۔ تمھاری اماں نے الماری میں رکھ دیئے

تیتریوں کے گتے سنبھال کر دونوں ڈبوں میں رکھ دیئے امی نے ان دونوں کو سُتلی سے باندھ دیا کہ لے جانے میں آسانی ہو۔ اتنے میں مدرسے لے جانے والی لاری بھی آگئی اور عمر میاں لاری میں بیٹھ، تھوڑی دیر میں مدرسے پہنچ گئے۔

یہاں سب بچے ان کے چاروں طرف اکٹھے ہو گئے کہ دیکھیں یہ کیا لائے ہیں۔ آپا جان بھی آگئیں۔ تتلیاں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں کہنے لگیں" شاباش بیٹے یہ تم نے بہت اچھی چیز جمع کی ہے۔ اچھا اب اسے الماری میں رکھ دو تا کہ سب آسانی سے دیکھ سکیں، اور بچے بھی اپنی اپنی چیزیں

اسی میں رکھ دیں۔"

یہ شیلف یا الماری دو فٹ چوڑی تھی اور بس اتنی اونچی کہ بچے اس کے اندر رکھی ہوئی چیزیں آسانی سے دیکھ سکیں۔

بچوں نے عمر کامل سے تتلیوں کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھیں اور عمر نے ان سب کا جواب دیا آخر احسان نے پوچھا انھیں تتلیوں کے بارے میں اتنی بہت سی باتیں کہاں سے معلوم ہو گئیں۔"

عمر کامل:۔ بھئی جب میں تتلیوں کو پکڑتا تھا تو انھیں خوب غور سے دیکھتا تھا۔ پھر تتلیوں کے بارے میں لائبریری میں مجھے ایک کتاب بھی مل گئی وہ بھی میں نے نکلوا کر پڑھی۔

آپا جان:۔ دیکھو بچو! ہمارے عمر نے اپنے آس پاس کی چیزوں کو سمجھنے کے لئے دو بڑی اچھی باتیں بتائی ہیں ایک تو یہ کہ ہم ہر چیز کو بہت قریب سے دیکھیں دوسرے اس کے بارے میں کتابیں پڑھیں تمھیں روزمرہ ایسی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے جنھیں تم سمجھ نہیں سکتے۔ اور تمھارے دل میں طرح طرح کے سوال پیدا ہوتے ہیں میں ان سوالوں کے حل کرنے میں تمھاری مدد کروں گی اور مجھ سے زیادہ کتابیں تمھیں مدد دیں گی۔ مگر تمھارا جی تو یہی چاہتا ہوگا کہ جہاں تک بنے تم خود ہی اپنے دماغ پر زور ڈال کر ان چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ تمھاری آنکھیں، تمھارے کان، تمھاری انگلیاں یہاں تک کہ تمھاری ناک بھی اس بات میں تمھاری بہت مدد کرے گی اگر تم ان سب چیزوں کو صحیح طریقے پر استعمال کر سکو۔

(باقی)



آئینہ

عبدالوحید درجۂ دوم دہلی

شیشہ بھی ہے عجب کھلاڑی کھیل نئے دکھلاتا ہے
جیسا میں کرتا ہوں ویسی نقل بناتا ہے

گال پھلاتا ہوں جب میں آنکھوں کو مٹکاتا ہوں
یہ بھی اپنے گال پھلا کر آنکھوں کو مٹکاتا ہے

بستہ داب بغل میں، جب میں تختی خوب ہلاتا ہوں
ٹھمک ٹھمک کر ناچ ناچ کر جب میں گانا گاتا ہوں

اُچھل اُچھل کر ٹھمک ٹھمک کر یہ بھی راگ اڑاتا ہے
بول نہیں سکتا ہے لیکن باتیں خوب بناتا ہے

دعوت

محمد حسین حسان

نصیر:۔ اکرم بھیا کچھ یاد ہے آج آپ نے پیام برادری کے ممبروں کی دعوت کی تھی۔ افضل، نصیر، موہن، ارشد سب آئیں گے۔

اکرم:۔ ہاں ہاں یاد ہے۔ چار بجے سب کو بلایا ہے۔ ابھی تو بھی نہیں بجے ہیں اتنی گھبراہٹ کاہے کی ہے سب انتظام ہو جائے گا۔

ماں:۔ یہ پیام برادری کیا بلا ہے جب دیکھو اسی کا ذکر جب دیکھو اسی کا ذکر۔

نصیر:۔ امی یہ بڑی اچھی انجمن ہے۔ آپا جان نے قائم کی ہے۔ پیام تعلیم کی آپا جان نے۔ اس کی بدولت ہم سے بہت اچھے اچھے لڑکوں سے دوستی ہوگئی تقریر کرنا آگیا۔ اور کئی اچھے اچھے مشغلے مل گئے۔

ماں:۔ خیر بھئی ہوگا؟ یہ بتاؤ دعوت میں کیا کیا چیزیں ہوں گی۔ میرے خیال میں پھلکیاں نمک پارے وغیرہ گھر میں ہو جائیں باقی بسکٹ میوہ اور مٹھائی بازار سے منگوا لینا۔

اکرم:۔ بہت اچھا

نصیر:۔ بھائی جان دعوت کہاں ہوگی؟

اکرم:۔ باغ میں کریں گے۔

نصیر:۔ اہا پھر تو بڑا مزا رہے گا۔

اکرم:۔ اچھا میز کرسیاں بچھانے کا انتظام تمہارے ذمے ہے۔

نصیر:۔ بہت اچھا میں ابھی سے انتظام کرتا ہوں۔ اور مالی سے کہتا ہوں تین چار گلدستے بنا دے۔

نصیر:۔ دیکھئے سب انتظام ٹھیک ہوگیا نا میز کرسیاں بھی لگادی گئیں ان پر میز پوش بھی ڈال دیئے گئے۔ اور سامان بھی رکھ دیا۔ اگر صبح سے انتظام نہ کرتے تو کتنی پریشانی ہوتی۔

اکرم:۔ ہاں بھئی تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب بس مہمانوں کے آنے کی دیر ہے۔

ماں:۔ تم دونوں کپڑے تو بدل لو کیسی شکل بنا رکھی ہے۔

اکرم اور نصیر نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اتنے میں مہمان بھی آنا شروع ہوگئے۔ سب آگئے تو میز کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور باتیں شروع ہوئیں

افضل:۔ بھائی اکرم یہ تم نے بہت اچھا کیا جو کھلے میدان میں دعوت کا انتظام کیا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کھانا بھی صبح شام دوستوں کے ساتھ مل بیٹھ کے باہر ہی کھاؤں۔

رشید:۔ اور جو مینھ برسنے لگے؟

اقبال:۔ اور جو خوب سردی پڑ رہی ہو تب بھی آپ رات کو باہر ہی کھائیں گے؟

افضل:۔ ہاں ہاں کیوں نہیں شام کو جب ٹہلنے گئے سامان لیتے گئے اور مزے سے شام کا ناشتہ کیا۔ اور گھر واپس آگئے۔

رشید:۔ بات تو ٹھیک ہے مگر وہاں ایسی میزیں اور ایسے خوب صورت میز پوش کہاں سے آئیں گے؟

سب اسی طرح باتوں میں مشغول تھے اکرم نے کہا "بھائی یہ غلط بات ہے چاء ٹھنڈی ہورہی ہے۔ کھاتے بھی جاؤ اور باتیں بھی کرتے جاؤ" اب سب بچے ادھر مشغول ہوگئے۔ تھوڑی سی پھلکیاں اور بسکٹ وغیرہ کھا پائے تھے۔ پیالیوں میں شکر ڈال رہے تھے کہ کالے بادلوں کا ایک ٹکڑا سورج کے سامنے آگیا۔ ہوا کے تیز تیز جھونکے آنے لگے۔ پھر تو بہت زور کا جھکڑ چلنے لگا اور آسمان گرد و غبار سے اٹ گیا۔

اکرم:۔ ارے یہ کیا! جیسے آندھی رہی ہو۔

نصیر:۔ ارے پکڑو پکڑو۔ وہ میز پوش اڑا جا رہا ہے۔

افضل:۔ بھئی جلدی جلدی برتن سمیٹو۔



چلو سب چیزیں اندر لے چلیں۔

اکرم اور نصیر نے جلدی جلدی پیالیاں اکٹھا کیں افضل اور رشید نے میزیں اٹھائیں دوسرے بچوں نے کرسیاں ہاتھوں میں لیں۔ نصیر کی اما نے بھی کچھ مدد کی اور سارا سامان بات کہتے اندر پہنچ گیا۔ دروازے اور کھڑکیاں بند کر دی گئیں

اور بچے شیشوں میں سے آندھی کا تماشا دیکھنے لگے بادل کا ٹکڑا بڑھتے بڑھتے تمام آسمان پر چھا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغرب کا وقت ہو گیا ہے کوندا بھی ہونے لگا۔ بادل کی گرج سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ رشید چلا کر بولا۔ "واہ بھئی بوندیں بھی پڑنے لگیں ارے اب تو موسلا دھار مینھ



برسنے لگا۔ افضل بھائی اب گھر کیسے جائیں گے۔

افضل:۔ بھائی سارا مزا کرکرا ہو گیا۔

نصیر کی امی:۔ نہیں نہیں مزا کاہے کو کرکرا ہوتا یہ دیکھو الماری میں بہت سے کھیل رکھے ہیں انھیں اٹھالاؤ اور خوب کھیلو۔

نصیر:۔ مگر بھئی پہلے دعوت تو ختم ہو جائے اچھا اب آپ لوگ اس میز کی طرف آجائیں پانی کا تماشا پھر دیکھ لیجئے گا۔

سب بچے بڑی میز کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ بیچ بیچ میں ہنسی مذاق بھی ہوتا جاتا تھا۔

اکرم:۔ دیکھو کس مزے اور اطمینان سے بیٹھے تھے اور ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا۔

نصیر:۔ جی ہاں مگر ہماری دعوت میں تو فرق آیا نہیں باہر نہ سہی اندر سہی۔

افضل:۔ جی اس میں کیا شک ہے۔ مگر بھائی اس وقت تو ہمیں ایسا مزا آرہا ہے جیسے بہت دور پکنک کے لئے گئے ہوں۔

رشید:۔ دیکھو تھوڑی دیر پہلے موسم اچھا خاصا تھا دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

نصیر:۔ مگر گرمی کتنی تھی باغ میں بیٹھے تھے پھر بھی پسینہ آرہا تھا کچھ خبر بھی ہے آج ۲۰ جون ہے ۲۰ جون ماسٹر صاحب کہتے تھے ۱۵ جون سے برسات شروع ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے پانچ دن بعد مینہ برسا

مجتبیٰ:۔ واقعی گرمی جیسے دم دبا کر بھاگ گئی۔ موسم کیسا خوشگوار ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے خوب اچھلو کودو۔

نصیر:۔ میرا جی تو نہانے کو چاہتا ہے۔

رشید:۔ اور میرا بھی۔

اکرم:۔ اور بھئی میرا بھی۔ کیوں امی نہالیں؟

نصیر کی ماں:۔ نہیں بیٹے اب مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔ ناوقت نہیں نہانا چاہیئے بیمار پڑ جاؤ گے کل دیکھا جائے گا مینہ تو روز برسے گا چار مہینے برسات کے پڑے ہیں

رزمک کی سیر

عبدالمجید ترین بی۔اے

ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر رزمک وزیرستان کا مشہور فوجی کیمپ ہے۔ رزمک کی بلندی تقریباً ۷۰۰۰ فٹ ہے۔ سردیوں میں برف پڑتی ہے مگر گرمی کا موسم مزے کا ہوتا ہے اور اکثر لوگ یہاں سیر کے لئے آتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کی گرمیوں میں پولیٹکل ایجنٹ صاحب ٹوچی کی مہربانی سے میرن شاہ[۱] کے ملازموں کے لڑکوں کے لئے رزمک کی سیر کا اہتمام کیا گیا۔ ۲۰ر جولائی کی سہ پہر کو ہم نے خوشی کے نعروں میں میرن شاہ کو الوداع کہا۔ لاری میں جگہ تنگ تھی۔ تاہم دو چار میل کا سفر اٹھتے بیٹھتے گذر گیا اور ہم اِشہ موڑ پر پہنچ گئے جہاں رزمک اور بنوں کی سڑکیں جدا ہوتی ہیں۔ اس جگہ ایک چشمہ ہے جس کے پانی میں گندھک کی ملاوٹ ہے۔ پہاڑی سفر کے تھکے ماندے مسافر یہاں تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں۔ اور انگور وغیرہ خریدتے ہیں جو ٹوچی کے مشہور گاؤں پتی سے یہاں بکنے کے لئے آتے ہیں۔

اشہ موڑ سے تھوڑی دور آگے دریائے ٹوچی عبور کرنا پڑتا ہے جس پر لوہے کا مضبوط پل بنا ہوا ہے۔ اسے ٹل پل کہتے ہیں۔ ٹل پل سے آگے دو چار میل تک لاری بلند پہاڑوں تک چکر کاٹتی ہوئی بڑھتی ہے۔ یہاں سے وادی ٹوچی کا نظارہ بہت پر لطف ہے۔ آٹھ دس میل نیچے مقام میر علی[۲] تک سارا علاقہ دکھائی دیتا ہے جو نہایت سرسبز اور گنجان آباد ہے۔

اس سے آگے چند میل تک سفر بے لطف رہا۔ سڑک کے ہیر پھیر اور چڑھائی اور اتار کے سبب لاری

[۱] میرن شاہ ٹوچی ایجنسی (شمالی وزیرستان) کا صدر مقام ہے۔ دیکھو مضمون "علاقہ غیر کا پٹھان" سالنامہ ۳۶ء

[۲] میر علی بھی ایک فوجی کیمپ ہے جو بنوں سے میرن شاہ کے راستے میں آتا ہے میر علی شمال کی طرف سپین وام کو سڑک جاتی ہے۔

کے ہچکولوں سے بہت سے لڑکوں کی طبیعت بدمزا ہونے لگی۔ اس لئے مقام ڈمڈیل پر ٹھیرنا پڑا اکثر لڑکے سڑک کے دونوں طرف پتھروں پر لیٹ گئے مگر کئی ایک منچلے جھاڑیوں پر چڑھ گئے اور گرگرے⁵¹ کھاتے رہے۔

ڈمڈیل سے آگے ہوا میں خنکی محسوس ہونے لگی۔ اب ہم بنجر علاقے میں سے گذر رہے تھے۔ اور کوئی دلچسپی تو تھی نہیں سب نے مل کر گانا شروع کر دیا۔ عبدالسلام کا گانا سب کو پسند آیا۔ اسی شغل میں ہم اسدخیل پہنچ گئے۔ اس گاؤں کا نظارہ بہت دلکش ہے۔ اسدخیل کے قریب پھر سرسبز علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ گاؤں سے تھوڑی دور، سرکار نے پانی کے انجن لگا رکھے ہیں جہاں سے فوج کی آمد و رفت کے موقع پر سڑک کے کنارے عارضی کیمپوں کے لئے نل کے ذریعے پانی پہنچتا ہے۔ اسدخیل سے کوئی تین میل آگے ملیشیہ کی زبردست چوکی دوسعلی⁵² ہے۔ یہاں سے میرن شاہ اور رزمک کا فاصلہ برابر ہے۔ دوسعلی کے پولیٹیکل محرر کو ہمارے آنے کی خبر دی گئی تھی۔ انھوں نے ہمارے آرام کے لئے بہت سی چارپائیاں بچھادیں اور کمال مہربانی سے شربت اور سوڈا واٹر سے ہماری تواضع کی۔ سوڈا واٹر کی بوتلیں تو سب خالی ہوگئیں مگر شربت بچارے کو کسی نے نہ پوچھا۔ دوسعلی سے آگے ملک کا نظارہ اور موسم بالکل بدل جاتے ہیں۔ گھاس یا جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی اونچی پہاڑیاں۔ گہری ندیاں اور کھڈ۔ چنانچہ چڑھائی اور اتار کے وقت ڈر سا معلوم ہوتا تھا۔ لاری کبھی پہاڑی کی چوٹی پر آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی اور کبھی گھاٹی میں غائب ہو جاتی۔

ہوا سرد ہو جانے کے باعث دوسعلی سے روانہ ہوتے وقت سب نے کوٹ پہن لئے۔ پانچ میل آگے گرداسے کا مقام ہے جہاں سے مغرب کی طرف دتہ خیل کو سڑک جاتی ہے۔ اور پھر مڑ کر میرن شاہ سے جا ملتی ہے۔ گرداسے سے آگے رزانی کیمپ سے گذر کر رزمک کی وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ ایک تنگ گھاٹی ہے جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں جو سردیوں میں برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ سڑک بائیں پہاڑ پر سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی چڑھتی ہے۔ راستہ تنگ ہے اور موڑوں کی کثرت ہے اس لئے لاری میں سنبھل کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ رزمک کی وادی کا نظارہ بہت پُرلطف ہے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں جن کے آگے

⁵¹ گرگرے ایک قسم کا پہاڑی میوہ جو بیر کے برابر ہوتا ہے۔
⁵² پچھلے سال دوسعلی سے مشرق کی طرف علاقہ خسواہ کو سڑک نکالی گئی ہے جو مقام میرعلی پر بنوں کی سڑک میں جا ملتی ہے۔

سیڑھی کی طرح بڑھتے ہوئے کھیت بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ چشموں کا پانی چاروں طرف بہتا پھرتا ہے۔ گرمی میں تو یہاں کافی چہل پہل رہتی ہے۔ مگر سردیوں میں جب وزیر گرم علاقے میں نیچے چلے جاتے ہیں تو یہاں ویرانہ سا معلوم ہوتا ہے اور سارا ملک برف کا ایک تختہ سا بن جاتا ہے۔

سات آٹھ میل کی چڑھائی کے بعد ڈنکن چوکی پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک چشمہ ہے۔ اس کے آگے سرکار نے ایک بڑی سی ٹنکی رکھوا دی ہے اس میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے اور پھر نل کے ذریعے نیچے چلا جاتا ہے۔ ہم یہاں تھوڑی دیر کے لئے اترے۔ نماز پڑھی۔ چٹانوں پر کودے پھاندے اور چل دئے ڈنکن چوکی سے آگے علاقہ کھلا کھلا اور قدرے ہموار ہو جاتا ہے۔ دو میل اور جا کر ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ رزمک کیمپ یہاں سے چار پانچ میل اور بھی آگے ہے۔ ملک میر جان خاں ٹھیکے دار کے مکان پر ہمارے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ باہر سے مکان معمولی معلوم ہوتا تھا مگر اندر جا کر مہمان خانہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ نئی وضع کی پختہ عمارت، کمروں کی چھت پر جستی ٹین کی چادر چڑھی ہوئی، فرش پر قالین بچھے ہوئے، کرسیاں سجی ہوئی۔ غرض نہایت عمدہ مکان تھا۔ ہمارے لئے چائے تیار تھی، اعلیٰ قسم کے بسکٹ، کیک، اور پیسٹری سے ہماری تواضع کی گئی۔ اس خاطر تواضع نے ہماری تکان دور کر دی اور ہم جھٹ باہر نکل کھڑے ہوئے۔ پاس ہی چھوٹا سا میدان تھا شام تک اس میں گلی ڈنڈا، کبڈی، گیند وغیرہ کھیلتے رہے۔ رات کو ہمیں نہایت تکلف کا کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد ہم نے جادو کی بانسری کا ڈراما کیا جو ہمارے میزبان وغیرہ نے بہت پسند کیا۔ محمد فیاض کا نقیر کا بہروپ بہت کامیاب رہا۔

رات کو بہت دیر میں سوئے تھے مگر سیر کے شوق میں بہت سویرے جاگ اٹھے۔ نماز اور چائے سے فارغ ہو کر پہاڑیوں کا ایک لمبا چکر لگایا۔ بڑے لڑکوں نے دوڑ لگائی جس میں امان اللہ اول رہا۔ اس علاقے کی سیر کے علاوہ رزمک کیمپ دیکھنے کا سب کو شوق تھا۔ مگر کیمپ کے اندر جانے کے لئے پاس لینا پڑتا ہے اور بچوں کا تو داخلہ ہی منع ہے۔ پولیٹکل تحصیل دار صاحب نے ہماری خاطر خاص اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے سبب ہمیں دو تین گھنٹے مکان پر ٹھیرنا پڑا۔ یہ وقت گراموفون بجانے۔ گانے بیت بازی۔ لوڈو وغیرہ کھیلنے اور جامعہ کی بچوں کی کتابیں پڑھنے میں گذرا۔ چند ایک چھوٹے لڑکوں کو بھوک لگی تو زمیندار (ہمارے میزبان کا لڑکا) ان کے لئے مکئی کی موٹی روٹی، چھاچھ اور پیاز لے آیا۔ بڑے لڑکوں سے بھی نہ رہا گیا اور سب نے اس دعوت میں حصہ لیا جو رات کی دعوت سے مزے دار

رہی۔

اب ہمیں خبر ملی کہ کیمپ کی اجازت نہیں مل سکتی جس سے بہت مایوسی ہوئی۔ ہمارا دوپہر کا کھانا ایک اور گاؤں میں تھا۔ چنانچہ ہم ادھر چل پڑے۔ اس دعوت میں اور بڑے بڑے افسران بھی بلائے گئے تھے اور کھانے میں ابھی دیر تھی۔ اس لئے صلاح ٹھیری کہ پہاڑ کی سیر کا لطف اٹھانا چاہئے۔ اس گاؤں سے پہاڑ بہت قریب تھا۔ چڑھائی بھی کچھ مشکل نہ تھی۔ البتہ وقت کم تھا۔ اللہ کا نام لے کر چل پڑے۔ چشموں کی کثرت تھی ان کا پانی جمع ہو کر آبشار بنا تا ہوا نیچے بہ رہا تھا۔ اس کے دونوں طرف لوگوں اور مال مویشی کی آمد ورفت کے باعث پگڈنڈی سی بن گئی ہے جس سے چلنے میں بہت آسانی ہوئی۔ عجیب قسم کے درخت اور پودے۔ جنگل کے پرندے۔ خوب صورت پھول رنگ برنگ کے پتھر۔ یہ سب کچھ دیکھتے بڑھے چلے گئے چھوٹے بچے تھوڑی دور چڑھ کر تھک گئے تھے انھیں بڑوں نے کندھوں پر اٹھالیا تھا۔ عبدالرب اور عنایت اللہ نے ہمت کی اور ساری چڑھائی میں کسی کے کندھے پر نہیں چڑھے۔ آخر سب تھک گئے۔ پہاڑ کی چوٹی تقریباً اتنی ہی دور تھی جتنی دور ہم آچکے تھے۔ چنانچہ واپسی کی ٹھان لی۔ مگر اترائی میں ہمیں بہت تھوڑا وقت لگا۔ واپسی پر سب لڑکوں نے اپنی پسند کے مطابق۔ پتھر۔ پھول۔ پودوں کی ٹہنیاں درختوں کے پتے وغیرہ جمع کئے۔ جب ہم گاؤں میں پہنچے تو بڑے مہمان کھانے پر بیٹھ چکے تھے۔ ہمارے لئے علیحدہ کمرے میں بندوبست کیا گیا۔ خالص وزیری کھانے چُنے گئے تھے۔ گوشت کی کثرت تھی۔ مصالحہ کی خوشبو سے سر میں درد ہونے لگا۔ شامی کباب۔ تلا ہوا کلیجہ اور دُنبے کی بھنی ہوئی سالم چھاتی خاص چیزیں تھیں۔ کھانے کے بعد میوہ تقسیم کیا گیا اور آخیر میں سبز چائے پلائی گئی۔

دعوت سے فارغ ہو کر ہم اپنی قیام گاہ کو واپس آئے۔ راستے میں زمیندار کو کسی کام کے لئے واپس ہونا پڑا۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر چند منٹوں میں ہمارے پاس واپس پہنچ گیا جس پر سب نے اس کے اعلےٰ سوار ہونے کی داد دی۔ دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کیا اور چائے پینے کے بعد سہ پہر کو کیمپ کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اگرچہ کیمپ کے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ مگر ہم نے قریب سے ایک پہاڑی پر چڑھ کر کیمپ کے نظارے کا پورا لطف اٹھایا۔ کیمپ کے اردگرد خاردار تار کا جنگلا ہے اور رات کو چاروں طرف بجلی کی روشنی رہتی ہے۔ قریب کی پہاڑیوں پر برج بنے ہوئے ہیں جن میں فوج کے سپاہیوں کا پہرا رہتا ہے۔ رزمک کیمپ ۱۹۲۳ء میں قائم ہوا ہے پہلے سب فوج خیموں میں رہا کرتی تھی۔

مگر اب سب پکی بارکیں بن گئی ہیں۔ افسروں کے بنگلے اور مسکوٹ نہایت عالی شان ہیں۔ کیمپ کی صفائی کا عمدہ انتظام ہے سڑکیں کھلی کھلی ہیں۔ ان پر سفیدے کے سیدھے درخت دونوں طرف لگائے گئے ہیں۔ ایک دو چھوٹے چھوٹے باغ بھی ہیں جن میں قسم قسم کے پھولوں کے پودے اور میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹا سا بازار ہے جس میں بدیشی سامان کی بہت بڑی بڑی دوکانیں ہیں۔ ایک سینما بھی ہے۔ کیمپ کے باہر اور اندر مختلف کھیلوں کے میدان اور کورٹ بنے ہوتے ہیں۔ رزمک کیمپ کے اندر ہر شخص پر فرض ہے کہ باوردی افسر کو سلام کرے۔

کیمپ کے باہر سرکار نے ایک بہت بڑی سرائے ملیوں کے رہنے کے لئے بنائی ہے۔ رزمک کے مزدور کوہستان اور پونچھ کے علاقے کے رہنے والے ہیں۔ جن کی حالت مفلسی اور موسم کی سختی کے باعث بہت بری تھی۔ حال ہی میں ایک وزیر ملک نے ایک اور سرائے بنائی ہے جس میں اہلکاروں کے بال بچے رہتے ہیں۔ کیمپ کے جنوب مغرب میں ایک ندی شوران الگڈ نام بھی ہے۔ یہ وزیروں اور محسودوں کی حد مانی گئی ہے۔ آس پاس کی زمینوں کی ملکیت کے سوال پر پچھلے زمانے میں ان قوموں میں ہمیشہ جھگڑا رہا کرتا تھا اور کشت و خون ہوتا تھا۔

یہ سارا تماشا دیکھتے ہوئے ہم کوئی چھ بجے کی لاری میں سوار ہو کر واپس میرن شاہ روانہ ہوئے۔ ڈمڈیل پہنچتے پہنچتے بارش نے آلیا اور سب کے کپڑے وغیرہ بری طرح بھیگ گئے۔

میرن شاہ میں بھی بارش تھی پھر بھی سب لڑکوں کے باپ بچوں کی انتظار میں لاری کے اڈے پر موجود تھے۔

ہم تو سیر میں خوش رہے۔ مگر والدین سخت اداس رہے کیونکہ سب گھر بچوں سے خالی رہ گئے تھے۔ اس خاکسار نے جو اس پارٹی کے ساتھ نگراں کے طور پر ہمراہ رہا سب بچوں کے خیر و عافیت گھر پہنچ جانے پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا +

سعادت پندرہ روزہ :-

ابھی تھوڑے دنوں سے ایک پندرہ روزہ پرچہ سعادت کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ لطیف فاروقی صاحب ایڈیٹر ہیں۔ پرچے میں بچوں کے لئے کہانیاں معلومات مضامین لطیفے غرض دلچسپی کی سبھی چیزیں ہوتی ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ بھی اچھا ٹائٹل بہت خوب صورت۔ قیمت سالانہ للعہ۔ مقام اشاعت لاہور۔

مولانا شوکت علی

عبداللطیف اعظمی متعلم جامعہ

تم نے اخباروں اور رسالوں میں مولانا شوکت علی صاحب کے انتقال کی خبر پڑھی ہوگی۔ مولانا یہیں دہلی میں تھے۔ بہت بیمار بھی نہیں تھے۔ معمولی بیماری تھی۔ مگر اچانک ۲۷ نومبر کو کوئی ۹ بجے صبح انتقال ہوگیا۔ بورڈنگ، ان کے مکان سے قریب ہی ہے۔ ہمیں جب معلوم ہوا تو بڑا اچنبھا ہوا۔ دوڑے ہوئے گئے تو دیکھا کہ جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ، اسمبلی کے بہت سے ممبر اور شملہ کے بہت سے بڑے بڑے لوگ جمع ہیں۔ کچھ لوگ دفن کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور کچھ لوگ ان کے عزیزوں کو تار وغیرہ بھیج رہے ہیں۔ میت ایک کمرے میں رکھی ہوئی تھی، جہاں دیکھنے والوں کا ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔ انھیں دیکھنے کے بعد سنہ ۱۳ء سے لے کر آج تک کے تمام کارنامے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔

تمھیں تو خیر کیا معلوم ہوگا، اپنے استاد یا والدین سے پوچھنا، سنہ ۲۰ء میں ان کا اور ان کے چھوٹے بھائی محمد علی کا نام بچے بچے کی زبان پر تھا اور ہر چھوٹا بڑا

"ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو
بولیں اماں محمد علی کی + جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی + جان بیٹا خلافت پہ دے دو"

پڑھتا تھا۔

ان دونوں بھائیوں نے ہمارے ملک ہندوستان اور خاص طور پر مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت کی ہے ان کو صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں کی فکر نہیں رہتی تھی بلکہ باہر کے دور دور کے مسلمانوں کی تکلیف سے بھی بے چین ہو جاتے تھے۔

مولانا شوکت علی سنہ ۷۳ء میں رام پور میں پیدا ہوئے والد کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہوگیا۔ والدہ نے تعلیم کا انتظام کیا۔ معمولی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اس کے بعد بریلی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل ہوئے پھر مدرستہ العلوم علی گڑھ گئے جسے آج کل مسلم یونیورسٹی کہتے ہیں۔ یہاں انھیں کرکٹ کے کھیل میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔

اور کرکٹ کے کپتان بنادئے گئے۔ یہ عہدہ اس زمانے میں علی گڑھ میں بہت اہمیت رکھتا تھا۔

یہاں سے فارغ ہوکر انیون کے محکمے میں ملازم ہوگئے۔

تم نے پڑھا ہوگا کہ ۱۹۱۱ء میں ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ یورپ کی بعض حکومتوں نے ترکوں کے ملک پر قبضہ کرنا چاہا تھا۔ علی بھائیوں (محمد علی اور شوکت علی) نے ترکوں کی حمایت میں تقریریں کیں اور بہت سے مضامین لکھے۔ اس پر ان دونوں بھائیوں کو نظر بند کر دیا گیا۔

۱۵ مئی ۱۹۱۵ء کو علی بھائی گرفتار ہوئے تھے اور ۴۔۵ سال کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں انھیں رہا کیا گیا۔ اس زمانے میں امرتسر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے جلسے ہو رہے تھے۔ کانگریس کی صدارت موتی لال نہرو اور مسلم لیگ کی حکیم اجمل خاں مرحوم کر رہے تھے۔ یہ دونوں بھائی رہا ہوتے ہی سیدھے امرتسر روانہ ہو گئے۔ راستے میں جس جس اسٹیشن سے گذر ہوتا، ہندو مسلمان بہت بڑی تعداد میں ان کو دیکھنے آتے۔ امرتسر کے اسٹیشن پر جس وقت پہنچے تو ہزاروں ہندو مسلمان وہاں موجود تھے۔

آج سے کوئی اٹھارہ انیس برس پہلے ہمارے دیس میں آزادی کی لڑائی چھڑی تھی۔ قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ حکومت کا بائکاٹ کیا جائے سرکاری نوکری چھوڑ دی جائے اور طالب علم اسکولوں اور کالجوں سے نکل آئیں۔

اس فیصلے کے بعد مولانا محمد علی علی گڑھ گئے اور وہاں کے لوگوں سے کہا کہ وہ بھی عام مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ اور حکومت سے کوئی لگاؤ نہ رکھیں مگر وہاں کے لوگوں نے انکار کر دیا۔ اس پر علی بھائیوں نے طلبہ کو جمع کرکے یونیورسٹی چھوڑ دینے کی رائے دی اور طالب علموں کی ایک جماعت نے یونیورسٹی کو چھوڑ دیا۔ وہیں علی گڑھ میں خیمے گاڑ دئے گئے اور ان طالب علموں کی تعلیم شروع کی گئی۔ بعد میں دوسرے کالجوں سے بھی بہت سے لڑکے نام کٹوا کٹوا کر آگئے اور خیمے ناکافی ہوئے تو چند مکان کرایہ پر لے لئے گئے۔ اس نئی درسگاہ کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ رکھا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ علی گڑھ سے دہلی آگئی۔

تم نے مولانا شوکت علی کے نام کے ساتھ "ضیغم اسلام" بھی لکھا دیکھا ہوگا۔ "ضیغم" کے معنے جانتے ہو؟ شیر کے ہیں۔ یعنی مولانا شوکت علی کو قوم نے شیر اسلام کا خطاب دیا تھا۔ یہ محض خطاب ہی نہ تھا، وہ واقعی شیر تھے، بڑی سے بڑی مشکل اور سخت سے سخت مصیبت سے بھی کبھی گھبراتے نہ تھے۔ مایوس تو کبھی ہوتے ہی نہ تھے۔ ہمت اور جرأت تو ان کی مشہور ہے۔ مضمون کے

بڑا ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم تمھیں ان کی بے خوفی کے بہت سے واقعات سناتے۔ تم اپنے استا دیا والدین سے پوچھنا۔

علی بھائیوں کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ، ہندو مسلم اتحاد کی کوشش ہے، دونوں بھائی چاہتے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے آئے دن کے جھگڑے اور لڑائیاں ختم ہوجائیں اور دونوں قومیں بھائی بھائی کی طرح کام کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہندو مسلم جھگڑے ختم ہوجائیں اور آپس میں دونوں قومیں سمجھوتا کرلیں تو بڑی آسانی سے ہمیں آزادی مل سکتی ہے۔

لطیفے

ڈاکٹر:۔ کہو بھئی اب تمھارے آقا کی طبیعت کیسی ہے۔
نوکر:۔ حضور ویسے تو اچھے ہیں مگر کچھ گھبرا سے رہے ہیں۔
ڈاکٹر:۔ اچھا اچھا ان سے کہنا میں اپنا بل ایک ہفتے میں بھیجوں گا۔

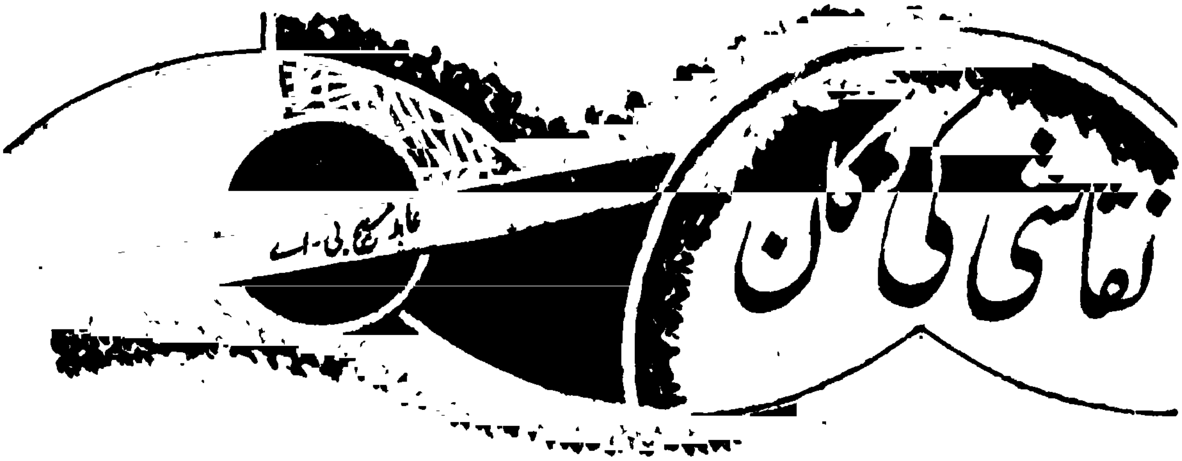
حکیم:۔ یہ نسخہ لو۔ چھ گولیاں بنا کر دو دو گھنٹے بعد کھانا۔
مریض (دوسرے دن):۔ حکیم جی کل کے مقابلے میں آج میری طبیعت اچھی ہے۔
حکیم:۔ اچھا ذرا نسخہ دکھاؤ۔
مریض:۔ وہ تو میں گولیاں بنا کر کھا گیا۔ آپ ہی نے تو کہا تھا۔　　(غلام یزدانی حیدر آباد)

ٹکٹ چیکر (چلتی گاڑی میں) سادھو جی، ٹکٹ
سادھو:۔ ٹکٹ وکٹ کچھ نہیں
ٹکٹ چیکر:۔ پھر تم کیسے جارہے ہو
سادھو:۔ جیسے بیرنگ چھٹی جاتی ہے۔

ایک چھوٹا لڑکا:۔ بھیا تمھارا انڈا تو گرم ہے میرا نجانے کیوں ٹھنڈا ہے۔
بھائی (بھولے پن سے):۔ اماں نے اسے ٹھنڈے پانی میں اُبالا ہوگا۔　　(محمد مصطفےٰ صدیقی)

بیگم:۔ اری تو نے چولھے میں کیا ڈال دیا ہے بڑی جو بو آرہی ہے
ماما:۔ کچھ نہیں سرکار کچھ موم بتیاں پانی میں گر گئی تھیں۔ سکھانے کے لئے چولھے میں ڈال دی ہیں۔

اُستاد:۔ وکیل کس مہینے میں جھوٹ کم بولتے ہیں۔
شاگرد:۔ فروری میں۔ یہ مہینہ اٹھائیس دن کا ہوتا ہے۔
(پھول چند گپتا سنگاریٹی کالریز)



نقاشی کی دکان

عابد مسیح بی۔اے

نئے بازار سہارن پور میں سرفراز خاں صاحب کی چھوٹی سی دکان ایسی عمدہ سجی ہوئی ہے اور سب چیزیں اتنی خوبی سے لگی ہوئی ہیں کہ بڑی بڑی دکانیں بھی خوبصورتی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ہاتھ کے بنے ہوئے نقشے دستی تصویریں خوبصورت خاکے کاغذ کے ٹکڑوں پر بنے ہوئے رنگین پردے۔ طرح طرح کی بیلیں سینکڑوں قسم کی نقاشی اور دستکاری کے نمونے دیواروں پر لٹکے ہوئے۔ دیکھو تو جی چاہے کہ دیکھتے ہی رہو۔ دکان ہی سے ملا ہوا ان کا مکان ہے۔

ایک دن سرفراز خاں اپنی دکان میں بیٹھے کوئی تصویر بنا رہے تھے۔ سر اٹھایا تو دیکھا کہ سامنے کے چوراہے کی طرف سے ان کے پرانے ساتھی مسٹر انوار یزدانی ایک انگریز کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ یہ نیا مسافر ایک امریکی کروڑپتی سوداگر کا اکلوتا بیٹا اور سیاح تھا۔ اس کا ایک بہت بڑا کارخانہ امریکہ میں جاری تھا جس میں بہت قیمتی ریشمی کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ مسٹر انوار یزدانی نے سیاح کی ملاقات سرفراز خاں صاحب سے کرائی۔

جب معلوم ہوا کہ قریب گھنٹے بھر کے یہ لوگ ٹھہریں گے تو خاں صاحب تھوڑی دیر کی اجازت لے کر مکان میں چلے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں سیاح اور مسٹر انوار یزدانی میں بات چیت ہونے لگی۔

سیاح:۔ آپ کا دوست نقاشی میں طاق ہے اگر یہ کسی بڑے شہر میں جا کر کام کرے تو ہزاروں روپیہ کما سکتا ہے۔

انوار یزدانی:۔ یہ سن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ کام انھوں نے اپنے شوق سے خود سیکھا ہے۔ میں اور یہ ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے والد اعجاز خاں صاحب مشہور مولوی تھے۔ سرفراز صاحب نے چاہا تھا کہ اسکول میں ڈرائنگ سیکھیں لیکن مولوی صاحب نے پہلے فارسی اور ہائی کلاس میں عربی پڑھوائی۔ ہائی اسکول کا امتحان پاس کر کے یہ کالج میں پڑھنے والے تھے کہ مولوی صاحب

کا انتقال ہوگیا اور میرے دوست پر گھر کی دیکھ بھال کا سب بوجھ آپڑا۔

سیاح:۔ اس صورت میں تو ان کو سہارن پور چھوڑ کر بمبئی یا کسی اور بڑے شہر میں کام کرنا چاہئے تاکہ آمدنی معقول ہو۔

انوار یزدانی:۔ درست ہے لیکن یہ بے چارے اپنے والد کی وصیت سے مجبور ہیں۔ مولوی صاحب نے مرتے وقت ان سے کہا تھا کہ سہارن پور ہی میں رہنا اور اپنی ماں کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ ان کی آمدنی کچھ زیادہ نہیں لیکن انتظام .... اتنی ہی بات ہونے پائی تھی کہ سرفراز خاں واپس آگئے۔

سیاح نے خاں صاحب سے اجازت لے کر وہ چیز دیکھنی شروع کی جو وہ بنا رہے تھے اور دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔

سیاح:۔ یہ نقش تو آپ نے خوب بنایا ہے نیا خیال ہے۔ ایک ساتھ دو دو باتیں گر گئی ہیں۔ ایک طرف نیلی روشنائی پھیلی ہوئی ہے اور دوسری طرف لال۔ بیچ میں دونوں رنگ کی روشنائیاں مل گئی ہیں روشنائی بالکل قدرتی طور سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ نقش آپ نے کس چیز کے لئے تیار کیا ہے؟

سرفراز خاں:۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نقش رومال کے لئے بہت اچھا رہے گا۔ رومال کے بیچ میں ذرا بچا ہوا خوب صورت معلوم ہوگا۔

سیاح:۔ آپ کی طبیعت کو اس کام سے خاص لگاؤ ہے۔ ایسا عمدہ نقش صرف وہ شخص بنا سکتا ہے جس نے اس فن کی باقاعدہ تعلیم پائی ہو مگر لطف یہ ہے کہ آپ نے محض اپنے شوق سے سیکھا ہے .... باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مکان کی طرف کا دروازہ کھلا اور سرفراز خاں صاحب کے دونوں بچے چائے کا سامان لئے ہوئے دکان میں داخل ہوئے تینوں آدمیوں نے ایک ساتھ چائے پی۔ سرفراز خاں کی لیاقت اور شرافت کا اثر سیاح کے دل پر بہت ہوا۔ اس نے بہت شوق کے ساتھ وہ نقش سرفراز خاں سے لے لیا اور کہا "وطن پہنچ کر میں یہ نقش اپنے کارخانے والوں کو دکھاؤں گا اور نتیجے سے آپ کو آگاہ کروں گا۔"

سات مہینے کے بعد سرفراز خاں صاحب کے نام امریکہ سے خط آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "میرے دوست ڈیڑھ مہینے سے میں اپنے گھر پر ہوں میرے والد نے اور ہمارے کارخانے کے ماہر نقاش نے آپ کا وہ نقش بہت پسند کیا اس کے چھاپنے کا حق والد صاحب آپ سے خریدنا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کی طرف سے دو سو ڈالر کہہ دئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو بہت سستا سودا ہوا۔ دو سو ڈالر وہ آپ کے نام کل روانہ کریں گے۔ والد صاحب



دائیں طرف سے		ہمارا سولانی گروہ

آخری قطار: ادریس۔ زمرد۔ وہاب۔ امان اللہ۔ اورنگ زیب۔ عبدالرب۔

درمیانی قطار: عبدالسلام۔ محمد نور۔ غلام رسول۔ عبدالصمد۔ یعقوب۔ بشیر۔

اوپر کی قطار: غلام مصطفیٰ۔ سبحان احمد خان۔ اعظم۔ عبدالحی۔ عنایت اللہ۔



بنوں سے میران شاہ کے راستے
پر پہاڑی سڑک کا
ایک تنگ موڑ



ایک پہاڑی ندی اور سڑک



تل پل سے وادی ٹوچی کا نظارہ



ایک وزیر کمین گاہ میں



تلھ سہال کی سواری



چند وزیر مرد عورتیں اور بچے



ایک حسینہ
وزیر دوشیزہ



وزیرستان کے گاؤں (احمدخیل) کا منظر

چاہتے ہیں کہ آپ ہر مہینے اپنی پسند سے کوئی نہ کوئی نیا نقش تیار کر کے بھیجتے رہا کریں۔ جتنی قیمت آپ مانگیں گے اتنی ہی یہاں سے فوراً روانہ ہو جایا کرے گی۔ وہ ایسے خوب صورت نقشوں کے لئے ہر مہینے چار سو ڈالر تک دینے کو تیار ہیں۔ میری طرف سے مبارک باد۔ آپ کا دوست

"جیمس کارٹر"

اگلے دن دو سو ڈالر امریکہ سے آگئے۔ اب ہر مہینے خاں صاحب نقش تیار کر کے بھیجتے ہیں اور امریکہ سے ڈھائی تین سو ڈالر آ جاتے ہیں اور آرام سے بسر ہوتی ہے۔ سرفراز خاں صاحب اکثر یہ مصرع پڑھا کرتے ہیں۔

بیکار کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

علم

محترمہ الطاف النساء بیگم ثُریّا

اے علم تجھ سے بہتر کوئی نہیں خزانہ
ہے تیری خوبیوں پر قربان سب زمانہ

ہیں سب ترے کرشمے یہ ریل تار برقی
جاری ہے تیرے دم سے عالم کا کارخانہ

کوئی نہیں ہے اُس کا بد قسمتی میں ہمسر
ہاں تیری جستجو میں جس نے کیا بہانہ

جس سرزمیں پہ تیرا لہرا رہا ہے پرچم
ہے برکتوں کی بے شک وہ سرزمیں خزانہ

مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں علم والے
جاہل کو بھول جاتا ہے جیتے جی زمانہ

جس قوم کو نہیں ہے تجھ سے دلی لگاؤ
ہر قوم سے ہے پیچھے اس قوم کا خزانہ

کرنے سے خرچ دائم (ہمیشہ) گھٹتے ہیں مال و دولت
بڑھتا ہے بانٹنے سے ہر دم ترا خزانہ

آسام کے ناگا لوگ

آغا محمد اشرف ایم۔ اے

آسام کی وادی کے شمالی حصّے میں کچھ نیم وحشی قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ اب تو زمانے کے ساتھ ساتھ ان کی عادتیں اور رہنے سہنے کا طریقہ بہت کچھ بدل گیا ہے لیکن آج سے پچاس برس پہلے ان کی وحشت کے عجیب عجیب قصے سننے میں آتے تھے۔ ان لوگوں میں یہ عام رسم تھی کہ دیوی دیوتاؤں کے سامنے آدمی مار کر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے امیر زیور کے طور پر گلے میں کھوپڑیوں کا ہار پہنتے تھے۔ یہ لوگ آدمیوں کے مارنے میں بہت ہوشیار تھے اور ان کے نزدیک جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ اس علاقے میں تعلیم کی ابھی تک بہت کمی ہے۔ خاص کر شمالی حصے کے لوگ تو اب بھی بہت سی باتوں میں اپنے باپ دادا سے ملتے جلتے ہیں۔

آج ہم ان ہی ناگا لوگوں کا کچھ حال سنائیں گے۔

بنگال اور آسام بارشوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ اگست کے مہینے سے لے کر ستمبر کے آخر تک یہاں بے حد بارش ہوتی ہے۔ پانی کا طوفان اس علاقے کو رہنے کے قابل نہیں رکھتا۔ اول تو یہاں سڑکیں اور راستے بہت کم ہیں۔ اور جو کچھ ہیں انھیں پانی اس موسم میں دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی مشکل سے ملتی ہیں۔ اس موسم میں یہاں کے رہنے والے بناس پتی، درختوں کے پتے اور چھال کھا کر گذر کرتے ہیں۔

بنگال اور آسام کی جنوبی وادی میں ملیریا بخار بہت کثرت سے پھیلتا ہے۔ اس سے ہزاروں جانوں کا ہر سال نقصان ہو جاتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ناگا لوگوں کو کبھی ملیریا کی شکایت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ مرتے بھی ہیں تو بھوک سے۔ انھیں کھانے کو کافی نہیں ملتا۔ ملیریا سے بچنے کی شاید یہ وجہ ہوگی کہ ان کے جسم بہت مضبوط اور گٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان کی زندگی ایسی ہے کہ ہمیشہ انہیں بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ یہ لوگ دوسرے علاقوں کی طرح افیم یا کوئی اور نشے کی چیز بھی نہیں پیتے۔ اسی وجہ سے ان کی صحت بہت اچھی رہتی ہے۔ یہاں نہ زیادہ سردی پڑتی ہے نہ بہت زیادہ گرمی۔ سردیوں

میں زیادہ سے زیادہ بارہ ۴۹ ڈگری تک اتر جاتا ہے۔ اور گرمیوں میں ۸۰ ڈگری سے آگے نہیں بڑھتا۔

آسام کا یہ علاقہ برما کی سرحد سے جا ملتا ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کی نظر میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے گویا صوبۂ شمال مغربی کی طرح یہ ہندوستان کی ایک سرحد ہے۔ اسی لئے سرکار نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ اور اس کے بعد سے گورنمنٹ کا اختیار اب تک اسی طرح باقی ہے۔

پہلے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ناگا لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ان کے رسم ورواج سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کچھ نہ کچھ مذہب ضرور ہے۔ مثلاً جب ان میں سے کوئی ناگہانی طور پر مرجاتا ہے تو اس کو اسی وقت آگ میں جلا دیتے ہیں۔ عام طور پر ان کا یہ خیال ہے کہ اس آدمی کی ناگہانی موت کسی دیوی دیوتا کے غصے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ایک دوسری رسم یہ ہے کہ جب کبھی کسی چوراہے پر یہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو پاس کے درخت یا جھاڑی میں سے کوئی شاخ یا پتہ توڑ کر چوراہے کے بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔ شاخوں اور پتوں کا ڈھیر ایک مدت تک اسی طرح جمع ہوتا رہتا ہے۔ آخر سورج گرہن یا چاند گرہن کے موقع پر اسے آگ لگا دیتے ہیں۔

اس علاقے میں دیہات سدھار، اور لکھنے پڑھنے کا کام سکھانے کے لئے بہت سے عیسائیوں نے کوشش کی ہے۔ اب تک چند مشنری لوگ وہاں کام بھی کر رہے ہیں۔ پہلے تو ناگا لوگوں کے نوجوان مرد اور عورتوں نے بہت شوق سے اسکولوں میں آنے کی حامی بھرلی۔ خصوصاً جب انہیں شوق دلانے کے لئے پوتھ کے ہار، منہ دیکھنے کے شیشے اور بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں تحفے کے طور پر ملیں تو ایک سرے سے سب نے اسکول میں آ آکر نام لکھائے۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد جب انھیں معلوم ہوا کہ اب یہ تحفے ملنے بند ہوگئے ہیں تو آہستہ آہستہ بہت سے لوگ بھاگ گئے۔

ناگا لوگ اپنے ملک کے چشموں سے بہت سا نمک بناتے ہیں۔ لیکن نمک بنانے پر انھیں ایک کافی رقم محصول کے طور پر دینی پڑتی ہے۔ یہ نمک کے بدلے دوسرے لوگوں سے ضرورت کی چیزیں خرید لیتے ہیں۔ مثلاً آسام کے جنوبی علاقے سے اکثر ایسے لوگ آتے ہیں جو ناگا لوگوں سے نمک لیتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں گیہوں، افیم، اور مرغے بیچ دیتے ہیں۔ یہ لوگ مچھلی اور سانپ بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ اپنا کھانا بانسوں کے اوپر آگ میں بھونتے ہیں۔ پھر درختوں کے بڑے بڑے پتوں پر رکھ کر کھا لیتے ہیں۔

ناگا لوگ گھروں پر عام طور پر ننگے رہتے ہیں۔ ان کے پاس پہننے کو بہت کم کپڑے ہوتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غیر آجاتا ہے تو ایک آدھ چیتھڑے سے اپنا تن ڈھانک لیتے ہیں۔ انھیں اپنی عزت آبرو کا بہت خیال ہے۔ بلکہ یہاں تک مشہور ہے کہ اپنی آبرو کا جتنا انھیں خیال ہے۔ دنیا میں شاید ہی کسی اور قوم

کو ہو۔ اگر کوئی ان کی بہو بیٹیوں کی بے عزتی کرے تو اسے مارے بغیر چین نہیں لیتے۔

ان کے گھر عام طور پر دو منزل کے ہوتے ہیں نیچے کی منزل میں گائے بیل رکھتے ہیں۔ اوپر کے حصے میں رہتے سہتے ہیں۔ گائے بیلوں والا حصہ بہت گندا ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی گائے بیلوں کے رہنے کی جگہ کچھ بہت زیادہ صاف ستھری نہیں ہوتی۔ ان کا سارا گھر بانس اور بوریوں سے بنایا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کے گھر میں تین چھوٹے چھوٹے کمرے یا کوٹھریاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کوٹھری میں کھانا پکتا ہے۔ دوسری میں سوتے ہیں۔ اور تیسری میں بیٹھتے اٹھتے ہیں۔ ان کوٹھریوں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں ہوتا۔ آگ کا دھواں اول تو اندر ہی رما رہتا ہے۔ یا دروازوں اور چھت کے بوریوں سے نکل جاتا ہے۔ اس سے انھیں ایک فائدہ بھی ہے۔ دھوئیں سے بوریوں کی چھتیں اور بھی مضبوط ہو جاتی ہیں۔ گویا چھتوں کے اندر دھوئیں کا خوب موٹا موٹا پلاسٹر ہو جاتا ہے۔ سونے کے لئے بانس کے موٹے موٹے بورئیے بناتے ہیں۔ اور سردی میں آگ کے چاروں طرف ان بوریوں کو بچھا کر وہیں سو جاتے ہیں۔ جس سے خاصہ آرام ملتا ہے۔

(باقی آئندہ)

ٹکٹ:۔

ٹکٹ خریدنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ خود دیکھ کر خریدیں اس کے لئے آپ ہمیں کسی بنک، ایم۔ ایل۔ اے۔ میونسپل کمشنر، ڈاکٹر، بیرسٹر، وکیل یا کسی سرکاری افسر کا حوالہ دیں جو آپ کو جانتا ہو۔ یا صرف ہمارے پاس دو روپے بطور امانت جمع کرادیں۔ تو ہم آپ کو مختلف ٹکٹ بھیج دیں گے۔ ان میں جو پسند آئیں رکھ لیجئے۔ اور جو ناپسند ہوں واپس کردیجئے مختلف پیکٹوں کی قیمت یہ ہے۔

۱۰ کوروینٹیس	۱۵/	۱۰۔ پیرو	۷/	۱۰۔ میکسیکو	۷/
۱۰۔ زیکوسلاوکیا	۵/	۱۰۔ ہنگری	۵/	۱۰۔ اسپین	۴/
۱۰۔ اٹلی یادگاری	۵/	۱۰۔ رومانیہ	۵/		

ڈاک کا خرچ خریدار کے ذمے۔ وی پی نہیں بھیجا جائے گا۔ ۱۰/ سے زیادہ کے خریدار کے لئے محصول ڈاک معاف

ودہادن اینڈ کو نواب گنج دہلی

نظربندی کے کھیل

کل میں مدرسے سے واپس آرہا تھا گھر کے قریب میدان میں بچوں اور بوڑھوں کا غول جمع تھا جانے کیا بات تھی. میں بھی ذرا قدم بڑھا کر ان ہی میں شامل ہوگیا. ایک بازی گر عجیب و غریب تماشے دکھا رہا تھا. اور لوگ مبہوت کھڑے حیرانی سے اس کے کرتب دیکھ رہے تھے.

دوسرے دن میں نے اپنے ماسٹر صاحب سے اس کا ذکر کیا تو ہنسنے لگے اور بولے میاں سب نظر بندی کا کھیل ہے آؤ ہم تمھیں کچھ کرتب بتاتے ہیں. اپنے دوستوں میں دکھاؤ گے تو حیران رہ جائیں گے مگر دو تین باتوں کا خیال رکھنا ـــــ اوّل تو کرتب دکھانے سے پہلے اس کی خوب مشق کرلو. دوسرے کرتب دکھانے سے پہلے کسی کو ٹھیک ٹھیک یہ نہ بتاؤ کہ ہم کیا دکھانے والے ہیں تیسرے ایک ہی کرتب کو بار بار نہ دکھاؤ. اچھا آج ہم تمھیں دو کھیل بتاتے ہیں.

۱۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اور دیا سلائی لو اور لوگوں سے دریافت کرو کہ کاغذ کے کسی کونے میں آگ لگائی جائے تو کاغذ جلنے لگے گا یا نہیں. لوگ یہی جواب دیں گے کہ جلنے لگے گا. مگر تم کہو کہ نہیں جلے گا. اب کرو یہ کہ کاغذ گلاس کے چاروں طرف خوب کس کر لپیٹ دو۔ پھر کسی حصے میں آگ لگاؤ. کاغذ بالکل نہ جلے گا.

۲۔ دوسرے کرتب میں تمھیں تھوڑا سا سامان تیار کرنے کی ضرورت ہوگی. تین مٹھیاں صاف ریت لو. تینوں کو الگ الگ رنگ میں رنگ لو. اب ان کی اینٹیں بناؤ. دیا سلائی کی خالی ڈبیا سانچے کا کام دے گی. ریت میں موم ملا کر چولھے پر گرم کرلو اور گرم ہی گرم سانچے میں بھر

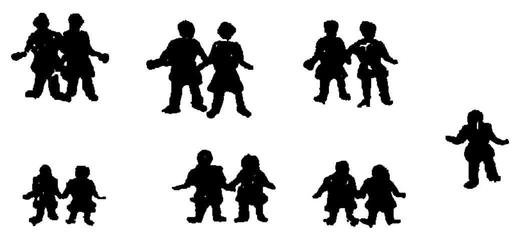
دو۔ اینٹیں تیار ہوگئیں؟ اب اور سامان اکٹھا کرو (۱) تین شیشے کے گلاس ۲۔ چائے کی تین تشتریاں۔ (۳) ایک پانی سے بھرا ہوا برتن۔ گلاسوں میں ریت کے رنگ کی اینٹیں بھردو۔ اب یہ سب چیزیں میز پر رکھ دو اور جتنی باتیں بنا سکتے ہو خوب بناؤ۔ پھر سب گلاسوں کا ریت پانی کے برتن میں انڈیل دو۔ اس کا خیال رکھنا کہ تماشا دیکھنے والے یہ اینٹیں نہ دیکھنے پائیں۔ ریت پانی میں ڈال چکو تو اسے لکڑی سے خوب چلاؤ۔ سب رنگ مل جائیں گے۔ اب تماشا دیکھنے والوں سے پوچھو کہ کون سے رنگ والی ریت وہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ تماشائی کوئی ایک رنگ ضرور بتائیں گے مثلاً نیلا رنگ تو پہلے تو تم سب کو اپنے ہاتھ خالی دکھادو پھر پانی میں ہاتھ ڈال کر پھرتی اور چالاکی سے۔ اس رنگ کی اینٹ نکال لو یہ موم کی وجہ سے بالکل خشک ہوگی۔ اس اینٹ کو چپکے سے مٹھی ہی میں توڑ دو اور پھر سب کو دکھاؤ۔ یہ ریت نیلے رنگ کا ہوگا۔ اور بالکل خشک۔ اب اپنے اس جادو کے ریت کو تشتری میں رکھ دو۔ اور دوسرے رنگ بھی اسی طرح نکال لو۔ لوگ تمھارے اس جادو پر حیران ہوں گے۔

نئے نئے کھیل

محمد اکرام میرٹھی۔ طالب علم استادوں کا مدرسہ جامعہ دہلی

شاید رسالے کے مضامین پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہو گے۔ آؤ کچھ کھیل کھیلیں۔ مگر کھیلنے سے پہلے ان کی ترکیب اور طریقہ بھی تو سمجھ لو بعد کو میدان میں جا کر خوب اچھی طرح کھیلنا۔

کھیل نمبر۱ میرا ساتھی

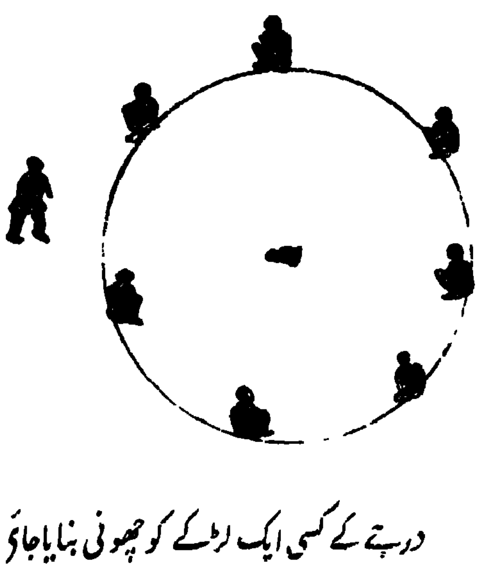


سب لڑکے کھیل کے میدان میں علیحدہ علیحدہ کھڑے ہو جائیں استاد یا مانیٹر کے سیٹی بجانے پر سیٹی کی آواز پر دو دو لڑکے پیٹھ سے پیٹھ ملا لیں اور بازو میں بازو ڈال لیں۔ جن لڑکوں کو پانچ سکنڈ کے اندر ساتھی نہ مل سکے ان کو چور قرار دیا جائے چور کو معمولی سی سزا دے کر پھر کھیل شروع کیا جائے۔

سزا۔ مثلاً دس بیٹھکیں لگانا زور سے رونا یا زور سے قہقہہ لگانا۔

نوٹ۔ لڑکے میدان میں ایک دوسرے سے کافی فاصلہ سے رہیں گے۔

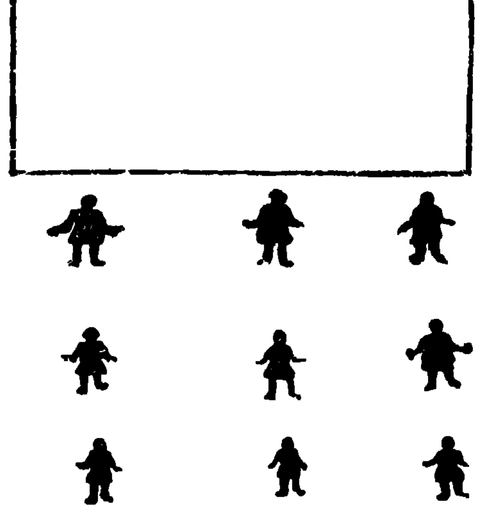
کھیل نمبر۲ جوتہ چور کھیل



دائرے کے کسی ایک لڑکے کو چھونی بنایا جائے

باقی سب لڑکے ایک دائرہ میں ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے۔ گھٹنوں کو ٹھوڑی سے ملا کر بیٹھ جائیں۔ سیٹی کے بجنے پر دائرے کے لڑکے اپنی ٹانگوں کے نیچ سے ایک جوتہ یا "رومال، گیند وغیرہ" ایک دوسرے کے پاس پہنچائیں چھوٹی دائرہ کے گرد گھومتا رہے اور جو دائرے لڑکے کو پکڑے جس کے پاس جوتہ ملے گا وہ چھوٹی بن جائے گا۔ اور چھوٹی کھلاڑی بن کر دائرہ میں بیٹھ جائے گا۔ چھوٹی کو دھوکہ دینے کے لئے دائرہ کے لڑکے ہر ممکن کوشش کر سکتے ہیں۔

کھیل نمبر ۳ فقرہ لکھو



جماعت کو دو یا تین برابر گروہوں میں تقسیم کر کے تختۂ سیاہ کے سامنے کھڑا کر دو۔ ہر گروہ کے پہلے لڑکے کو چاک کا ٹکڑا دے دو۔ سیٹی بجنے پر ہر گروہ کا پہلا لڑکا دوڑ کر تختہ سیاہ پر جا کر کسی فقرے کا صرف پہلا لفظ لکھ کر واپس آ جائے۔ اور چاک اپنے گروہ کے دوسرے لڑکے کو دے دے۔ اب دوسرا لڑکا بھاگتا ہوا بورڈ پر اپنی مرضی سے کوئی سا دوسرا لفظ لکھ آئے اور واپس آکر چاک اپنے گروہ کے تیسرے لڑکے کو دے دے اس طرح ہر گروہ کے سب لڑکے اپنی اپنی باری سے بورڈ پر لفظ لکھیں۔ ہر گروہ کا آخری لڑکا اپنے لفظ سے فقرے کو پورا کرے اور ضروری اصلاح کر کے اپنی جگہ پر واپس آ جائے۔ جو گروہ پہلے بورڈ پر بامعنی جملہ لکھے گا وہ جیتا ہوا سمجھا جائے گا۔

نوٹ۔ یہ کھیل جماعت کے کمرے میں بھی کھیلا جا سکتا ہے۔

کھیل نمبر ۴ رنگ چنو

درجے میں استاد کسی ایک رنگ کا نام لے۔ اور جماعت کو ایک منٹ کا وقفہ دے اس وقفے میں لڑکے ان تمام چیزوں کو نوٹ کرلیں جو اس رنگ کی کمرے کے اندر موجود ہیں جو لڑکا سب سے زیادہ صحیح چیزیں لکھے گا وہ جیتا ہوا سمجھا جائے گا۔

نوٹ۔ یہ کھیل درجے کے کمرے میں کھیلا جائے گا۔

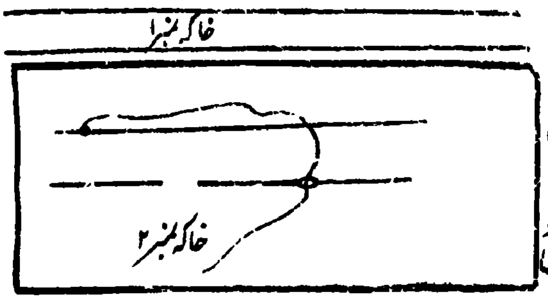
(۲) لڑکوں کے پاس پہلے سے کاغذ پنسل رہنا چاہیے

مچھلی کا کانٹا

"محترمہ درۃ البیضا بیگم ۔ منیجر گرلس اسکول پانی پت"

پیام بچو! تم میں سے بعض بچیاں سلائی کے نام سے گھبراتی ہوں گی جب اماں جان یا استانی جی کہتی ہوں گی کہ "چلو اب سلائی کا وقت ہے۔ اپنا سینے کا سامان لے کر بیٹھو" تو تم کہتی ہوگی "کیا اچھا ہوتا اگر دنیا میں سلائی نہ ہوتی۔ خدا سمجھے اس عاقبت اندیش شخص سے جس نے سینا پرونا ایجاد کیا۔ کیا اسے خبر نہ تھی کہ یہ مصیبت ہم پر پڑے گی؟"

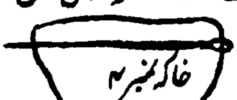
ہم بتائیں تم سلائی سے کیوں بھاگتی ہو؟ تمھیں کوئی دلچسپ کام نہ ملتا ہوگا۔ آؤ آج ہم تمھیں ایسی چیز سکھائیں جسے کرتے کرتے تم کبھی نہ اکتاؤ۔ خوب صورت بھی ہے اور کارآمد بھی اور سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ آسان بھی ہے۔ بس ذرا سی دیر میں تم سیکھ جاؤ گی۔ اچھا جلدی سے ایک سوئی دھاگا اور ایک ٹکڑا سا کپڑا جس پر پہلے ہم مشق کر سکو۔ لے آؤ ۔۔ مل گئیں سب چیزیں؟ دھاگا پرو لیا؟ اب اپنے کپڑے کے لمبان میں ایک سیدھی لکیر پنسل سے کھینچ لو۔ اس کے متوازی دو یا پاؤ انچ کے فاصلے پر ایک اور لکیر کھینچو۔ اس طرح (خاکہ نمبر۱) اوپر والی لکیر کے بائیں ہاتھ کے سرے پر سوئی سے ٹانکا لگاؤ۔ پھر اس ٹانکے سے ذرا داہنی طرف نیچے کی لکیر پر سوئی کپڑے میں داخل کرکے ذرا آگے نکالو (خاکہ نمبر۲) اسی طرح پھر اوپر کی لکیر میں پچھلے ٹانکے سے ذرا آگے پہلے کی طرح ٹانکا لگاؤ۔ پھر نیچے کی لکیر پر اسی طرح ایک دفعہ اوپر اور ایک دفعہ نیچے ٹانکے لگاتی ہوگی تو ایسا بن جائے گا (۳) اسی کو مچھلی کا کانٹا کہتے ہیں۔





خاکہ نمبر۳

یہ کانٹا ایک اور قسم کا بھی ہوتا ہے۔ اس کی شکل ذرا مختلف ہے اور وہ اس سے زیادہ خوشنما ہے۔ تو وہ بھی سیکھ لو۔ اس میں بس اتنا فرق ہے کہ سلائی بجائے بائیں طرف کے داہنی جانب سے شروع ہوتی ہے۔ اور دھاگا سوئی کے آگے رکھ کر سوئی اس کے اوپر سے نکال لینی چاہیے جیسے کاج بنانے میں کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی شکل ایسی ہوگی (۴)



اگر تم دھاگے کو ذرا کھینچ لوگی تو یہ اور زیادہ خوب صورت ہو جائے گا۔ ایسا (۵) یہ کانٹا قمیص کے دامن میز پوش وغیرہ کے کنارے پر بنانے سے کپڑا بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ جس چیز کو تم شاندار بنانا چاہو اس پر اس کو بناؤ۔ دیکھو کیسا دل خوش ہوتا ہے۔ ہاں اس کا ایک مصرف تمھیں بتانا بھول گئی۔ موٹے (فلالین وغیرہ) پر بجائے ترپنے کے سیون کو کھول کر یہ کانٹا بنا دیا جائے تو سیون موٹی نہ ہوگی۔ جب تمھیں اس کے بنانے کی مشق ہو جائے گی تو پنسل سے لکیریں کھینچنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اگر تم سیکھ گئی ہو تو نمونے کا بنا کر ہمارے پاس بھجوا دو۔ بہت ممکن ہے کہ تم انعام کی مستحق ہو مگر ہمیں اپنی عمر ضرور بتانا۔





خاکہ نمبر۵

ٹکٹوں کی خبریں

ڈاکٹر سید محمد شمیم صاحب جامعی

امریکہ میں ٹکٹ جمع کرنے والوں کی انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ

۱۔ ممبروں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے سے خط کتابت کرتے وقت سادے لفافے استعمال کریں اور ان پر ڈاک خانے کے ٹکٹ چپکائیں۔

۲۔ جہاں تک ممکن ہو لفافوں پر ایسے ٹکٹ لگائیں جو ممبروں کے لئے خاص دلچسپی رکھتے ہوں۔ جیسے یادگاری ٹکٹ وغیرہ۔

۳۔ لفافے پر ایک قیمت کے ایک سے زائد ٹکٹ نہ لگائیں۔ یعنی اگر تین آنے کے ٹکٹ استعمال کرنا ہیں تو چاہیے صرف ایک تین آنے والا ٹکٹ لگا دیا ایک دو آنے کا ٹکٹ اور ایک ٹکٹ ایک آنے والا۔

۴۔ ٹکٹ لفافے کے بالکل کناروں پر نہ لگایا جائے بلکہ کناروں پر کچھ جگہ چھوڑ دی جائے۔ اگر ہندوستان میں بھی ٹکٹ جمع کرنے والے اوپر کی باتوں کا لحاظ رکھیں تو بہت اچھا ہو۔

یورپ کی فضا آج کل بہت خراب ہے۔ ہر طاقت ور ملک کمزور ملکوں کو نگل جانے کے لئے منہ پھاڑے ہوئے ہے اور معمولی معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جانے کا ڈر لگا ہوا ہے۔

یورپ میں پولینڈ ایک ملک ہے جو جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۸ء میں آزاد ہو گیا ہے۔ اپنی آزادی کی بیسویں سال گرہ مناتے وقت اس نے چند خاص یادگاری ٹکٹ نکالے۔ ان ٹکٹوں پر ایسی تصویر ہے جس سے ڈینزگ والوں کو تکلیف پہنچی۔ انھوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ لیکن پولینڈ نے کچھ نہ سنی۔ اب ڈینزگ والوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ بھی ایک یادگاری ٹکٹ جاری کریں گے جن سے پولینڈ کے باشندوں کو تکلیف پہنچے گی۔ موجودہ فضا میں لوگوں کو یہ ڈر ہو رہا ہے کہ ایسا نہ ہو اسی معمولی بات پر جنگ چھڑ جائے۔

۶ مئی ۱۹۳۵ء کو جارج پنجم کی جوبلی کے وقت یادگاری ٹکٹ نکلے تھے۔ ان ٹکٹوں میں برطانیہ کے بعض نوآبادیوں کے استعمال کئے ہوئے ٹکٹوں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے کسی نے نئے ٹکٹوں پر جعلی مہریں لگا کر انہیں بازار میں بیچ دیا۔ کچھ لوگوں کو شبہ ہوا۔ پولیس کو خبر دی گئی۔ جاسوسوں نے دو آدمیوں کو پکڑا۔ عدالت سے ان کو سزا ہو گئی اور جعلی مہروں والے ٹکٹوں کی آمد ختم ہو گئی۔ یہ گذشتہ سال کا قصہ ہے۔

آج کل پھر شبہ ہو رہا ہے کہ ویسے ہی نوآبادیوں کے ٹکٹ جعلی مہر لگا کر بیچے جا رہے ہیں۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔

ریڈیم تم نے سنا ہوگا ایک بہت بڑی قیمتی دھات ہے اس سے بہت سے کام لئے جاتے ہیں۔ اس سے ایک بیماری کا بھی جس کو انگریزی میں کینسر (cancer) کہتے ہیں۔ علاج ہوتا ہے۔ اس دھات کو مادام کیوری ایک فرانسیسی خاتون نے دریافت کیا تھا۔ اس خاتون اور اس کے شوہر کی یادگار میں فرانس نے اپنے لئے اور اپنی نوآبادیوں کے لئے ایک سٹ یادگاری ٹکٹوں کا جاری کیا ہے۔ کیوبا نے بھی ایسے ہی ایک سٹ خیراتی ٹکٹوں کا جاری کیا ہے جس میں فرانس کے ٹکٹوں کی نقل کی گئی ہے۔

خط کتابت

سیلون، امریکہ اور حیدر آباد کے ٹکٹوں سے اگر کوئی صاحب آئرلینڈ، نیوزیلینڈ، عرب، آسٹریلیا اور مصر کے ٹکٹ بدلنا چاہیں تو اس پتہ پر خط کتابت کریں۔

فدا حسین طیب علی محلہ توارہ برہان پور (سی پی)

میرے پاس ایک ملک کا ٹکٹ ہے جس پر سفید حاشیے کا عنبری پیکر اور اس میں (India Postage) اوپر اور (Half anna) نیچے لکھا ہے اور سلور جوبلی کے آٹھ مختلف ٹکٹ بھی ہیں۔ ان سب کی قیمت مجھے کیا مل سکے گی؟

راجہ ظفر اقبال۔ بجانہ صوبیدار اللہ داد خاں، مری روڈ، محلہ چودھری وارث خاں راولپنڈی

اگر آپ کے پاس اسلامی ممالک کے لیے خوب صورت ٹکٹ ہوں تو نیو دہلی کے ٹکٹوں کے تبادلے میں بھیجئے۔ ریاستوں میں سوائے حیدر آباد کے ہر جگہ کے دو ٹکٹوں کے عوض نیو دہلی کا ایک ٹکٹ دے سکتا ہوں۔

محمد اظہار اللہ بذریعہ محمد ایوب صاحب ہیڈ کلرک اشراف ٹولہ۔ ضلع ہردوئی سندیلہ۔ یو۔ پی۔

جو صاحب ٹکٹ خریدنا، بیچنا یا تبدیل کرنا چاہیں وہ اس پتہ پر خط کتابت کریں۔ انڈین فیلٹلک ایسوسی ایشن ۱۶۶۲ کٹرہ عباسیہ پہاڑ گنج نئی دہلی۔ (جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ بھیجیں)

میں مصر، ترکی، ایران، کینیا، یوگینڈا، ٹانگانیکا، کناڈا، امریکہ اور ہندوستانی ریاستوں کے ٹکٹوں کے بدلے میں البانیہ، نیپال، لائبیریا اور برطانوی مقبوضات کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ دسلیم اختر۔ نواب منزل نمبر ۲۔ قرول باغ نئی دہلی

ترکی، عرب، افغانستان، ہندوستانی ریاستیں، کوچین، آئرلینڈ، مالٹا، ڈنمارک، جاپان، زیکوسلواکیا، بحرین، جاوا، سماٹرا، وغیرہ کے ٹکٹوں کے بدلے میں ہندوستان کی جوبلی کے ۱۰، ۸، حیدر آباد جوبلی کے ۲، ہندوستان کے دو روپے سے زیادہ قیمت والے، یمن، منگولیا، کویت، اسمانیہ، روس کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔

حسن احمد قنوجی۔ جامعہ ملیہ دہلی

میرے پاس حیدر آباد کے ٹکٹ کافی ہیں۔ جن کو غیر ممالک اور دیسی ریاستوں کے ٹکٹوں سے سلور جوبلی حیدر آباد اور انگلینڈ کے ٹکٹ غیر ملکی کارونیشن اور سلور جوبلی کے ٹکٹوں سے بدلنا چاہتا ہوں۔ ہندوستان وکٹوریہ ۱۸۵۴ء کے چار ہشت پہلو ٹکٹ خریدنا چاہتا ہوں۔

محمد اسمٰعیل معرفت محمد غوث اسٹور کیپر سنگاریتی کالریز (دکن)

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو!

ایڈیٹر صاحب سے یہ معلوم ہو کر میں بہت خوش ہوئی کہ مارچ کا پیام تعلیم تمھیں پسند آیا خاص کر جمیل نقوی صاحب کا مضمون۔ کتابیں جمع کرنے کے بارے میں۔ یہ مشغلہ میری نظر میں کسی اور مشغلے سے کم اہم اور کم مفید نہیں ہے اور وہ دن میرے لئے کتنی خوشی اور فخر کا دن ہوگا جب میں یہ سنوں گی کہ ہر پیامی بچے اور بچی نے اچھی اچھی خوبصورت خوب صورت کتابوں کی الگ لائبریری بنالی ہے جو بچے اپنی لائبریری بنانے کی کوشش کریں گے میں ان کے نام بہت خوشی سے پیام تعلیم میں شائع کردوں گی۔

اس کام میں کچھ دقت ہوگی تو داموں کی ہوگی! تو اس کی ایک آسان ترکیب ہے۔ اپنے جیب خرچ میں سے روزانہ ایک دو پیسے بچاؤ اور جب کچھ دام اکٹھے ہو جائیں تو کتاب منگالو۔

ایڈیٹر صاحب سے یہ معلوم ہو کر مجھے بہت تعجب ہوا کہ پیام بچیاں بہن درۃ البیضا بیگم کے انعامی مقابلے میں بہت کم حصہ لیتی ہیں اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ان کے مضمون تو بہت ہی سہل زبان اور دلچسپ انداز میں ہوتے ہیں۔ پھر بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا نقشہ یا تصویر غلط چھپ گئی ہو تو بہن درۃ البیضا بیگم کے پاس خط لکھو وہ ہر بات اچھی طرح سمجھا دیں گی۔

پیامی فوٹو گرافی کے مقابلے میں بہت دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اس مرتبہ ان بچوں نے تصویریں بھیجی تھیں محمد علی بھٹکلی جامعہ، عبدالرحمٰن اے۔ کے پونا۔ محمد حیات اللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔ تقی احمد سید پونا۔ سید علی عباس لکھنؤ، قاضی نثار احمد کیمبل پور۔ میر محمد علی سنگاریڈی کالریز۔ حلیمہ برلاس جعفر نظام جامعہ۔ عبدالرحمٰن اے۔ کے پونا۔ عبدالرؤف کان پور۔ ان میں حلیمہ برلاس کی تصویر سب سے اچھی تھی۔ احمد الصمد بنوں کی دوسرے درجے پر اور عبدالغفور کا نمبر تیسرا قرار دیا گیا۔ شیخ محمد اقبال کیمبل پور کی تصویر قابل تعریف سمجھی گئی

اس مرتبہ میں بچوں کے لئے ایک عنوان مقرر کرتی ہوں سب بچے اس مرتبہ کسی جانور کی تصویر کھینچ کر بھیجیں۔ یہ تصویر جانور یا پرند کی کسی خاص حالت میں لی جائے۔ مثلاً کھاتے ہوئے۔ چگتے ہوئے وغیرہ۔ تصویر کا لمبان ۴½ انچ اور چوڑائی ۲½ انچ سے زیادہ نہ ہو۔ اس سائز سے بڑی تصویر مقابلے میں شریک نہ کی جائے گی۔ تصویر پر سرپرست کے دستخط بھی ضروری ہیں۔ اچھا اب رخصت۔

"تمھاری آپا جان"

جلسوں کی کارروائی

لکھنؤ:۔ لڑکیوں کی شاخ پیام برادری کا ایک جلسہ بتاریخ ۵ر مارچ ۳۹ء جناب ساجدہ انصاریہ صاحبہ کے مکان پر جناب محمد نسیم صاحب (علی گڑھ شاخ کے ممبر) کی صدارت میں شام کے چھ بجے منعقد ہوا۔ ان حضرات نے پیام برادری کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ ۱۔ ابوقاسم محمد مہدی صاحب۔ ۲۔ محمد نسیم انصاری صاحب (صدر جلسہ) اس کے بعد عہدے داروں کا انتخاب ہوا۔ صدر:۔ ساجدہ انصاریہ صاحبہ۔ سکرٹری:۔ عزیزہ بانو انصاریہ صاحبہ۔ خزانچی، سرپرست:۔ آپا جان نمبر ۲ بیگم جناب سید عبدالرزاق صاحب۔ اراکین مجلس منتظمہ:۔ ۱۔ ساجدہ انصاریہ صاحبہ۔ ۲۔ عزیزہ انصاریہ صاحبہ۔ ۳۔ آپا جان نمبر ۲ (راشدہ انصاریہ صاحبہ) ۴۔ وسیمہ بانو انصاریہ صاحبہ۔ ۵۔ ریحانہ بانو انصاریہ اس کے بعد چند بچوں نے مل کر 'مادر وطن' نامی نظم پڑھی۔ جلسہ ٹھیک آٹھ بجے ختم ہوا۔ اس جلسے میں نو لڑکیاں ممبر بنی ہیں۔

سکرٹری عزیزہ بانو انصاریہ، نئی حویلی، فرنگی محل، لکھنؤ۔

نئی دہلی (شملہ) شاخ پیام برادری کا ایک انتخابی جلسہ منظر حسین صاحب کاظمی کی صدارت میں ۱۹ر فروری ۳۹ء تین بجے شام کو منٹو روڈ پلے گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔ خالد حمید صاحب نائب صدر نے تلاوت قرآن کی۔ اس کے بعد گوپال کرشن اور چلڈرین ہوم اسکول .... کے بچوں نے 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' مل کر گایا۔ صدر صاحب نے خطبہ صدارت پڑھنے کے بعد بتایا کہ ہر ممبر کو بیج منگانا ہوں گے۔ جنوری میں منظر حسین صاحب کو صدر منتخب کیا گیا تھا اب بھی وہی صدر رہے۔ خاکسار (نسیم اللہ) کو سکرٹری اور خزانچی اور نائب صدر خالد حمید صاحب کو چنا گیا۔ میں اب مستقل سکرٹری ہوں پہلے نہ تھا۔ جلسہ تین بج کر ۴۵ منٹ پر "جاگو اور جگاؤ" کے نعروں کے ساتھ ختم ہوا۔ حاضرین تیس تھے جن میں ۲۵ ممبر تھے۔

خاکسار ناظم نسیم اللہ

ساگر:۔ پیام برادری کا ایک جلسہ ۱۲ر فروری ۳۹ء کو امیر اللہ خاں صاحب کی صدارت میں ۱ بجے سمیع اللہ خاں صاحب

کے مکان پر منعقد ہوا۔ ان حضرات نے کہانیاں پڑھیں اور نظمیں سنائیں۔ ۱۔ محمد رمضان صاحب قناعت ۲۔ محمد شفیق صاحب "بادشاہ کون بنے گا؟" ۳۔ اسمٰعیل رضا صاحب "مزاحیہ نظم" (جو آپ نے خود لکھی تھی) ۴۔ محمد جلیل (نائب صدر) نمازی طالب علم ۵۔ محمد ابراہیم خاں صاحب "خزانے کس طرح بند کئے گئے" (زبانی سنائی) اس کے بعد احسان اللہ خاں صاحب (سرپرست) نے تقریر کی جس میں برادری کی کمزوری پر روشنی ڈالی۔ اور ممبروں کو ہر جلسہ میں شرکت کی دعوت دی۔ ایک تجویز پیش کی کہ جو جلسے میں شریک نہ ہو اسے برادری سے خارج کر دیا جائے۔ یہ تجویز پاس ہوئی۔ محمد ابراہیم صاحب سکرٹری کی کمزوریاں گنائیں اور استعفا دینے کو کہا۔ انھوں نے استعفا دینا منظور کر لیا۔ شکریہ کے بعد جلسہ ۱۱ بجے برخاست ہوا۔ "محمد جلیل نائب صدر"

سیالکوٹ:۔ ہمارا جلسہ ۲۶ فروری ۳۹ء کو پرکاش چندر (خاکسار) کی صدارت میں سیکھڑی بلڈنگ میں ہوا۔ دعا کے بعد انند صاحب (سکرٹری) نے پچھلے جلسے کی روداد سنائی۔ سابق صدر صاحب کی عدم موجودگی کی وجہ سے نیا انتخاب عمل میں آیا۔ ۱۔ صدر:۔ پرکاش چندر سیکھڑی۔ ۲۔ ناظم:۔ کرشن کمار انند۔ ۳۔ نائب ناظم:۔ اندر سکھدیپ سوری۔ اس کے بعد مختلف عنوانوں پر تقریریں ہوئیں۔ جھنڈا بنوانے کا ذمہ ست پال اور پرتھوی راج صاحب نے لیا۔ انعامات بھی تقسیم کئے گئے جس کی تفصیل ذیل میں ہے:۔ ۱۔ تقریر پر۔ پرکاش چندر سیکھڑی۔ ۲۔ کہانی پر۔ ہردیپ سنگھ۔ ۳۔ سب سے غضب ناک تقریر پر ست پال ۴۔ سب سے زیادہ ممبر بنانے پر۔ اندر سکھدیپ۔ ۵۔ سب سے زیادہ شرکت جلسہ پر۔ کپور چند

"پرکاش چندر سیکھڑی صدر پیام برادری سیالکوٹ"

میرٹھ:۔ ہمارا ایک جلسہ نسیم پاشا صاحب کی صدارت میں ۱۲ فروری کو ہوا۔ اس جلسے میں تقریروں اور نظم پر انعامی مقابلہ بھی تھا۔ ابتدا فیروز پاشا نے قرآن خوانی سے کی۔ میں نے پچھلے جلسے کی روداد پڑھی اور آئندہ جلسے کا پروگرام سنایا۔ اس کے بعد تقریریں مندرجہ ذیل حضرات نے کیں۔ محمد احمد صاحب، ریاض اقبال صاحب، جمیل احمد صاحب۔ یوسف بشیر اور خاکسار۔ ججوں کے فیصلے کے مطابق پہلا انعام یوسف بشیر صاحب ..... دوسرا مجھے ..... اور تیسرا جمیل احمد صاحب کو ملا۔ نظم خوانی میں فیروز پاشا، راشد میاں خالد میاں، اور عابد حسین نے حصہ لیا۔ انعام عابد حسین کو ملا۔ دوسرا اور تیسرا نمبر خالد میاں اور راشد میاں کا رہا۔ جمال، نزہت جمال اور طلعت جمال نے "چمکے گا تا قیامت قومی نشاں ہمارا" گایا۔ اس کے بعد معز زینج محمد یحییٰ صاحب نے تقریر کی اور بتایا کہ بچے کس طرح محبت اور اتفاق سے رہ سکتے ہیں۔ بھائی جان نے موجودہ سیاسی حالات مختصر طور پر بتائے اور وعدہ کیا کہ آئندہ تعطیل میں تفریح کو لے چلیں گے۔ صدر صاحب نے پیام برادری کے فائدے بتائے۔

تمام حاضرین کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

پچھلے چھٹے ہم لوگ تفریح کو گئے۔ عنایت الرحمٰن سلمان کے سپرد یہ کام ہے کہ وہ حالات تفریح لکھ کر آپ کو

بھیج دیں۔ فقط　　　　شاہد منظور

آگرہ:- پیام برادری کا دوسرا جلسہ ۱۵ر فروری ۳۹ء دن کے تین بجے غلام ربانی محمد عمر صاحبان کے مکان پر منعقد ہوا۔ حافظ محمد رفیق صاحب نے تلاوت قرآن سے جلسے کا افتتاح کیا۔ خاکسار نے گذشتہ جلسے کی کارروائی، نئے ممبروں کے نام، پیام برادری کے قواعد اور مقاصد سے حاضرین کو مطلع کیا۔ اس کے بعد سردار عبدالرحمن صاحب (جو اردو کم جانتے ہیں) نے سوسائٹی اور اس کو کامیاب بنانے کے طریقوں پر ۵ منٹ انگریزی میں تقریر کی۔ ترجمہ وحید الدین صاحب نے سنایا۔ سردار احمد صاحب نے منظوم دعا پڑھی۔ مظہر حسین صاحب صدیقی نے علم کی خوبیوں اور غلام ربانی صاحب نے طلبا اور سیاست پر تقریریں کیں۔ میں نے مزاحیہ مضمون پڑھا۔ بعد ازاں مباحثہ "جنگ سے فائدہ ہے" شروع ہوا جس میں ان پیامیوں نے حصہ لیا:- ۱۔ لیاقت علی صاحب۔ ۲۔ محمد عثمان صاحب۔ ۳۔ وحید الدین صاحب۔ ۴۔ شباب یار خاں صاحب۔ ۵۔ مبارک الدین پنڈ دادنخانوی۔

مباحثہ ختم ہونے کے بعد رائے شماری ہوئی۔ موافقت میں ۵ اور مخالفت میں ۱۵ رائیں تھیں۔ جلسہ کامیابی کے ساتھ شکریہ کے بعد برخاست ہوا۔

نوٹ:- برادری نے پان وغیرہ سے حاضرین کی خاطر کی

پیام برادری شاخ آگرہ کے نئے ممبر:- ۱۔ مظہر حسین صاحب۔ ۲۔ وحید الدین صاحب۔ ۳۔ محمد شفیع صاحب ۴۔ حافظ محبوب الٰہی صاحب۔ ۵۔ محمد صادق صاحب۔ ۶۔ نثار احمد صاحب۔ ۷۔ شباب یار خاں صاحب ۸۔ کرم الٰہی صاحب۔ ۹۔ محمد غفار خاں صاحب۔　　خاکسار مبارک الدین پنڈ دادنخانوی (سکرٹری)

دہلی:- ہمارا ایک تفریحی جلسہ ۱۲ مارچ کو ہمایوں کے مقبرہ میں منعقد ہوا۔ صبح ۹ بجے ہم روانہ ہوئے۔ فیروز شاہ کے کوٹلے کی سیر کرتے ہوئے مٹکا شاہ کے مزار پر پہنچے۔ فاتحہ پڑھی اور وہاں سے پرانے قلعے پہنچے۔ وہاں ذرا دم لے کر ہمایوں کے مقبرے گئے۔ چند ممبر تانگے پر کھانا لے کر پہنچ چکے تھے۔ ہم نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر گئے۔ وہاں اور بھی مزار دیکھے۔ اور حضرت غالب رح کا مزار بھی دیکھا۔ وہاں سے پھر لوٹ کر ہمایوں کے مقبرے آئے۔ بیت بازی اور دلچسپ کھیلوں کا سلسلہ رہا پھر ہم نے ناشتہ کیا۔ تمام سامان اٹھایا اور حضرت نظام الدین اسٹیشن پہنچے۔ بارہ بجے ریل پر سوار ہوئے اور نئی دہلی اتر کر بخیریت گھروں کو پہنچ گئے۔　　"خاکسار حسن احمد قنوجی، ناظم"[1]

---

[1] پچھلے مہینے کاتب صاحب نے میرے نام کے آگے بجائے قنوجی کے فاروقی لکھ دیا تھا میں فاروقی نہیں ہوں۔

بھوپال :- ۶ مارچ کو پیام برادری نے ہولی ڈے منایا۔ حاضرین کافی تھے۔ مگر سب مسلمان، ہندو ایک نہ تھا۔ اس کے باوجود ہولی کے تہوار پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ مسٹر عبد الغنی انصاری اور شرقی انصاری نے ہولی پر بہترین تقریریں کیں۔

مسٹر عبد الغنی نے فرمایا کہ جیسے آج ہمارے دلوں میں مذہبی تعصب کا عشر عشیر بھی نہیں ہے خدا کرے کہ اسی طرح ہندوستان کی دونوں قوموں سے مذہبی تعصب دور ہو جائے۔ اس کے بعد صدر نے ہولی پر روشنی ڈالی۔ ۵ بجے جلسہ خوشی کے نعروں سے ختم ہوا۔　　"محمد یحییٰ سکرٹری پیام برادری"

لکھنؤ نمبر۲ :- ہماری برادری کا مشاعرہ ۶ مارچ ۳۹ء کو اسد حسن صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں بڑے بھی کافی شریک تھے۔ پہلے نائب سکرٹری نے برادری کے قواعد و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد حسب ذیل ممبروں نے غزلیں پڑھیں:-

(۱) محمد سلیم صاحب (علی گڑھ کی برادری کے پرجوش ممبر)

(۲) عرفت صاحب۔ (۳) محمد خالد صاحب۔ (۴) محمد حبیب صاحب۔ (۵) محمد امین صاحب۔ (۶) غوث محی الدین صاحب۔ (۷) محمد مہدی انصاری (نائب سکرٹری) (۸) صدر جلسہ۔

جمال الدین عبد الوہاب صاحب اور محمد رضا صاحب نے ایک مختصر تقریر کی اور نصیحت کی کہ پیامی ہمیشہ ایسا ہی جوش دکھائیں جیسا اس وقت دکھایا ہے۔ مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔

محمد مہدی انصاری (نائب سکرٹری)

بریلی :- برادری کا جلسہ نصیر الدین حسن کی صدارت میں آن ہی کے مکان پر منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد خاکسار سکرٹری نے جلسے کی رپورٹ پڑھ کر سنائی پھر عزیزہ ساجدہ اور رشیدہ کے درمیان ایک دلچسپ مکالمہ ہوا۔ پھر حبیب حسن، اور مبارک سعید صاحب نے امام حسین علیہ السلام پر تقریریں کیں۔ رشیدہ نے ایک اچھی سی نظم پڑھی گوہر حسین نے لطیفے سنائے۔ سب ممبروں نے ایک دوسرے سے پہلیاں پوچھیں۔

آخر میں صدر صاحب نے برادری کی ترقی پر تقریر کی اور کوئی پانچ بجے جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

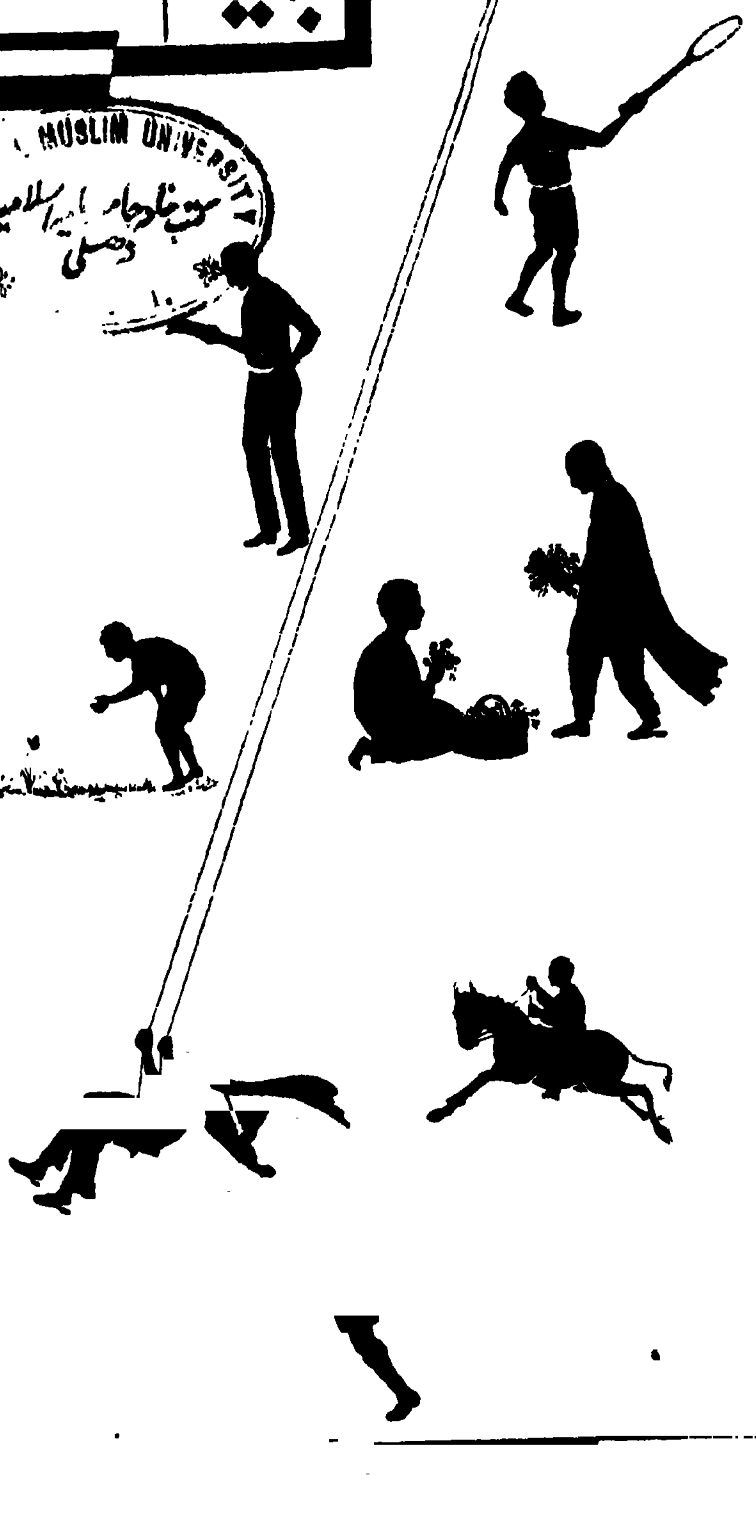
"مطیع الرحمٰن سکرٹری"

Regd. L. No. 1961

Printed & published by Dr. Sayed Abid Hussain, at the
Mahbob-ul-mataba Press, Delhi.

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi.

پیام تعلیم



پیام تعلیم (دہلی)

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

جلد ۲۲ مئی سنہ ۱۹۳۹ء نمبر ۵

قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر

ایڈیٹر محمد حسین حسان

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

کسی پچھلے پرچے میں جاگو اور جگاؤ ایک اچھی سی نظم چھپی تھی یہ جناب احسن شمالی صاحب نے لکھی تھی۔ پیامِ تعلیم کے خاص شاعر جناب (علوی) محمد شفیع الدین صاحب نیر سے بھی اس عنوان پر نظم لکھنے کی درخواست کی گئی تھی وہ اپنی کم فرصتی کی وجہ سے اب ادا کر سکے ہیں۔ یہ اس پرچے میں چھپ رہی ہے نیر صاحب کی کسی نظم کی بابت کچھ لکھنا بیکار ہے بچے پڑھ کر خود ہی اندازہ کر لیں۔ برادری کے ممبر اس نظم کو بھی اپنے جلسوں میں پڑھ سکتے ہیں۔

"آؤ گھر گھر کھیلیں" والے مضمون کا سلسلہ اپریل کے پرچے میں ختم ہوگیا۔ بچوں خاص کر چھوٹے بچوں نے بہت پسند کیا۔ یہ مضمون ہمارے ایک بہت ہی محترم بزرگ نے لکھا تھا۔ اسی سلسلے میں ہم نے بھی کوشش کی ہے۔ وہ بات تو کہاں پیدا ہو سکتی تھی پھر بھی شاید بچوں کو پسند آئے۔

پچھلے مارچ میں جامعہ کے ایک اور بزرگ جناب منشی علی محمد خاں صاحب کا انتقال ہوگیا۔ یہ ہندوستان کے بہت مشہور خطاط تھے۔ اردو خط خاص طور پر اچھا تھا ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتبے بہت قیمتی سمجھے جاتے ہیں اور زینت کے لئے گھروں میں لگائے جاتے ہیں۔ بہت دنوں سے منشی صاحب جامعہ میں تشریف لے آئے تھے۔ بچوں اور بڑوں کو خوشنویسی سکھاتے تھے اور مکتبہ جامعہ کی اچھی اچھی کتابیں لکھتے تھے۔ ہمیں ان کی موت کا بہت افسوس ہے ایسے کامل فن بزرگ مشکل سے پیدا ہوتے ہیں خدا مرحوم کو جنت میں جگہ دے۔ آمین

محترمہ آپا جان کا ایک مضمون کاغذ کاٹنا، مارچ کے پرچے میں چھپ چکا ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا مضمون بھی انھوں نے مرحمت فرمایا ہے۔ یہ اگلے پرچے میں چھپے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ بچے اسے پہلے مضمون سے بھی زیادہ پسند کریں گے۔

اس پرچے میں ایک اور مستقل عنوان بڑھا دیا گیا ہے "کھیل کی خبریں"۔ اس عنوان کے نیچے ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے کھیلوں کی دلچسپ خبریں دی جائیں گی۔ اگر پیامیوں نے اسے پسند کیا تو یہ عنوان مستقل کر دیا جائے گا۔

عزیزی عارف حسین (دہلی بھیت) کی کتابیں بہت دنوں سے رکھی ہیں۔ وہ اپنا پتہ بھیج کر دفتر سے منگوا لیں۔

جاگو اور جگاؤ

از جناب شیخ شفیع الدین صاحب نیّر۔ استاد ماڈرن ہائی اسکول نئی دہلی

جاگو، جاگو، جاگو، پیارے | جاگے دنیا والے سارے
دیکھو سورج چاند ستارے | کرتے ہیں سب تم کو اشارے

تم بھی غفلت سے باز آؤ
جاگو، جاگو سب کو جگاؤ

بے کاری کا رونا کب تک | آنسوؤں سے منہ دھونا کب تک
تکیہ اور بچھونا کب تک | جاگو، جاگو، سونا کب تک

اُٹھو، اُٹھو اب اُٹھ جاؤ
جاگو، جاگو سب کو جگاؤ

کوشش سے کچھ کرنا سیکھو | بل پر اپنے اُبھرنا سیکھو
صرف خدا سے ڈرنا سیکھو | حق کی خاطر مرنا سیکھو

اچھی باتیں کرکے دِکھاؤ
جاگو، جاگو سب کو جگاؤ

قوم کی خدمت کرکے دکھاؤ | قوم کا بگڑا کام بناؤ
قوم کی کشتی پار لگاؤ | ڈوب رہی ہی اس کو تراؤ

جلد ...ارے پر پہنچاؤ
...، جاگو سب کو جگاؤ

... برساؤ | نفرت کی یہ آگ بجھاؤ
مل کر ... پریم کے گاؤ | گھر گھر یہ پیغام سناؤ

آپس کے جھگڑوں کو مٹاؤ
جاگو، جاگو سب کو جگاؤ

سب ہمت ہاروں کو اُٹھاؤ | قسمت کے ماروں کو اُٹھاؤ
قوم کے بےکاروں کو اٹھاؤ | بےبس بےچاروں کو اُٹھاؤ

نیر کا یہ نغمہ گاؤ
جاگو، جاگو سب کو جگاؤ

آؤ گھر گھر کھیلیں

منّی کا بیاہ

محمد حسین حسان

ماں :- اے ہے ذرا بات تو سنو۔ دیکھو منی خیر سے سیانی ہو گئی۔ اس کے نسبت ناتے کی بھی کہیں فکر کرو گے یا یوں ہی بٹھائے بٹھائے بوڑھی کر دو گے۔

اسد :- ہاں بھئی کرو نہ بیاہ، کہیں سے پیام بھی تو آئے۔

ماں :- اے لو پیام کیوں نہ آتے، کل ہی میری سہیلی کے یہاں سے نسبت آئی تھی۔ وہی صغیرہ وکیل صاحب کی لڑکی۔

اسد :- تو بات پکی کر لو۔

موہن :- بس پہلے منگنی ہو جائے اور پھر بیاہ۔

چنّو :- اور نکاح بھی تو ہو گا

اسد :- ہاں نکاح بھی ہو گا، قاضی جی پڑھائیں گے۔

ماں :- اور چنّو تم جیسے ہمارے نائی ہو

چنّو :- اچھی بات ہے ہم تمھارے نائی ہیں اور تم ہمارے ججمان۔ مگر بیاہ شادی کا حق پورا لوں گا۔

رشیدہ :- تو خلیفہ جی صغیرہ کے گھر کہہ آؤ، ہیں تمھاری بات منظور ہے۔ تمھارا

گڈا ۔ ہماری گڑیا ۔ کل آکے بات
پکی کر لو۔

بی صغیرہ نے دوسرے دن کے لئے
خوب تیاریاں کیں۔ سب سہیلیوں کو جمع کیا
پان آئے مٹھائی آئی اور اس شان سے سب
سمدھیانے گئے ۔ وہاں خوب خاطر مدارات
ہوئی۔ تھوڑی دیر میں شادی بیاہ کی باتیں
چھڑیں۔ باتوں باتوں میں منّی کی ٹانگ کا ذکر
آگیا۔ اب تو دلہن والوں کو بہت پریشانی ہوئی
مگر رشیدہ نے بات بنالی اور کہا "ڈاکٹر صاحب
کی غلطی سے ٹانگ الٹی تو ضرور سل گئی ہے مگر
اس سے کیا ہوتا ہے میری منّی کہیں لنگڑاتی
تھوڑی ہی اس سے دولھا والوں کو اطمینان ہوگیا
بات پکی ہوگئی اور دولھا والے دعوت کھاکے
خوش خوش اپنے گھر سدھارے۔

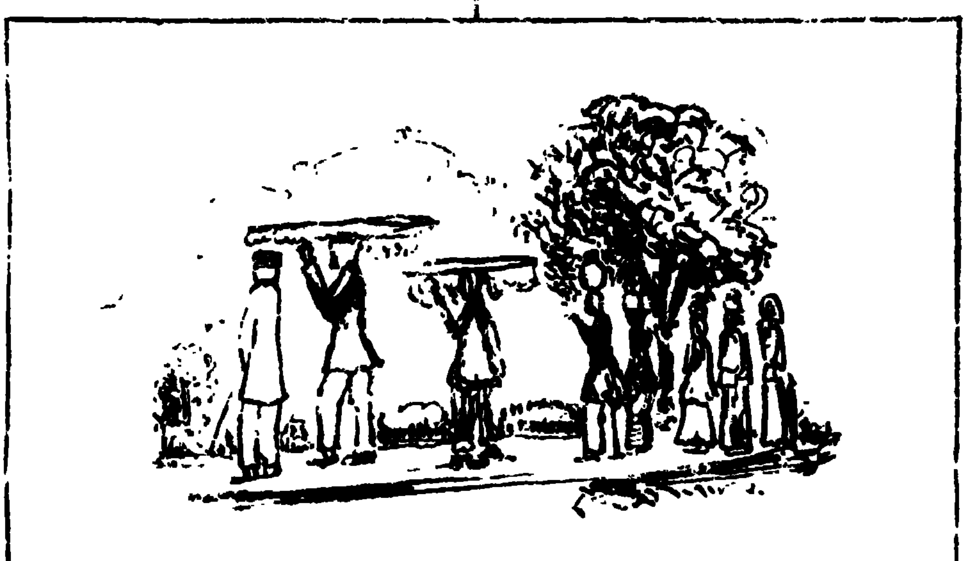
منگنی کے مہینے بھر بعد عید آگئی راشدہ
نے سمدھیانے سیدھا بھیجا۔ ایک منّی سی
سینی میں چاول، ایک میں سویاں، ایک میں شکر
اور دولھا کی عیدی کے پانچ پیسے۔ اُدھر
سے لڑکی کا خوب صورت سا جوڑا آیا اور
عیدی کے دس پیسے۔

پانچویں چھٹے مہینے لڑکے والوں کی
طرف سے تقاضے پہ تقاضا شروع ہوا۔ اِدھر
بی راشدہ کہتی تھیں "ارے ہے میں نے بچّی کے
جہیز کا کوئی سامان نہیں کیا ہے، اتنی جلدی
کیسے رخصت کردوں ..... آخر یہ
بات قرار پائی کہ ابھی نکاح ہو جائے اور چار
مہینے بعد رخصت کردی جائے۔

نکاح کے دن لڑکے والے اپنے ساتھ
چھوارے شکر اور دلہن کا سرخ جوڑا لائے
رشید قاضی بنے، نکاح پڑھایا گیا، چھوارے
تقسیم ہوئے۔ کچھ شریر لڑکوں نے بے صبری
سے کام لیا اور خوب لوٹ مار مچائی۔ آخر میں
کھانا چنا گیا اور دولھا میاں کے لئے اندر سے

ایک بٹوا، ایک رومال اور ایک انگوٹھی آئی
رومال میں پیسے بندھے تھے۔ بٹوے میں
میوہ بھرا تھا۔ انگوٹھی دولھا میاں کی انگلی
میں پہنا دی گئی۔ پیسے بی صغیرہ کے پاس
پہنچ گئے، اور میوہ یار دوستوں نے اڑایا۔

دولھا کے اُبٹن ملنے آئے، دولھا والے دلہن
کو مائیوں بٹھانے آئے۔ دولھا کے گھر
رت جگا ہوا، گھر گھر گلگلے بٹے۔ برات سے
ایک دن پہلے دلہن کے یہاں بری گئی۔ مٹی
کی ننھی ننھی دس بارہ مٹکیاں تھیں، کسی میں



ز خدا خدا کر کے چار مہینے ختم ہوئے۔ دولھا
الوں کی طرف سے نائی پیام لایا کہ ہمارے
اں سب سامان تیار ہے، اب دیر نہ کیجیے۔
ن والوں نے بھی سب جہیز تیار کر لیا تھا،
اسلئے بیاہ کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ دلہن والے

چھوارے، کسی میں کھیلیں، کسی میں مصری
کسی میں تال مکھانے۔ کوئی چار سینیاں
تھیں۔ ایک میں دلہن کے بھاری بھاری
جوڑے تھے، ایک میں ننھا منا زیور رکھا
تھا، دو میں شکر بھری تھی۔ دوسرے دن صبح

لڑکے دولھا کا جوڑا آیا۔ جالی کا جامہ ریشم کی شروانی، پکّے گوٹے کا سہرا اور صافہ۔ کوئی گیارہ بجے تک بی صغیرہ کی سہیلیاں اور باہر مرد اکٹھا ہوگئے۔ یہ دھوم دھڑکا دیکھ کر صغیرہ کی ماں کا جی بھی جانے کو للچایا، مگر لڑکیوں نے فریاد کی "آپ نہ جائیے، آپ نہ جائیے" بے چاری للچا کے رہ گئیں۔ باہر مردوں میں بھی سب لڑکے ہی لڑکے تھے۔ صغیرہ کے باپ نے بہتیرا کہا "بھئی انتظام میں گڑبڑ ہوجائے گی ہمیں بھی چلنے دو۔ مگر لڑکوں نے ایک نہ سُنی۔



دولھا کی سواری کے لئے بہت دوڑ دھوپ کے بعد چھوٹا سا ٹٹو تلاش کیا گیا۔ اسی پر نعیم دولھا کو لے کر بیٹھے۔ کوئی بارہ بجے بارات سج سجا کے روانہ ہوئی۔ آگے آگے دولھا پیچھے مرد، اُن کے پیچھے عورتوں کے یکے تانگے۔ بارات دلہن کے دروازے پر پہنچی تو سوہن نے دولھا کا گھوڑا روکا اور کہا گھوڑا رکائی دلواؤ۔ بڑی مشکل سے انھیں کچھ دے دلا کر راضی کیا گیا۔ اندر سمدھنوں کی پھولوں کی چھڑیوں سے خوب خاطر کی گئی۔ باہر دولھا میاں کو قالین پر تکیے

کے سہارے بٹھایا گیا۔ آس پاس باراتی تھے۔ نکاح پہلے ہو چکا تھا اس لئے فوراً کھانے کا انتظام کیا گیا۔ کھانا ختم ہوا تو دولھا میاں اندر گئے اور آرسی مصحف ہوا۔ منّی بی ایک طرف اور دولھا میاں ایک طرف، دونوں آمنے سامنے بٹھائے گئے۔ بیچ میں قرآن رکھا گیا، یہ ہوا آرسی مصحف۔ یہ سب ہوتے ہوتے چار بج گئے۔ اب رخصت رخصت کا شور مچا۔ منّی بی کا جہیز باہر نکالا گیا۔ ایک ننھا سا مرادآبادی پایوں کا پلنگ، ایک منّی سی مسہری دونوں پر دولہن کے بہت سے جوڑے، ننھی ننھی میز کرسیاں، چار کا سیٹ، برتن، پاندان، خاصدان، اگالدان۔ ننھی سی لکڑی کی بانگی، سب سامان سجا کے رکھ دیا گیا۔ اب منّی کی رخصتی کا موقع آیا۔ راشدہ، اسد، چنو سبھی کو اُن کی جدائی کا غم تھا، مگر ضبط سے کام لیا اور منّی بی کو پالکی میں سوار کرایا۔ چلتے وقت صغیرہ نے کہا: "بہن کچھ غم نہ کرنا، میں تمہاری بٹیا کو اچھی طرح رکھوں گی۔ بس بھولوں میں تولوں گی"۔ راشدہ بولیں "ہاں ہاں بہن جبھی تو مجھے اطمینان ہے کہ جیسے میرے پاس رہی ویسے تمہارے پاس رہی۔"

جہیز اُٹھانے کے لئے کہاروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بلائے گئے۔ ایک ایک کے سر پر ایک ایک جہیز رکھی گئی اور باقاعدہ جلوس کے ساتھ بارات رخصت ہوئی۔

دوسرے دن چوتھی ہوئی اور پھر کوئی مہینہ بھر تک چالے ہوتے رہے۔

اطلاع
منیجر کو خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر اور ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ ضرور لکھو۔
"منیجر"

دُعا

ماہ سیح بی اے - مرادآبادی

اے بادل کو بنانے والے | سب کی پیاس بجھانے والے
بیڑا پار لگانے والے

کھانا دینے والا تو ہے | مالک تو ہے داتا تو ہے
سب کو سُکھ پہنچانے والے

رات میں کیوں ہو مجھ کو دہشت | تو کرتا ہے میری حفاظت
میٹھی نیند سُلانے والے

بپتا سُننے والا تو ہے | بیماروں کا سہارا تو ہے
اے دُکھ درد مٹانے والے

چاہے دُکھ ہو چاہے سُکھ ہو | تو نہ بھٹکنے دینا ہم کو
سیدھی راہ دکھانے والے

سائنس کی الماری

محمد حسین حسان

عمر کا ش کی تتلیاں دیکھ کر بچّوں میں سائنس کی الماری سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے دن سب بچّے کوئی نہ کوئی چیز اپنے ساتھ ضرور لائے اور سائنس کی الماری میں جیسے چیزوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ننھا افضل بہت سے ٹڈے لے آیا اور رشید کے ہاتھ میں مری ہوئی گلہری تھی اس میں بھس بھرا ہوا تھا۔ احمد میاں رنگ برنگے شیشوں کے ٹکڑے جمع کر لائے۔ خلیل میاں قسم قسم کے پتھر لائے تھے اور بڑے شوق سے آپا جان کو دکھا رہے تھے۔ ننھی رشیدہ خرگوش کے بچے لائی تھیں، چھوٹے چھوٹے بڑے خوب صورت لگ رہے تھے۔ کچھ بچّے پودے بھی لائے تھے۔ مصطفےٰ کے ابا کو سانپ پکڑنے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے کچھ سانپ شیشے کے مرتبان میں احتیاط سے بند کر کے مصطفےٰ کے ہاتھ بھیج دیے تھے۔

اس وقت آپا جان پھولی نہیں سما رہی تھیں۔ بچّوں کو شاباشی دیتے دیتے ان کا منہ سوکھ گیا تھا۔ بچّوں میں بہت جوش تھا۔ ایک دوسرے کی چیزیں دیکھنے کو بس جھکے پڑتے تھے۔ جب یہ جوش اور شور وغل ذرا کم ہوا تو آپا جان بولیں۔

"اچھا اب ان چیزوں کو الماری میں

قرینے اور ترتیب سے رکھ دیں، پھر ان سب چیزوں کا حال معلوم کرنے میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ دیکھو پتھر سانپ کے مرتبان کے پاس رکھے ہوئے ہیں، تتریاں شیشے کے ٹکڑوں کے پاس رکھی ہیں۔ کیوں؟ انھیں الگ الگ ترتیب سے رکھ دیں نا؟

رشیدہ:۔ آپا جان ہاں آپ کا مطلب سمجھ گئی! امی بھی تو ایسا ہی کرتی ہیں، وہ چھوٹی بڑی کیلیں الگ الگ ڈبیوں میں رکھتی ہیں، بلکہ وہ تو ہر چیز الماری صندوق، صندوقچی میں الگ الگ رکھتی ہیں، اسی لئے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے فوراً مل جاتی ہے، ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔

آپا جان:۔ ہاں بیٹی تم ٹھیک کہتی ہو۔ پر ہم اپنی چیزیں کس ترتیب سے لگائیں؟

تھوڑی دیر کے لئے سب بچے سوچ میں پڑ گئے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے اتنے میں افضل ایکا ایکی جیسے اچھل پڑا، جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اور چلّا کر بولا۔ میں بتاؤں آپا جان! یہ کیجئے کہ جو چیزیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں انھیں ایک جگہ رکھ دیجئے۔"

آپا جان (خوش ہوکر) شاباش بیٹے! بات تو تم نے عقل مندی کی بتائی، سائنس جاننے والے سے ہم یہ کام کراتے تو وہ یہی کرتا کہ ایک قسم کی بہت سی چیزیں جمع کر کے ایک طرف رکھ دیتا، پھر دوسری قسم کی چیزیں جمع کر کے انھیں دوسری جگہ لگا دیتا اسی طرح تیسری پھر چوتھی۔

عمر کامل:۔ آپا جان، میں بھی تو یہی بتانے والا تھا، افضل پہلے بول دئے۔

افضل:۔ جی ہاں بس رہنے دیجئے، مجھے معلوم ہے آپ کی قابلیت۔

عمر کامل :- اچھا! ذرا سی بات کیا بتا دی،
دماغ آسمان پر چڑھ گیا۔
آپا جان :- نہیں بیٹے آپس میں جھگڑتے نہیں
ہیں، اچھا تو آؤ، اب ہم بھی یہی کریں
اور ہاں بھئی اس پر بھی غور کریں کہ ان
میں سے کچھ چیزیں تو ایک دوسرے
سے ملتی جلتی ہیں اور کچھ نہیں، آخر یہ
کیا بات ہے۔ مگر اس کے سمجھنے میں
ذرا دیر لگ جائے گی، تو پہلے یہ کریں
کہ ایک ہی قسم کی جو چیزیں ہیں انھیں
ایک جگہ جمع کر کے ایک طرف رکھ دیں
رشیدہ :- ہاں آپا جان بس ایسا ہی کیجئے۔
اچھا دیکھئے یہ پتھر اور شیشے کے ٹکڑے
میری منو بلائی جیسے تو ہیں نہیں میری
منو بلائی تو جان دار ہے، اور شیشے
کے ٹکڑے تو بالکل بے جان ہیں۔ کیوں
آپا جان ؟

آپا جان :- بھئی ہماری رشیدہ بڑی سمجھ کی باتیں
کرنے لگی ہے۔ بیٹی تم نے بالکل ٹھیک
کہا۔ دنیا کی سب چیزیں یا تو جان دار
ہوتی ہیں یا بے جان، ان کے لئے
دو لفظ اور ہیں :- ذی روح اور
غیر ذی روح۔ ذی روح تو جان دار
کو کہتے ہیں اور غیر ذی روح بے جان کو۔
بے جان وہ ہے جس میں جان کبھی تھی ہی نہیں
سب بچے سوچنے لگے کہ جان دار
چیزیں ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہیں، ان بچوں نے
جان دار چیزوں کے بارے میں جو جو باتیں کہیں
وہ آپا جان نے تختۂ سیاہ پر لکھ لیں۔

زندہ چیزیں :-

(۱) ہل ڈل سکتی ہیں۔
(۲) سانس لے سکتی ہیں
(۳) کھانے پینے کی محتاج ہیں۔
(۴) بڑھ سکتی ہیں

۵، بچے دیتی ہیں یا اپنی طرح دوسروں
کو پیدا کر سکتی ہیں۔

آپا جان یہ سب چیزیں لکھ چکیں تو بولیں
فرض کرو تم جان دار چیزیں الماری کے ایک
طرف رکھو گے۔ تو دوسری طرف کیا رکھو گے؟
بے جان چیزیں؛ کیوں ٹھیک ہے نا؟

رشیدہ:۔ ہاں اور کیا۔ اچھا دیکھئے میری
منو بلائی اور اس کے بچے یقیناً جان دار
ہیں، وہ کھاتے پیتے ہیں۔ میں دن
میں انھیں تین دفعہ دودھ دیتی ہوں
اور یہ بچے خوب بڑے ہو گئے ہیں۔
بلی بلی چلتی بھی ہے اور ادھر سے ادھر
گھومتی پھرتی ہے، وہ بچے بھی دیتی
ہے، اس لئے کہ وہ ان بچوں کی ماں ہے

خلیل نے الماری میں سے ایک پتھر
اٹھالیا اور کہنے لگا۔ "دیکھئے یہ بالکل بے جان
ہے نہ تو کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے، نہ
سانس لیتا ہے، نہ بڑھتا ہے نہ اس سے
چھوٹے پتھر پیدا ہو سکتے ہیں، نہ یہ اپنے آپ
ہل ڈل سکتا ہے۔"

نصیر:۔ اور یہ شیشے کا ٹکڑا، نہ تو اس کے
آنکھیں ہیں، نہ کان، نہ ناک، نہ منہ
بے جان چیزیں نہ دیکھ سکتی ہیں، نہ سن سکتی
ہیں، نہ سونگھ سکتی ہیں یا نہ کھا سکتی ہیں۔

افضل:۔ تم ایک پتھر ایک درخت کی جڑ میں
برسوں پڑا رہنے دو۔ درخت خوب بڑھ
جائے گا مگر پتھر اتنے کا اتنا ہی رہے گا۔

ارشد:۔ اور صاحب ہمارا یہ پودا بھی زندہ ہے دیکھو
بیس بائیس روز ہوئے ابا نے اس کا بیج
بویا تھا تو کتنا ننھا سا تھا، اب بڑھتے بڑھتے
کتنا بڑا ہو گیا ہے۔

غرض درجے کے سب بچوں نے جان دار چیزیں ایک طرف
رکھ دیں اور بے جان دوسری طرف پھر گتے کو چوکھوٹا کاٹ کر ایک پر لکھا
[جان دار چیزیں] اور دوسرے پر [بے جان] لکھا اور دونوں طرف ٹانک دئیے

(باقی آئندہ)



اوکھلے کی سیر

غلام حیدر خاں - عمر ۱۰ سال

اک دن تھی اسکول کی چھٹی   فرصت تھی ہم کو دن بھر کی
دوست ہمارے سارے آئے   سب نے اپنے کھیل دکھائے
ہم نے سوچا سیر کو جائیں   باہر جا کر لطف اُٹھائیں
ہوگئی اوکھلے کی تیاری   آگئی اب چلنے کی باری
جا بیٹھے کھٹ سے موٹر میں   خوب ہی آیا لطف سفر میں
جا پہنچے ہم نہر کنارے   دیکھے وہاں پانی کے نظارے
کھانا بھی ہم نے وہاں پر کھایا   خوب ہی ہم نے جی بہلایا
ہم نے جمنا دریا دیکھا   پانی دیکھا سبزہ دیکھا
شام کو پھر ہم گھر کو لوٹے   سارے دوست تھے چھوٹے چھوٹے

چھٹی ہم نے خوب منائی
اور میں نے یہ نظم بنائی

(ماڈرن ہائی اسکول - نئی دہلی)

دانت اکھڑ گیا

محمد حسین حسان

حامد :- خلیل بھیا جلدی جلدی قدم اٹھایئے۔

خلیل :- کیوں، کیوں کیا بات ہے؟



حامد :- آج ہمیں کچھ دیر ہو گئی ہے۔ اگر پونے آٹھ بجے ترانے میں نہیں پہنچے تو ماسٹر صاحب خفا ہو جائیں گے۔

خلیل :- بھئی میرا ایک دانت ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اکھڑ رہا ہو

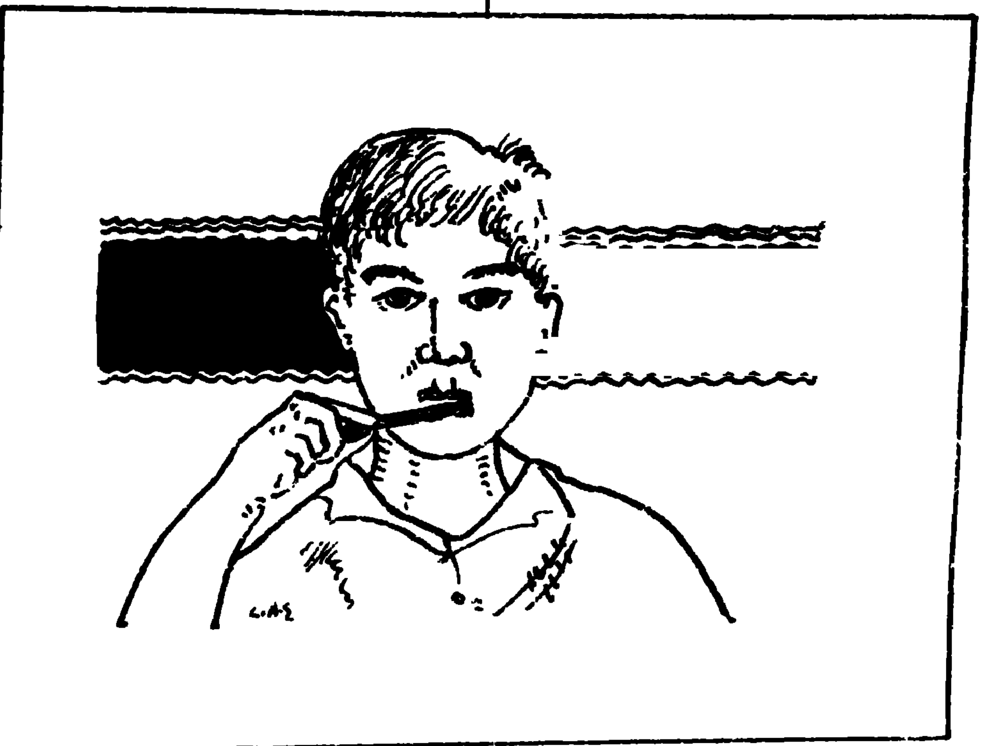
حامد :- ہائیں ذرا مجھے دکھایئے۔ اُف فوہ یہ تو بالکل اکھڑا جا رہا ہے۔ اچھا چلئے ماسٹر صاحب سے کہیں گے

اسکول میں پہنچے تو حامد میاں نے سلام کے بعد ماسٹر صاحب کو سب سے پہلے یہی خبر سنائی۔ ماسٹر صاحب

بولے "اچھا، اچھا ابھی ڈاکٹر
عباس صاحب مدرسے میں آئیں
گے انھیں دکھا دینا"
تھوڑی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ
ڈاکٹر صاحب بھی اپنے کمپونڈر کے ساتھ
چلے آرہے ہیں۔ سب سے پہلے انھیں
خلیل میاں کا دانت دکھایا گیا۔ وہ دیکھتے
ہی کہنے لگے "ارے میاں خلیل! اس کے نیچے
سے تو دانت نکل رہا ہے اور یہ دانت بس
اکھڑا ہی چاہتا ہے"
خلیل :- ارے ارے، یہ تو میرے ہاتھ میں آگیا
خلیل کچھ ایسا بھونچکا سا ہوا کہ سب
لڑکے بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑے
ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو خود بھی
ہنسنے لگے اور جلدی سے باہر جاکر
دو چار کلیاں کر ڈالیں۔
ڈاکٹر صاحب بولے خلیل میاں
پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ یہ دودھ کا
دانت تھا۔ دیکھو جتنے ننھے ننھے دانت ہیں
نا، یہ سب گر جائیں گے اور اُن کی جگہ نئے
نکلیں گے، مگر ان نئے دانتوں کی خوب
حفاظت کرنا۔ اگر یہ اُکھڑ گئے تو اُن کی جگہ
دوسرے نہیں نکلیں گے"
ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دانتوں
کی حفاظت کیسے کی جائے۔ پہلی بات تو
انھوں نے یہ کہی کہ کھانا کھانے کے بعد
دانت ضرور مانجھ لیا کرو، اگر مسواک یا داتن
ہو تو بہت اچھی بات ہے، مگر یہ روز نئی ہونا
چاہیئے۔ دن میں دو تین گلاس دودھ بھی
ضرور پینا چاہیئے اور ہاں مٹھائیاں زیادہ
مت کھاؤ۔
پھر ڈاکٹر صاحب بولے "اچھا اب
مجھے یہ بتاؤ کہ تم میں سے کتنے لڑکے منجن سے
دانت مانجھتے ہیں یا مسواک کرتے ہیں۔

جو بچے دانت مانجھتے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں۔ درجے کے سب بچے کھڑے ہو گئے پھر ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔ کتنے بچے روزانہ دانت مانجھتے ہیں؟ اس مرتبہ

نے جواب دیا۔ جی ڈاکٹر صاحب میں اوپر کی طرف مانجھتا ہوں اور نیچے کی طرف بھی پھر باہر کی طرف اور اندر کی طرف۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا شاباش! اسی طرح دانت



بھی سب لڑکے کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے خلیل سے پوچھا: اچھا خلیل میاں تم دانت کیسے مانجھتے ہو؟ خلیل

مانجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اور بچوں کے دانت بھی دیکھے، رامو سے کہا "میاں تم آج ہی دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس جاؤ، تمہارے دانت میں سوراخ ہو گیا ہے

اگر تم نے جلدی علاج نہ کرایا تو یہ دانت تمہیں بہت تکلیف پہنچائے گا۔"

رامو بولا "نہیں ڈاکٹر صاحب میں آج ہی جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر صاحب دروازے سے چلنے لگے۔ چلتے چلتے خلیل کی طرف مڑے بولے "خلیل بیٹے اگلی دفعہ جب ہم آئیں گے تو تمہارا نیا دانت نکل چکا ہوگا۔"



چچا چھکّن نے کرسی بنائی

چچا نے بڑھئی کا کام سیکھ لیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے کمالات حاصل کر لئے ہیں۔ جب کبھی کام اپنے ذمے لے لیتے ہیں تو گھر بھر میں شورِ قیامت برپا کر دیتے ہیں۔ کسی کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کسی کو ڈانٹتے ہیں، کسی پر گرج گرج کر برس پڑتے ہیں، غرض گھر تو ایک طرف رہا محلے بھر کو سر پر اُٹھا لیتے ہیں۔

پچھلے ہفتے کا ذکر ہے کہ "افضل نے کہا کہ "ابّا میری پڑھنے کی کرسی کا پایا ٹوٹ گیا ہے"۔ چچا نے فخر سے جواب دیا "تو کیا ہوا میں ابھی منٹ بھر میں درست کئے دیتا ہوں"

اتفاق سے چچا اس وقت اپنی نئی پتلون پہن رہے تھے، بولے "بیٹا! ذرا میرا پاجامہ دے جاؤ۔ میری پتلون خراب نہ ہو"۔ افضل بہت دیر تک ڈھونڈنے کے بعد آیا اور کہنے لگا: "ابّا وہ تو ملتا نہیں"۔ اتنا سننا تھا کہ بھبک کے بولے "ارے کیا یہاں سے غارت ہوگیا۔ زمین نگل گئی، آسمان کھا گیا"۔ چچا کو جو چیختے چلاتے سُنا تو سب کے سب پاجامہ ڈھونڈنے کے درپے ہوگئے۔

جب بہت دیر ہوگئی تو چچا نے کہا "ارے کمبختو! تہمد ہی دے دو، کام کا ہرج تو نہ کرو"۔ یہ سن کر لوگوں کی جان میں جان آئی۔

للّو نے تہمد دیا تو خدا خدا کر کے آپ نے پتلون اُتاری۔ اب معلوم ہوا کہ آپ نے پتلون کے نیچے پاجامہ پہن رکھا تھا۔ پھر پورے اُتنے آدمی پاجامے کو نہ ڈھونڈ سکے اور میں نے لمحہ بھر میں ڈھونڈ نکالا۔ اللہ اللہ کر کے ٹوٹی ہوئی کرسی آئی۔ بڑھئی کے سامان کا صندوق آیا۔ چچا نے ایک ہاتھ میں کیل پکڑی اور دوسرے میں ہتوڑی، اتنے میں باہر سے آواز آئی "چچا جان، چچا جان" سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر بھاگے۔ معلوم ہوا کہ ایک بچہ اپنے چچا کو آواز دے رہا ہے۔ بہت بھنّائے اندر آکر پھر کیل اُٹھائی۔ ہتوڑی کے لئے جو ہاتھ بڑھایا تو معلوم ہوا کہ وہاں سے غائب ہو گئی ہے۔ لو صاحب اب ہتوڑی کی ڈھنڈیا پڑی۔ چچا لگے پھر چیخنے چلانے۔ بہت دیر کے بعد پتہ چلا کہ آپ غلطی سے ہتوڑی پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر آپ نے ہتوڑی اُٹھائی اور اس زور سے ماری کہ کیل پر پڑنے کی جگہ وہ دوسرے پائے پر پڑی۔ باوا آدم کے زمانے کی کرسی، پھر اس پر ایسی سخت چوٹ کہ استاد کا ڈنڈا بھی اس زور سے نہ پڑتا ہوگا کھٹ سے پایا الگ جا پڑا۔ بڑی مشکلوں سے رات تک کرسی درست ہوئی مگر دونوں پائے ایسے گویا ڈورے سے لٹکائے ہیں۔ چچا نے غرور سے کرسی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لکڑی ذرا سخت تھی ورنہ ایسی درست ہوتی کہ کیا کہوں"

نقل

محمد حسین حسان

ارشد :- ہیں ، ہیں ، یہ کیا !

افضال :- کیوں خیریت ؟

ارشد :- بھئی آج ہاکی تھوڑی کھیلی جائے گی ، آج تو فٹ بال کا دن ہے ۔

افضال :- ہاں ہاں بھئی خوب یاد دلایا ۔ مگر آج تو ہوا بہت تیز چل رہی ہے کیسے کھیلا جائے گا ۔

ارشد :- اچھا بتاؤ اس ہوا کو کیا کہتے ہیں

افضال :- جھکڑ کہتے ہیں اور کیا کہتے ہیں کل ہی تو ماسٹر صاحب نے بتایا ہے ۔

ارشد :- بھئی ماسٹر صاحب کے پڑھانے کا طریقہ بہت اچھا ہے ۔

افضال :- جناب مجھے ماسٹر صاحب کی کل والی تقریر لفظ بلفظ یاد ہے ۔

ارشد :- جی مجھے بھی یاد ہے ۔

افضال :- اچھا آج مقابلہ ہو جائے ۔

ارشد :- ہو جائے ۔

افضال :- ایک بات سمجھ میں آئی ۔ آج کا کھیل گول کرو اور وہ سامنے سے جو تین چار شیطان آ رہے ہیں انھیں بھی بہلا پھسلا کر واپس لے چلو ، پھر کمرے کو درجہ بنایا جائے ۔ یہ سب طالب علم

ارشد :- اور ہم اور تم باری باری سے ماسٹر صاحب

افضال :۔ اور جو سب سے اچھی نقل
کرے وہ مٹھائی کھلائے۔
ارشد :۔ جی نہیں ہمارا تمھارا مقابلہ ہے
جو ہارے وہ مٹھائی کھلائے۔
افضال :۔ یہی سہی
ارشد :۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے، نعیم
احسن اور محسن کو بھی لیتے آؤ۔
نصیر :۔ جی یہ کھیل کا وقت ہے، اس میں
خیریت ہے کہ آپ بھی اسی طرف
تشریف لے آئیں۔
افضال :۔ آپ بھی عجیب جانور ہیں۔
کھیل آج ملتوی ہے۔
نصیر :۔ ارے! یہ کیوں؟ تمھیں کیسے معلوم
ہوا؟ کیا ماسٹر صاحب آئے تھے؟
ارشد :۔ قریب آیئے تو بتائیں۔
نصیر :۔ (قریب آکر) ہاں فرمایئے
افضال :۔ بھئی آج سے فٹ بال کھیلنے کی
باری اور ہوا دیکھو کیسے زور کی چل
رہی ہے۔
سب لڑکے :۔ پھر؟
افضال :۔ پھر کیا۔ کوئی اور کھیل کھیلو
نصیر :۔ اچھا! دونوں میں یہی سازش
ہو رہی تھی، بتاؤ کون سا کھیل کھیلیں
ارشد :۔ بھئی بات یہ ہے کہ ابھی ابھی
جغرافیے کے ماسٹر صاحب کا ذکر
آگیا؛ افضال کہنے لگے مجھے اُن کی
تقریر لفظ بلفظ یاد ہے۔
نصیر :۔ اُن کا پڑھانا ہے تو سچ مچ ایسا
ہی۔
ارشد :۔ سُنو تو۔ میں نے کہا مجھے تم سے
زیادہ یاد ہے۔ اسی پر افضال صاحب
اکڑ گئے اور ہار جیت کی ٹھہرا دی۔
اب جو ہارے گا وہ مٹھائی
کھلائے گا۔

سب لڑکے :۔ (چیخ کر) واہ وا! بڑی اچھی شرط ہے مگر بعد میں دھوکا مت دینا

ارشد :۔ کیا سمجھ رکھا ہے نالائقو! کوئی ہم دھوکے باز ہیں۔ اچھا چلو کمرے میں چلو، جیسے ہم تمھارے استاد ہیں اور تم سب ہمارے شاگرد، اگر کوئی گستاخی کی تو یاد رکھنا۔

سب لڑکے :۔ چلیئے ماسٹر صاحب، ماسٹر صاحب، ماسٹر صاحب۔

افضال :۔ ہم بھی تو ماسٹر صاحب ہیں احمقو!

نعیم :۔ جی ہاں، ہم بھی ہیں پانچوں سوار میں۔

ارشد :۔ پہلے ہم پڑھائیں گے۔

افضال :۔ اچھا آپ ہی سہی۔

ارشد :۔ اچھا بچو! تمیز سے بیٹھ جاؤ اور ہماری بات غور سے سُنو۔

سب لڑکے :۔ (ایک دم چیخ کر) بہت اچھا ماسٹر صاحب!

ارشد :۔ خاموش شریر۔ اچھا دیکھو یہ جو ہمارا درجہ ہے اس میں کوئی چیز چل رہی ہے اور کھڑکیوں اور دروازوں میں سے اندر اور باہر آجا رہی ہے۔ پر ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ کچھ خبر ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ ہوا ہے۔ یہ ہر جگہ ہے۔ اور ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی یہ اتنی ہلکی چلتی ہے کہ ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا، کبھی بس اتنی تیز کہ سرسراہٹ سی معلوم ہوتی ہے اور کبھی اتنی تیز، اتنی تیز کہ گھبرا کر کہنے لگتے ہو کہ جھکڑ چل رہا ہے۔

جب ہوا تیز چلتی ہے تو پتیاں، کاغذ، خاک دھول اور جانے کیا کیا اِدھر سے اُدھر اڑا لے جاتی ہے اور تیز چلتی

ہے تو دوپلی تو دوپلی اچھی خاصی وزنی ٹوپیاں سڑک پر نظر آتی ہیں، معمولی اور کم زور چھتریاں الٹ جاتی ہیں اور بڑا مزا آتا ہے۔ یہ تیز ہوا خود ہمیں بھی ڈھکیلتی ہوئی دور تک لے جاتی ہے

کبھی کبھی تو یہ اتنے زور کی چلتی ہے کہ بس آندھی آجاتی ہے، گھروں کے چھپر اڑ جاتے ہیں، درخت اکھڑ جاتے ہیں، بجلی کے کھمبے گر جاتے ہیں اور بڑی مصیبت آجاتی ہے۔

نصیر:- بس بس بس ڈاک گاڑی رہ گئے ماسٹر صاحب کل یہیں تک پڑھایا تھا۔

ارشد:- ہاں ٹھنڈا میں ہیں ختم ہی کر رہا تھا۔ تو ذرا تو تم سمجھ گئے کہ ہوا کیا چیز ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ بالکل ہلکی، ذرا تیز



ذرا اور تیز، پھر جھکڑ اور پھر آندھی۔

سب لڑکے:- سمجھ گئے ماسٹر صاحب سمجھ گئے خوب سمجھ گئے۔

نصیر:- بھئی تقریر تو تم نے خوب کی، انداز بھی بالکل ماسٹر صاحب کا سا۔

سب لڑکے :۔ شاباش ماسٹر صاحب! شاباش!

افضال :۔ اچھا اب میری باری ہے۔ میں ان سے کہیں اچھی طرح سمجھا سکتا ہوں۔

نعیم :۔ بالکل غلط۔ آپ ایسی تقریر کر ہی نہیں سکتے، پھر اب وقت بھی نہیں ہے، مغرب کی اذان ہونے والی ہے، بس آپ سیدھے ہاتھ سے مٹھائی منگوایئے۔

افضال :۔ ہرگز نہیں جب تک میں تقریر نہ کرلوں اور پنچ لوگ فیصلہ نہ کریں مٹھائی نہیں آسکتی۔

نصیر :۔ ہاں بھئی انصاف تو یہی کہتا ہے۔ اچھا افضال کل ماسٹر صاحب بنیں گے۔



شکرے پالنا اور شکرے کے ذریعے پرندوں کا شکار ہمارے دیس کے لوگوں کا خاص مشغلہ ہے۔

پکنک



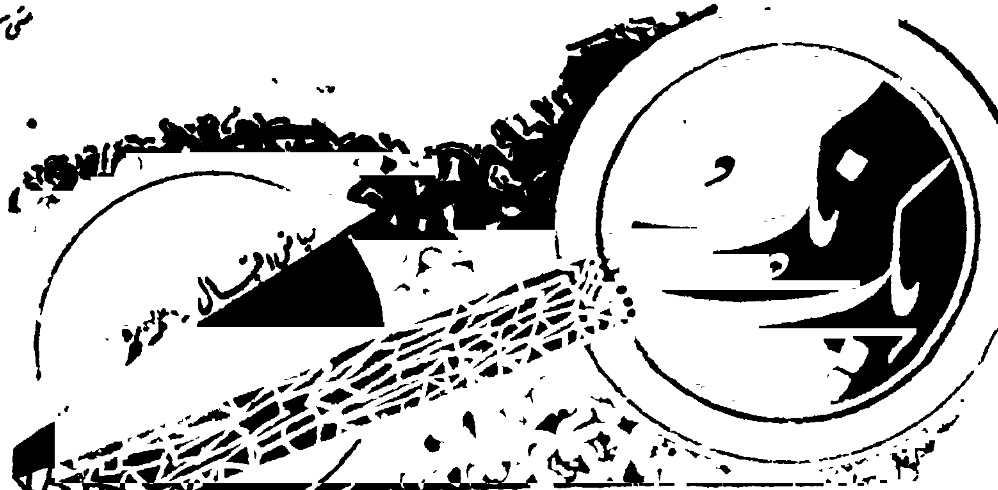
بچے رس نکالنے کی مشین دیکھ رہے ہیں



بچے مٹر کے کھیت میں پھلیاں توڑ توڑ کے کھا رہے ہیں



بچے لسوازی میں کرکٹ کھیل رہے ہیں



پچھلے جلسے میں بھائی جان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہم سب پیامیوں کو سہاڑی لے چلیں گے۔ سہاڑی میرٹھ سے کوئی چار میل ہے۔ وہاں بھائی جان کے ایک دوست فضل صاحب کا بہت بڑا فارم ہے۔ اس میں تقریباً ہر قسم کے پھل پھول اور ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارے جلسے میں فضل صاحب شریک تھے اور اتوار کی صبح کو ہم لوگوں کی سہاڑی میں جانے کی دعوت بھی تھی۔ چنانچہ اس تاریخ سے ہر پیامی اسی خیال میں مگن تھا۔ طرح طرح کے منصوبے بنائے جاتے تھے اور بگاڑ دئے جاتے تھے دن تو دن گھنٹے گن گن کر اتوار کا انتظار کیا جارہا تھا کہ جمعرات کے دن ہمارے صدر نعیم پاشا صاحب نے یہ خبر سنائی کہ اتوار کے دن پیام کلب کا میچ قرار پایا ہے، اس لئے اتوار کے دن پکنک کے لئے جانا دشوار ہے۔ اسکول میں جمعہ کی بھی چھٹی تھی، اس لئے یہ قرار پایا کہ بجائے اتوار کے جمعہ کو پکنک کے لئے چلیں۔ اب بڑی دشواری بھائی جان کے تیار کرانے میں تھی۔ اگر الگ الگ ہر پیامی اُن سے کہتا تو یقین تھا کہ وہ انکار کر دیتے۔ چنانچہ یہ تجویز ہوئی کہ اسکول کے بعد چھ بجے جلسہ کیا جائے اور بھائی جان سے سب مل کر اقرار کرائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اول اول جب بھائی جان کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی تو بہت خفا ہوئے، دو دن سے متواتر بارش ہورہی تھی اور اس دن بھی تمام آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اُن کا اعتراض تھا کہ موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور وقت بہت کم ہے، اتنی جلدی ہم لوگ تیاری نہ کرسکیں گے۔ لیکن جب ہمارا اصرار بہت کچھ بڑھا تو راضی ہوگئے۔ میرے اور شاہد منظور صاحب کے سپرد یہ کام ہوا کہ اس پروگرام کی اطلاع فضل صاحب کو دی جائے۔ تجویز یہ تھی کہ صبح سات کی گاڑی سے روانہ ہوں گے اور چار کی گاڑی سے واپس آجائیں گے۔ دوپہر کا کھانا سب پیامی وہیں پکائیں گے اور کھانے کے بعد کرکٹ کا میچ رہے۔ ہر پیامی ایک ایک انڈا اور ایک ایک چھٹانک گھی اپنے ساتھ لے چلے۔ فضل صاحب کو اطلاع دے دی گئی اور انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے سہاڑی کے اسٹیشن پر

موجود ہوں گے۔ تجویز یہ تھی کہ صبح ساڑھے چھ بجے تک سب پیامی بھائی جان کے یہاں جمع ہو جائیں اور اُن کے ہمراہ کوچ کر دیا جائے۔ مجھے رات کو اس خیال میں بارہ بجے تک نیند نہ آئی۔ بستر پر لیٹے لیٹے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدا کرے صبح بارش اور گھٹا بالکل نہ ہو۔ اور واقعی میں جس وقت سویا تو ننھے ننھے چمک دار ستارے تمام آسمان پر دمک رہے تھے۔ پیامیوں نے شاہد منظور صاحب کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ ٹھیک پانچ بجے بھائی جان کو جگا دیں۔ میں نے گھڑی میں چار بجے کا الارم لگایا اور سو گیا۔ ٹھیک چار بجے گھڑی کے الارم نے مجھے جگا دیا گھبرا کر بستر سے اُٹھا اور آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے باہر نکلا موسم کی کیفیت دیکھ کر جان ہی تو نکل گئی۔ کالے کالے بادل آسمان پر چھا رہے تھے، بادل کی کڑک، بجلی کی چمک سے دل دہلا جاتا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر میں پھر بستر پر آ کر لیٹ گیا اور خدا سے دعا مانگنی شروع کی کہ کسی طرح موسم بدل جائے۔ اب نہ نیند آتی تھی نہ اور کسی بات میں دل لگتا تھا۔ پانچ بجے میں پھر باہر نکلا۔ بجلی کی چمک تو ختم ہو چکی تھی مگر گھٹا اسی طرح چھائی ہوئی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر اور انتظار کیا اور پھر بھاگ کر شاہد منظور صاحب کے یہاں پہنچ گیا۔ یہاں بھی یہی کیفیت تھی اور شاہد منظور صاحب بھی دعا سے گھٹا کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ وہ ٹھیک وقت پر بھائی جان کو جگا چکے تھے اور اُن پر ڈانٹ بھی

پڑ چکی تھی۔ چھ بجے تک بادل کچھ کم ہوئے اور ہم نے ہمت کر کے ایک مرتبہ پھر بھائی جان کو جگا دیا مگر بھائی جان کچھ کچے پکے معلوم ہوتے تھے۔ اب مصیبت یہ تھی کہ ہمارے علاوہ اور کسی پیامی بھائی کی شکل نظر نہ آتی تھی۔ سوا چھ بجے تک مشکل سے چند پیامی جمع ہوئے نعیم پاشا صاحب کا بے صبری سے انتظار ہو رہا تھا۔ لیکن اُن کی شکل کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ساڑھے چھ بج گئے اور نعیم پاشا صاحب کا پتہ نہیں۔ بھائی جان نے حکم سنا دیا کہ اب گاڑی ملنا دشوار ہے۔ لہٰذا ایک تک ملتوی۔ نعیم پاشا صاحب پر غصہ آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا آج اُن کی سستی ہماری تمام امیدوں پر پانی پھیر دے گی۔ کوئی دس منٹ بعد نعیم پاشا صاحب اور سلمان صاحب اور اسد صاحب تشریف لے آئے۔ مگر واقعی اب گاڑی پکڑنا دشوار تھا۔ بھائی جان تو زنان خانے میں چلے گئے اور ہم آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ہمارا پک نک ملتوی ہو گیا تو پھر جانا نہ ہو سکے گا۔ بہت کچھ غور کے بعد یہ قرار پایا کہ سب لوگ سائیکلوں پر چلیں، موسم خوش گوار تھا اور ہم میں سے آدھے پیامی سائیکل چلانا جانتے تھے۔ اس تجویز پر بڑی دشواری کے بعد بھائی جان کو تیار کر ہی لیا۔ لیکن اس بحث میں آٹھ بج چکے تھے۔ چھ سائیکلوں کا انتظام کیا گیا اور ہم ایک سائیکل پر تین تین سوار ہو کر روانہ ہو گئے، اور

اول راستہ خراب تھا مگر پھر سڑک صاف ملی اور ہم لوگ ہنستے کھیلتے اور غل مچاتے ہوئے روانہ ہوئے۔ سڑک ختم کرنے کے بعد ایک بمبے کو عبور کرنا تھا۔ راستہ ایک فٹ سے زیادہ چوڑا نہ تھا۔ ایک طرف گندا نالا تھا اور دوسری طرف خاردار جھاڑیاں۔ سائیکل چلانے میں بڑے احتیاط کی ضرورت تھی۔ بمبے کا راستہ تقریباً ایک میل تھا۔ ابتدا میں تو کچھ خوف معلوم ہوا۔ مگر کئی فرلانگ کے بعد جھجک دور ہو گئی اور ہم نے سائیکل کی رفتار تیز کر دی۔ اتنی تیزی میں یہ بھی خبر نہ رہی کہ ہم بھائی جان کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اب یہاں کا ذرا سنئے۔ بھائی جان کی سپردگی میں تین پیامی تھے ان میں ایک صاحب ہینڈل پر تشریف رکھتے تھے اتنے پتلے راستے پر ہینڈل کا توازن قائم نہ رہ سکتا تھا چنانچہ وہ سائیکل سے اتر گئے اور راستہ پیدل طے کرنا شروع کیا۔ بمبے کو پار کر کے پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو بھائی جان اور تینوں عزیز پیامیوں کا کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ بڑی تشویش ہوئی اور آخرکار اسد صاحب کو دریافت حال کے لئے واپس کیا گیا۔ بھائی جان پیدل آرہے تھے ایک پیامی کو اسد صاحب نے سوار کیا اور پھر راستہ نہایت آسانی سے طے ہو گیا۔ راستے میں کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی اور ہم ہنستے ہوئے فارم میں داخل ہوئے یہاں ہماری رہنمائی کے لئے فضل صاحب پہلے سے موجود تھے۔ اپنی عمر میں نئے طرز کا فارم دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا فارم کے درمیان ایک مختصر کوٹھی تھی۔ کوٹھی کے وسط میں ایک مختصر مگر سجا ہوا گول کمرا تھا۔ اس کے ایک پہلو میں کھانے اور دوسرے پہلو میں سونے کا کمرا تھا۔ ہم سب پہلے اسی کمرے میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر اپنے بھاری بھاری کپڑوں سے سبکدوشی حاصل کی۔ اس کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ فارم کی سیر کی جائے۔ فارم کئی قطعوں میں تقسیم کیا گیا تھا ہر قطعہ ایک تازہ ترکاری کے لئے مخصوص تھا۔ پھلوں کے درخت بھی کثرت سے تھے۔ یہاں پر ہم کو بعض بعض لوکیاں انسان کے قد کے برابر نظر آئیں۔ ایک مرتبہ میں ابا جان کے ہمراہ جون پور گیا تھا۔ یہاں کی مولیاں دیکھ کر اچنبھا ہو گیا تھا۔ مگر اس فارم کی مولیاں دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ ہر مولی اتنی بڑی کہ اس پر مولی ہونے کا کسی طرح بھی گمان نہ گذرتا تھا، غرض ہر ترکاری کا یہی حال تھا۔ سب سے زیادہ اس وقت مزا آیا جب ہم مٹر کے کھیت میں پہنچے۔ فضل صاحب نے اجازت دے دی اور ہر پیامی مٹر پر ٹوٹ پڑا۔ بڑے میٹھے مٹر تھے۔ آج تک مزا محسوس کرتا ہوں۔ یہاں بھائی جان نے چپکے سے ہم لوگوں کی ایک تصویر لے لی۔ پھر رس نکالنے کی مشین کا معائنہ کیا گیا۔ ایک دو گھنٹے اس میں صرف ہو گئے۔ اب یہ ارادہ ہوا کہ کھانا پکایا جائے۔ ہم لوگ مکان سے صرف انڈے اور گھی لے کر چلے تھے۔ یہاں پہنچ کر تجویز ہوئی کہ انڈوں کا خاگینہ، آلو کا بھرتا، تلے ہوئے مٹر اور پوریاں بنائی جائیں۔ بھائی جان نے کھانا پکانے

سے پیامیوں کی علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بنا دی تھیں۔ میں خاگینہ بنانے والی ٹولی میں شامل تھا۔ آلو، آٹا، مٹر، مصالحے کا انتظام فضل صاحب نے کر دیا تھا۔ خاگینہ تو آسانی سے بن گیا مگر پوری بنانے میں بہت دشواری پیش آئی۔ پیامیوں نے الگ الگ کوشش کی۔ بھائی جان نے بھی تجربہ کیا، مگر توبہ کیجیے۔ خیر خدا خدا کرکے آدھی کچی آدھی پکی پوریاں اُتاریں۔ اب ایک بج چکا تھا، بھوک سے سب بے تاب تھے، مگر آٹا ابھی آدھے سے زیادہ باقی تھا۔ جب ہر پیامی بھوک سے پریشان ہو گیا تو فضل صاحب کو آواز دی کہ وہ اپنے خانساماں سے باقی آٹا پکوا دیں۔

اس کے بعد سب پیامیوں نے ہاتھ منہ دھویا اور میز کے گرد جمع ہو گئے۔ بھائی جان نے ہر پیامی کی پلیٹ میں اس کے حصے کی ترکاری اور پوریاں رکھ دیں مگر جب بھائی جان کی نگاہ بچتی، لوٹ مار شروع ہو جاتی۔ ایک مرتبہ بھائی جان ناراض ہو گئے۔

اپنے ہاتھ سے پکائے ہوئے کھانے میں جو لطف آیا وہ آج تک کسی کھانے میں نہ آیا تھا۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد فضل صاحب نے سنتروں سے تواضع کی۔ اب یہ تجویز ہوئی کہ کرکٹ کھیلا جائے۔ دو گھنٹے تک خوب کرکٹ اڑائی، آخر ہر پیامی تھک کے چور ہو گیا کھیل کے بعد فضل صاحب نے ہم لوگوں کو گنے اور بیر کھلائے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد واپسی کی فکر ہوئی۔ سب سے آگے سلمان صاحب تھے اور سب سے پیچھے بھائی جان۔ سلمان صاحب کو اپنی سائیکل پر کچھ ایسا ناز تھا کہ ہمیں پیچھے چھوڑ کر سب سے آگے نکل گئے۔ بھائی جان کا حکم تھا کہ بمبا پار کرتے وقت سب لوگ بہت آہستہ آہستہ سائیکل چلائیں، خیر سلمان صاحب آگے چلے گئے اور ہم لوگ آہستہ آہستہ جیسے بیت روانہ ہوئے بمبے کو پار کیا کیا دیکھتے ہیں کہ سلمان صاحب سائیکل سے اُترے کھڑے ہیں۔ پہلے تو خیال ہوا کہ شاید ہم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں مگر قریب جانے سے معلوم ہوا کہ اُن کی سائیکل میں پنچر ہو گیا اور وہ آگے جانے سے معذور ہیں، بڑی فکر ہوئی۔ سب سائیکلوں سے اُتر گئے۔ پمپ کسی کے پاس نہیں تھا۔ سب پریشان تھے۔ کئی موٹر قریب سے گذرے مگر سب مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد بھائی جان نے حکم دیا کہ ننھے ننھے پیامیوں کو سائیکل پر بٹھایا جائے اور باقی سب پیدل چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم لوگ باتیں کرتے روانہ ہو گئے۔ پمپ کی تلاش میں ہر منٹ پر نگاہیں اُٹھتیں اور ناکام واپس آتیں۔ کوئی ایک میل فاصلہ طے کرنے کے بعد دیکھا کہ ایک سائیکل دور سے چلی آ رہی ہے۔ سب لوگ اس کا انتظار کرنے لگے۔ خدا خدا کرکے سائیکل نزدیک پہنچی اس پر دو دیہاتی سوار تھے، جو دیہاتی سائیکل کے ڈنڈے پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ میں دو جوڑی جوتیاں تھیں۔ بھائی جان اور دوسرے پیامیوں نے آگے بڑھ کر اُن کو ہاتھ کے اشارے سے

نکلنے کی کوشش کی مگر معلوم نہیں بے چارا دیہاتی ہم کو چور سمجھا یا کیا؟ چیخ مار کر سائیکل کی رفتار اور تیز کر دی، ہم نے آوازیں دینی شروع کیں تو اس کی وحشت میں اور اضافہ ہو گیا اور جس قدر اس سے ممکن ہو سکا سائیکل کو تیز چلانے لگا۔ بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتا اور رفتار کو اور تیز کر دیتا ہمیں شروع میں تو بہت غصہ آیا مگر بعد میں سب پیامی دل کھول کر ہنسے۔ خیر ہم نے اسی رفتار سے آگے چلنا شروع کیا اور اس طرح ایک میل اور گذر گیا۔ دو میل طے کرنے کے بعد ایک لاری نظر پڑی۔ لاری والے سے پمپ کی استدعا کی، اس بے چارے نے پمپ فوراً ہی دے دیا۔ سلمان صاحب نے سائیکل میں ہوا خود ہی بھری، پیامی ایک مرتبہ پھر سائیکلوں پر سوار ہوئے اور خراماں خراماں مکان کی جانب روانہ ہوئے۔ سورج اپنی آخری مسافت طے کر چکا تھا جب یں بالکل خستہ مکان میں داخل ہوا۔

یوں تو اپنی زندگی کی مجھے بہت سی باتیں یاد ہیں مگر پک نک کا دن میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔ بار بار پک نک کا خیال آتا ہے اور عجیب خوشی محسوس کرتا ہوں، کاش ایک مرتبہ پھر بھائی جان پک نک کے لئے چلیں! ان سے ہم لوگ برابر اصرار کر رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بچو! امتحان کے بعد چلیں گے۔ خدا سے دعا ہے کہ جلدی سے امتحان رخصت ہو اور ہم پھر ایک مرتبہ پک نک کا لطف حاصل کر سکیں۔

گلاب کا شہزادہ

محمد فاروق صاحب ریگانوی

جب صبح ہوئی تو شہزادہ جانے کے لئے تیار ہوا! کمر سے تلوار باندھی اور شہزادی کے پاس آکر کہنے لگا۔

"اب میں رخصت ہو رہا ہوں مجھے اپنے والدین سے بچھڑے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا اور پھر وہ لوگ اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ سلطنت کا کاروبار بھی تو مجھے ہی دیکھنا پڑے گا"

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے کہا۔

"وہاں پہنچ کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟ کیا اچھا ہوتا تم ہمیشہ میرے پاس ہوتے"

شہزادے نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھی شہزادی میں تمھیں کبھی نہیں بھولوں گا اور میں گھر پہنچ کر جلد ہی تمھیں بھی وہیں بلا لوں گا" پھر اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر شہزادی کو دیتے ہوئے کہا۔

"جب تک یہ انگوٹھی تمھارے پاس رہے گی تم مجھے کبھی نہ بھولو گی اور میں بھی سلامت رہوں گا۔ مگر انگوٹھی گم ہوتے ہی تم مجھے بھول جاؤ گی۔ اور مجھے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی"

شہزادی نے انگوٹھی لے کر اسے چوما اور پھر اپنی انگلی میں پہن کر بولی "میں وعدہ کرتی ہوں کہ انگوٹھی کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کروں گی"

پھر شہزادہ اپنے گھوڑے پہ سوار ہوا اور دیکھتے دیکھتے ہوا کی طرح نظروں سے غائب ہو گیا۔

اب شہزادی اداس رہنے لگی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بہت کم کھیلتی۔ اور دن دن بھر اپنے کمرے میں بند رہتی۔ جب شہزادے کی یاد بہت ستاتی تو انگوٹھی نکال کر اپنا دل بہلا لیا کرتی۔

شہزادی کی یہ حالت دیکھ کر اس کی سہیلیوں کو بہت صدمہ ہوا اور وہ شہزادی کو خوش کرنے کی تدبیریں کرنے لگیں۔ آخر کار سبھوں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی طرح شہزادی سے انگوٹھی لے لینی چاہیئے تاکہ وہ کچھ دن کے لئے شہزادے کو بھول کر دوبارہ کھیل کود میں اپنا جی بہلانے لگے۔

چاندنی کی چودھویں رات تھی اور سہیلیوں نے شہزادی کو بڑی منت و سماجت کے بعد جھیل میں کشتی کی سیر کے لئے راضی کر لیا۔ چونکہ شہزادی کئی روز کے بعد سیر کے لئے نکلی تھی، اس لئے سہیلیوں نے کشتی کو رنگ برنگ کے پھولوں

اور قسم قسم کے پھلوں سے اس قدر لاد دیا تھا کہ بجائے کشتی کے ایک چھوٹا سا باغ جھیل میں تیرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

وہ لوگ بڑی رات تک سیر اور تماشے میں مصروف رہے۔ مگر شہزادی اُداس ہی رہی۔ جب ہوا ذرا سرد ہوئی اور وہ واپس لوٹنے لگے تو شہزادی کی آنکھ یکایک جھپک گئی اور بیٹھے ہی بیٹھے خرّاٹے لینے لگی۔

شہزادی کو بے خبر سوتا پاکر سہیلیاں بہت خوش ہوئیں۔ ایک سہیلی چپکے سے اٹھ کر اس کی انگلی سے انگوٹھی نکالنے لگی۔ ابھی انگوٹھی پوری طرح سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ شہزادی چونک کر اُٹھ بیٹھی۔ سہیلی نے ڈر کے مارے اپنا ہاتھ جو پیچھے کھینچا تو انگوٹھی اُچھل کر پانی میں جا گری اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

شہزادی اُٹھ بیٹھی۔ وہ خوش خوش نظر آ رہی تھی جیسے کوئی خواب دیکھ کر اٹھی ہو، شاید انگوٹھی کے ساتھ ساتھ شہزادی کا فکر، رنج اور غم سبھی پانی میں غرق ہوگئے تھے۔

اب شہزادی دن دن بھر اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ کی سیر میں مشغول رہتی، چاندنی راتوں میں کشتی پر بیٹھ کر جھیل کی سیر کرتی اور بادشاہ کے ساتھ شکارگاہوں میں جاتی۔

اُدھر شہزادہ رخصت ہونے کے بعد جنگلوں اور پہاڑوں سے گذرتا شکار کھیلتا چلا جا رہا تھا، جب رات ہوتی تو کسی اونچے درخت پر چڑھ جاتا، اور دن نکلتے ہی پھر چل کھڑا ہوتا۔

جس رات شہزادی کی انگوٹھی دریا میں گر پڑی تھی، اسی رات کی صبح کو جب شہزادہ نیند سے بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک خوب صورت ہرنی درخت سے کچھ دور نہر کے کنارے ہری ہری گھاس چر رہی ہے۔ شہزادے نے کمان سنبھالتے ہوئے ایک تیر ہرنی کی طرف چھوڑا۔ تیر چھوٹتے ہی ایک خوفناک دھماکا ہوا اور اس کے سامنے ایک دیو نمودار ہوا۔ اس کے بال کانٹوں کی طرح تیز اور سخت تھے اور بڑے بڑے دانت خنجر کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

شہزادہ اُسے دیکھتے ہی اپنی تلوار سنبھال کر آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ دیو اس پر حملہ کرے اس نے سنبھل کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا سر لکڑی کی طرح کٹ کر دھڑ سے زمین پر آ رہا۔

شہزادہ ابھی اپنی تلوار صاف کرکے میان میں بھی نہ رکھ سکا تھا کہ اسے نہر کی طرف سے ایک بوڑھی عورت آتی ہوئی دکھائی دی وہ سر سے پیر تک کالے لباس میں لپٹی ہوئی تھی، اور جلدی جلدی شہزادے کی طرف آ رہی تھی۔ جب وہ بالکل قریب آگئی تو شہزادے نے دیکھا کہ اس کا منہ مردوں کی طرح سوکھا ہے، آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں اور دانت باہر کی طرف نکلے ہوئے ہیں۔ اسے دیکھتے ہی شہزادہ کانپ گیا، کیوں کہ اسے معلوم

ہو گیا تھا کہ یہ وہی ڈائن ہے جو اپنے جادو کے زور سے اس جنگل کے تمام جانوروں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے اور جو ادھر سے گذرنے والے مسافروں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار کرکے ہلاک کر ڈالتی ہے۔

ڈائن نے نزدیک آتے ہی کہا:۔

"بڑے بہادر نظر آتے ہو" اور وہ کھِل کھلا کر ہنسنے لگی۔ اس کے دانت میں سانپ کا زہر بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے غصّے سے کہا۔

"ایک تو تم نے میری خوب صورت ہرنی کو مارا دوسرے جنگل کے محافظ دیو کا سر اتارا، مگر جانتے ہو اس کی کیا سزا ہے ؟"

اور اس سے پہلے کہ شہزادہ کچھ جواب دے ڈائن نے اپنے ہاتھوں کو شہزادے کی آنکھوں کے سامنے پھرایا اور شہزادہ دیکھتے، دیکھتے پتھر بن گیا۔

اب نہ وہاں ہرنی تھی نہ دیو، اور نہ ڈائن، فقط ایک پتھر تھا، بے جان پتھر۔

دن گذرتے گئے اور شہزادی اپنے کھیل کود اور سیر تماشے میں مشغول رہی۔ ایک روز وہ اپنے باپ کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ساتھ میں اس کی سہیلیاں بھی تھیں۔ جب رات ہوئی تو بادشاہ کے سپاہیوں نے خیمے لگا دئے اور سب آرام کے لئے اپنے اپنے خیمے میں لیٹ گئے۔ شہزادی اور اس کی سہیلیوں کا خیمہ سب سے الگ تھا اور اس کے گرد ہتھیار بند سپاہی پہرا دے رہے تھے۔

شہزادی دن بھر کے کھیل کود سے بالکل تھک گئی تھی، اس لئے بستر پر جاتے ہی خرّاٹے لینے لگی۔ چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ اور تمام جنگل میں دودھ کی طرح سفید چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ آدھی رات کے قریب یکایک شہزادی اُٹھ بیٹھی۔ اس کے کان میں آواز آئی جیسے کوئی بہت دور کھڑا ہوا کہہ رہا ہے۔

"شہزادی نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا"

"شہزادی نے مجھے بھلا دیا"

شہزادی یہ سُن کر اُٹھ بیٹھی۔ اور باہر آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ درخت چاندنی کا روپہلا لباس پہنے خاموش کھڑے تھے اور پہرے دار تھک کر پڑے ہوئے نیند لے رہے تھے۔ شہزادی واپس خیمے میں لوٹنے ہی والی تھی کہ یکایک پھر آواز آئی:۔

"شہزادی نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا"

"شہزادی نے مجھے بھلا دیا"

اس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور دور دور تک نظر دوڑائی، مگر وہاں سوائے درخت اور خاموشی کے کچھ نہ تھا وہ آگے بڑھنے لگی، اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس آواز کو پہچانتی ہے، اس نے جاننے کی کوشش کی مگر وہ جتنا سوچتی تھی اتنا ہی بھولتی جاتی۔ وہ دھیرے دھیرے بہت دور نکل گئی۔ اسے خبر بھی نہ تھی کہ وہ اپنے خیمے سے

کوسوں دور چلی آئی ہے۔ جب وہ پلٹ کر واپس لوٹنا چاہتی آواز دوبارہ اس کے کان میں آئی۔

وہ بڑھتی رہی۔ پہاڑوں اور جنگلوں سے گذرتی رہی۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی کھینچ رہا ہو۔ چلتے چلتے اس کے پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ وہ تھک کر زمین پر بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی نیند میں کھو گئی۔

صبح ہوئی اور پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے اڑ اڑ کر ادھر اُدھر جانے لگے۔ جب سورج اچھی طرح نکل آیا تو اس کی گرمی سے شہزادی بیدار ہو گئی۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے اس کے بدن میں طاقت نام کو بھی نہ تھی۔ وہ گرتے پڑتے اٹھی، پاس ہی صاف شفاف پانی کی نہر جاری تھی۔ شہزادی وہاں پہنچی مگر جونہی اس نے چلو میں پانی لیا، آواز دوبارہ اس کے کانوں میں گونجی:-

"شہزادی نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا"

"شہزادی نے مجھے بھلا دیا"

اس مرتبہ آواز بالکل صاف تھی، معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پاس ہی کھڑا بول رہا ہے۔

شہزادی نے چونک کر پانی گرا دیا اور کھڑی ہو گئی۔ سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا جس کی جڑ میں ایک گلاب کا درخت اُگا تھا اور اس میں ایک نہایت خوب صورت گلاب کا پھول لگا ہوا تھا۔ شہزادی پھول دیکھتے ہی بالکل بے چین ہو گئی اور اُسے توڑنے کے لئے آگے لپکی۔ جلدی میں گلاب کا تیز نوک دار کانٹا اس کی انگلیوں میں چبھ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ ابھی وہ کپڑا پھاڑ کر انگلی پر باندھنے ہی والی تھی کہ خون کا ایک قطرہ ٹپک کر پتھر پر گرا، خون گرتے ہی زور کا دھماکا ہوا اور پتھر کی جگہ شہزادہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"شہزادی آخر تم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا" شہزادے نے کہا۔

شہزادی اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اسے اپنا قول یاد آ گیا اور وہ اپنی بے پروائی پر بہت پچھتائی اور اس سے معافی مانگنے لگی۔ شہزادے نے کہا:-

"اب تمھیں گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب جنگل کی ڈائن کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اگر تمھاری انگلی کا خون مجھ پر نہ گرتا تو میں ہمیشہ کے لئے پتھر بنا رہتا اور ڈائن کے جادو سے مجھے کبھی چھٹکارا نہ ملتا۔ اب ہمیں کوئی جدا نہیں کرسکتا۔"

کہانی ختم ہو گئی کیونکہ اس کے بعد شہزادہ شہزادی کو لے کر اپنے باپ کے ملک میں چلا گیا اور وہاں دونوں مل کر ہنسی خوشی راج پاٹ کرنے لگے۔



دیہات کے سیدھے سادے لوگوں کی طرح آسام کے ناگا لوگ بھی مہمان کی بہت خاطر مدارت کرتے ہیں اور کھانا پانی پیش کرنے کے بعد بہت دور تک راستہ بھی بتاتے ہیں۔ اگر کوئی پردیسی کسی ناگا کے گھر جا پہنچے تو سب سے زیادہ حیرت اسے گھر کی دیواروں پر آدمیوں کی کھوپڑیاں دیکھ کر ہوگی۔ ان میں سے بہت سی تو دوسرے سرداروں کی ہوں گی جو لڑائی میں مارے گئے۔ یہ لڑائیاں عام طور سے بہت عقل مندی سے لڑی جاتی ہیں اور ہر قسم کا دھوکا فریب جائز سمجھا جاتا ہے۔

لوہا اس علاقے میں بہت کم پایا جاتا ہے، اس لئے یہ لوگ سونے چاندی سے زیادہ لوہے کی قدر کرتے ہیں اگر کسی کو رستے میں لوہے کا ٹکڑا پڑا مل جائے تو یہ اسے پگھلا کر اپنا ہار بنا لیتا ہے۔ اُن کے ہتھیار اب تک پرانی قسم کے ہیں۔ لوہے کی کلہاڑی جس کا ہتھا دو فٹ لمبا ہوتا ہے اور پھل پر کالا روغن کر دیتے ہیں۔ نیزا لمبائی میں عام نیزوں جتنا۔ اس کے سرے پر بھیڑ کے بال لگا دیتے ہیں ڈھال ساڑھے تین فٹ لمبی اور دو فٹ چوڑی ہوتی ہے جس کی شکل عام طور پر سوپے کی طرح تکونی ہوتی ہے۔ اس پر بوریا منڈھ دیتے ہیں۔ ہندوستان کی اور سب قومیں عام طور پر تیر کمان چلاتی ہیں، لیکن ناگا لوگ کبھی تیر نہیں چلاتے۔ اسی سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ناگا لوگوں کے باپ دادا چین اور تاتار سے آئے تھے۔ شروع شروع میں وہ لوگ بھی تیر کمان استعمال نہیں کرتے تھے۔ ناگا لوگوں کے پاس اپنی حفاظت کا ہتھیار کلہاڑی ہے جسے یہ سوتے جاگتے اپنی جان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لڑائی میں کھیت کاٹتے وقت گھر پر لکڑیاں یا بورے اور لکڑی کاٹ کر کھلونے بنانے کے لئے غرض ہر کام کے لئے وہ اسی سے کام لیتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں یا قصبے پر دوسرے گاؤں والوں کے حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو گاؤں بچانے کی اُن کو ایک عجیب ترکیب یاد ہے۔ بانس کی آٹھ آٹھ دس دس انچ لمبی قمچیاں کاٹ کر اُن کا ایک سرا نہایت زہریلی جڑی بوٹی میں رنگ لیتے ہیں اور دوسرا سرا گاؤں کے چاروں طرف زمین میں گاڑ دیتے ہیں۔ رات کو جب دوسرے گاؤں والے چھپ چھپ کر آہستہ آہستہ اُن کے گاؤں پر حملہ کرنے آتے ہیں۔

تو ان بانس کی قمچیوں کو چھوتے ہی ایک ایک کرکے وہیں مرجاتے ہیں۔ اور تماشا یہ ہے کہ مرتے وقت ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ بس صبح دشمن کی فوج کی فوج کھیت میں چت نظر آتی ہے۔

ان کے مرد اور عورتیں ننگے گلے میں کانچ کے منکے گہنے کے طور پر پہنے رہتے ہیں۔ لڑنے والے بہادر اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے دشمنوں کے دانت نکال کر ایک تاگے میں پرو لیتے ہیں اور ان دانتوں کا ہار بناکر پہنتے ہیں۔ ان گہنوں سے اُن کی شکل بہت ڈراؤنی ہوجاتی ہے۔

ناگا لوگوں کے جانور مارنے کا طریقہ بھی سب دنیا سے نرالا ہے۔ بکری، بھیڑ یا جس جانور کو مارنا ہوتا ہے پہلے کسی دروازے یا درخت سے مضبوط باندھ دیتے ہیں، ایسا مضبوط کہ جانور ہل تک نہیں سکتا، پھر سب برادری اس کے چاروں طرف کھڑی ہوجاتی ہے اب ان کا سردار ایک کلہاڑی ہاتھ میں لئے آتا ہے۔ سردار کے آتے ہی سب لوگ اس زور سے شور مچاتے ہیں کہ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ اس آواز سے غریب جانور سہم جاتا ہے۔ ان کا سردار جانور کی پچھلی ٹانگوں پر اس زور سے کلہاڑی مارتا ہے کہ ایک ہاتھ میں جوڑ پر سے ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس کے بعد فوراً ہی ساری برادری بے چارے جانور پر ٹوٹ پڑتی ہے اور نوچ نوچ کر اس کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اس کا گرم گرم خون بدن پر مل کر خوب ناچتے ہیں۔ اس وقت ان کا ناچ اور عجیب عجیب حرکتیں دیکھ کر وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ یہ گھنٹوں شور مچا مچا کر ناچتے رہتے ہیں۔ کبھی آپس میں مذاق کے طور پر لڑنے بھی لگتے ہیں۔ کبھی کبھی مذاق ہی مذاق میں سچ مچ لڑنے لگتے ہیں۔

ایک زمانے میں ناگا لوگ آپس میں بہت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور گورنمنٹ کو امن قائم رکھنے میں بہت مشکل پیش آتی تھی۔ گورنمنٹ نے انھیں مل جل کر رہنے کی بہت ہدایت کی۔ لیکن ایک تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ آخرکار پتہ یہ چلا کہ انھیں آپس میں مل جل کر رہنے کی قسم دلانی چاہیئے۔ اس کے بعد یہ نہیں لڑیں گے۔ قسم کھانے کا حال بھی سن لو۔ جو بہت عجیب ہے۔ جب دو گاؤں میں لڑائی ہوتی تھی۔ اُن کے سردار ایک ایک کتا اور ایک ایک مرغا لے کر گاؤں سے باہر ایک جگہ جمع ہوتے۔ دونوں پہلے تو ایک وار میں کتے کا سر الگ کرتے، پھر اس کے خون کو انگلی سے اپنی اپنی کلہاڑیوں پر ڈالتے اور بعد میں مرغے کا گوشت کھا لیتے۔ اب گویا قسم پکی ہوگئی اور اب اس کے بعد ان میں کبھی لڑائی نہیں ہوگی۔ چاہے اُن کی جان تک چلی جائے، لیکن کبھی لڑیں گے نہیں۔

(باقی پھر)

خرگوش پالنا

محمد یحییٰ صاحب - پٹنہ کالج

نسیم کا گھر دوست کے راستے میں پڑتا تھا۔ ایک دن [illegible] سے ہماری چھٹی جلدی ہوگئی اور ہم کئی ساتھی [illegible] نسیم کے گھر آ دھمکے۔ اُن کے باپ دفتر گئے ہوئے تھے، پھر تو حکومت ہماری تھی۔ ہم نے زبردستی میاں نسیم سے خوب خوب خاطر کرائی۔ ہم سب بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے کہ ایک طرف اچھلتے کودتے دو سفید خرگوش نظر آئے۔ ایسے خوب صورت، ایسے خوب صورت کہ بس دیکھتے جاؤ۔ ساتھ میں ان کے بچے بھی تھے۔ یہ بچے کتنے ہونے اور بھی اچھے لگ رہے تھے۔ ہم نے نسیم سے پوچھا "بھئی یہ کہاں سے اُڑائے" نسیم نے کہا والد صاحب ایک دوست سے جوڑا لائے تھے کوئی ایک مہینہ ہوا انھوں نے بچے دئے ہیں۔ یہ جانور جتنا خوب صورت ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ ابا نے اس کے کھانے کا انتظام میرے سپرد کیا ہے۔ پانی کا نسیم کے اور گھر کی صفائی کا چچا میاں کے۔ میں اسے سبزیاں کھلاتا ہوں۔ یہی اس کی قدرتی غذا ہے۔ بند گوبھی یا کرم کلے کی پتیاں جو پکانے کے قابل نہیں ہوتیں خرگوش بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ شلجم کی سخت پتیاں بھی کھلاتا ہوں۔ کبھی کبھی سلاد بھی مگر یہ زیادہ نہیں۔ ان کے علاوہ تمام سبزیاں جو زیادہ سخت زہریلی اور کانٹے دار نہ ہوں، اُن کے کھانے کے کام آتی ہیں۔ سخت سردی کے موسم میں پتیاں نہیں ملتیں تو گاجر شلجم وغیرہ کھانے کو دیتا ہوں۔ سفید چقندر بھی خرگوش کی من بھاتی غذا ہے۔

پالتو خرگوش کو پانی پینے کی زیادہ خواہش نہیں ہوتی مگر نسیمہ اُن کے پینے کا برتن ہمیشہ صاف رکھتی ہے۔ وہ اسے اکثر تو دو بار ورنہ ایک بار ضرور صاف کرتی ہے۔

چچا میاں خرگوش کے خانوں کے لئے نرم گھاس یا صاف پیال کا خاص انتظام رکھتے ہیں۔ ان خانوں کو وہ اکثر صاف کرتے رہتے ہیں۔ روز ان میں تھوڑی سی نئی گھاس ضرور رکھ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتے میں دو بار خانوں کی [illegible] گھاس بدل دی جاتی ہے اور اس کی جگہ نئی گھاس رکھ دی جاتی ہے۔ جب ان خانوں کو صاف کرنا ہو تو انھیں کسی دوسری جگہ رکھا جاتا ہے اور خانے جب تک بالکل خشک نہیں ہو جاتے خرگوش اُن کے اندر نہیں رکھے جاتے۔ ہر خانے میں ایسی اندھیری اور تاریک جگہ ضرور بنائی جاتی ہے کہ اگر خرگوش سونا چاہیں تو آرام سے سو سکیں۔

ابا کی ہدایت ہے کہ انھیں خواہ مخواہ نہ چھیڑو اگر انھیں اٹھاؤ بھی تو بہت آہستہ سے کہ انھیں تکلیف نہ پہنچے۔

مرغا لنڈورا ہی بھلا

والدہ شاہد علی خاں

ایک بلی تیل کے مٹکے میں گر گئی۔ اب جس گھر جاتی وہی مار کر نکال دیتا۔ اس نے سوچا، ایسے کام نہ چلے گا، حج کرنا چاہیئے۔ بس گلے میں ایک تسبیح ڈال حج کو چل پڑی۔ چلتے چلتے رستے میں ملا ایک چوہا۔ اس نے کہا "ارے آج تو بلی خالہ گلے میں تسبیح ڈالے جا رہی ہیں۔" اس نے دیکھتے ہی کہا "خالہ السلام! کہاں جا رہی ہو؟" خالہ بولیں "بیٹا ذرا حج کرنے جا رہی ہوں۔" چوہے نے کہا "خالہ میں بھی چلوں؟" کہا "ہاں آجا بیٹے ایک سے دو بھلے۔" دونوں چل دئے۔ چلتے چلتے آگے ایک مرغا ملا۔ اس نے کہا "ارے آج تو بلی کے ساتھ چوہا بھی جا رہا ہے۔" مرغے نے کہا "خالہ السلام، خالہ کہاں جا رہی ہو؟" بلی نے کہا "حج کرنے۔" مرغا بولا "خالہ میں بھی چلوں؟" بلی نے کہا "آجا بیٹا، دو سے تین بھلے۔" تینوں کو چلتے چلتے ایک کھنڈر ملا۔ بلی نے کہا "بیٹا ذرا یہاں سستا لو، پھر آگے چلیں گے۔" بس مرغے اور چوہے کو تو اندر بٹھا دیا، آپ باہر بیٹھ گئی اور دم پھلا پھلا کر کودنے لگی۔ مرغے نے کہا "ارے یہ تو ہمیں کھا جائے گی۔" بلی جو آئی ادھر سے کودتی ہوئی بولی "ارے مونڈی کاٹو مجھے گالیاں دے رہے ہو۔" انہوں نے کہا "نہیں خالہ بھلا ہم تمہیں گالیاں کیوں دیتے۔" بلی پھر کودنے لگی۔ مرغے نے کہا "جو مجھ پہ جھپٹا مارے گی، تو میں تو اُڑ کر درخت پہ بیٹھ جاؤں گا۔ تجھے یہ دبوچ لے گی۔ تو بس ایسا کر میں پر پھیلا کر بیٹھا جاتا ہوں تو اتنے اپنا بل کھود لے۔ جب بلی جھپٹا مارے گی تو تو بل میں گھس جائیو۔" اب بلی جو آئی کودتی ہوئی بولی "ارے مونڈی کاٹو مجھے گالیاں دے رہے ہو۔" مرغے اور چوہے نے کہا "جا حرام زادی جب نہیں دے رہے تھے تو اب دے رہے ہیں۔" بلی نے جو جھپٹا مارا تو چوہا تو بل میں گھس گیا اور مرغے کی دم بلی کے ہاتھ میں آگئی اور وہ اُڑ کر درخت پر جا بیٹھا۔ بلی نے مرغے سے کہا "مرغے بارے مرغے! اپنی دم تو لے جا۔" مرغے نے کہا "نہیں خالہ، مرغا لنڈورا ہی بھلا۔" پھر بلی آئی چوہے کے بل کے پاس اور کہا "بیٹا باہر آؤ۔" چوہے نے جواب دیا "بل بلندر بڑے قلندر۔ تم بات کہو ہم سنیں گے اندر۔"

ڈنڈی ٹانکا

تحریر درۃ البیضا

رشیدہ کی گڑیا کی شادی تھی۔ وہ اپنی سہیلی سلیمہ سے اس کے کپڑوں کی بابت مشورہ کر رہی تھی۔

سلیمہ: رشیدہ تم نے گڑیا کا بستر بھی تیار کیا؟

رشیدہ: اور تو سب چیزیں تیار ہیں۔ مگر پلنگ پوش ابھی نہیں بنا۔ سوچ رہی ہوں کیسا بناؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

سلیمہ: میں بتاؤں۔ رشیدہ آج کل کڑھے ہوئے پلنگ پوشوں کا فیشن ہے۔ تم بھی اپنی گڑیا کا پلنگ پوش کاڑھ لو۔

رشیدہ: یہ بات تو تم نے خوب بتائی........ مگر ...... مجھے کاڑھنا تو آتا نہیں۔

سلیمہ: واہ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے، میں ابھی تمھیں سکھا دوں گی۔

رشیدہ: یہ بھی کوئی منہ کا نوالا ہے۔ منہ میں رکھا اور نگل گیا۔ فوراً کے فوراً مجھے ایسا کاڑھنا کس طرح آ جائے گا۔ جو شادی کا پلنگ پوش بنا سکوں۔

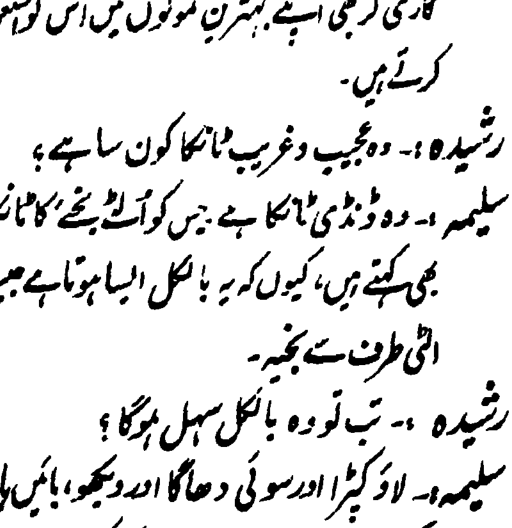
سلیمہ: جو کاڑھنے کا ٹانکا میں تمھیں سکھاؤں گی، وہ آسان بھی ہے اور خوب صورت بھی۔ نوآموز بچیوں کو بھی یہی سکھایا جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے کاری گر بھی اپنے بہترین نمونوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔

رشیدہ: وہ عجیب و غریب ٹانکا کون سا ہے؟

سلیمہ: وہ ڈنڈی ٹانکا ہے جس کو اُلٹے بخیے کا ٹانکا بھی کہتے ہیں، کیوں کہ یہ بالکل ایسا ہوتا ہے جیسا الٹی طرف سے بخیہ۔

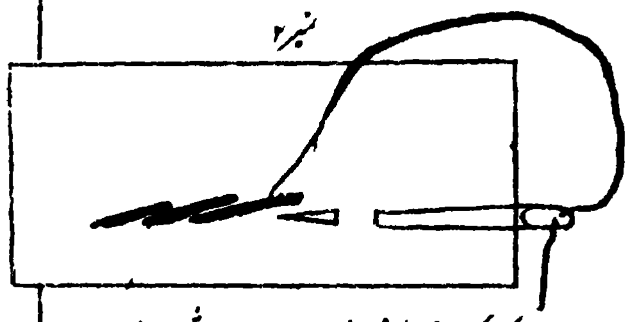
رشیدہ: تب تو وہ بالکل سہل ہوگا؟

سلیمہ: لاؤ کپڑا اور سوئی دھاگا اور دیکھو، بائیں ہاتھ کی طرف سے اس ٹانکے کی ابتدا ہوتی



ہے۔ سوئی سے کپڑے میں ٹانکا لگالو۔ اس ٹانکے سے داہنی جانب سوئی کو کپڑے میں داخل کرکے کچھ آگے اس کو کپڑے کے اوپر نکال لو اور دھاگا کھینچ لو۔ (شکل نمبر ۱) پھر اگلا ٹانکا اسی طرح پہلے کی داہنی جانب لگاؤ۔ اسی طرح کرتی رہو (شکل نمبر ۲)

نمبر ۲



دیکھو کیسا خوش نما سلسلہ ہے (شکل نمبر ۳)

نمبر ۳

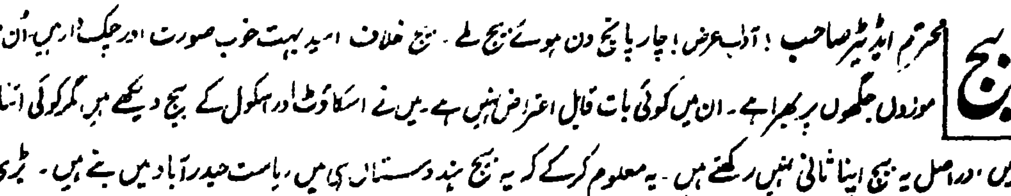


اس کو جس نمونے پر چاہو بناؤ۔ اس سے پھول بھی بن سکتا ہے اور پتی بھی۔ اور پھول پتی بنیں تو اور بھی نمونہ چاہو کپڑے پر اتارو اور اس ٹانکے سے اس کو بھر دو۔ چاہے موٹے دھاگے سے بڑا جلدی سے بناڈالو۔ چاہے باریک دھاگے سے چھوٹے چھوٹے ٹانکے لے کر اس کو محنت سے زیادہ خوب صورت کاڑھو۔ چاہو تو یہ بیل بنالو بچوں کے واسطے بڑی سہل ہے۔ (شکل نمبر ۴)

رشیدہ:۔ سلیمہ بہت بہت شکریہ۔ یہ تو تم نے کمال کیا اتنی سی دیر میں تم نے مجھے ایسا اچھا کام سکھا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ گڑیا ہمیشہ اپنا پلنگ پوش دیکھ کر تمھیں یاد کیا کرے گی۔

پیام بچیو! اگر تم بھی رشیدہ کی طرح ڈنڈی ٹانکا سیکھ گئی ہو تو تھوڑا سا بنا کر ہمارے پاس بھجوا دو۔ اگر تم نے سب سے اچھا بنایا تو تمھیں ضرور ایک اچھا سا انعام ملے گا۔[1]

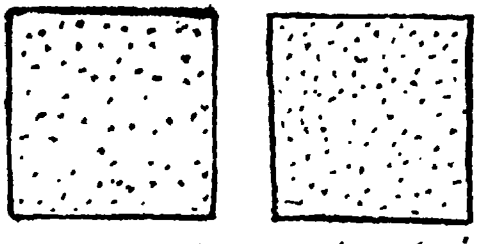
نمبر ۴



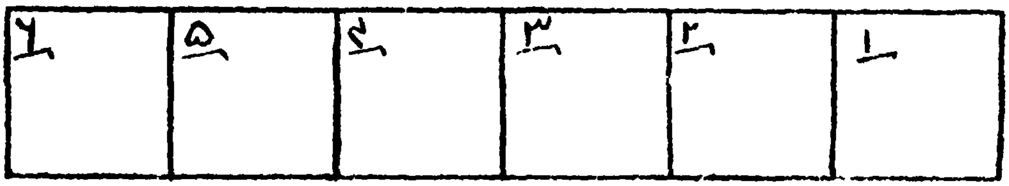
[1] پتہ درۃ البیضا بیگم مہتمم مسلم گرلس اسکول پانی پت

گتے کا کام

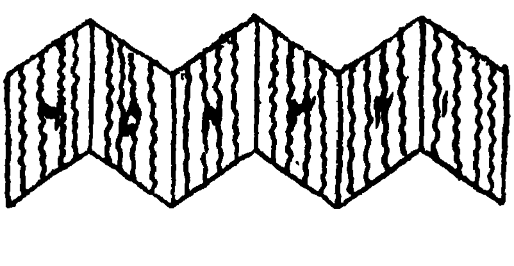
سید وردِج الحسن صاحب استاد تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ



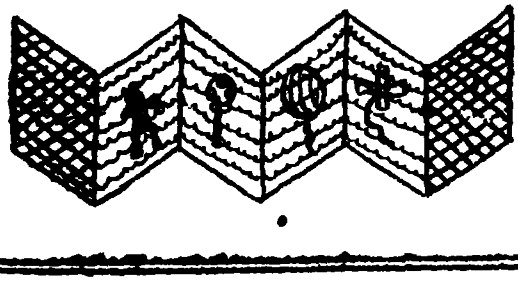
اب تک دو چیزوں کے بنانے کا طریقہ تم کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس مرتبہ ایک تیسری چیز بنانا سیکھ لو۔ یہ بھی البم ہی ہے۔ لیکن پہلی البم کے مقابلے میں اس کی شکل وصورت اور بنانے کے طریقے میں فرق ہے۔ اس کا نام مربع البم ہے۔ کسی وزن کا گتا لے کر پانچ پانچ کے دو مربعے کاٹ لو اور اُن پر کسی رنگ کا ذرا موٹا کاغذ چپکا دو۔ دیکھو کونے موڑنے میں غلطی نہ کرنا، بلاٹنگ پیڈ بنانے کے وقت طریقہ بتلایا جا چکا ہے۔ اب ایک دوسرے رنگ کا اتنا ہی موٹا کاغذ لو جتنا کہ پہلے سے چکے ہو اور ایک ایسی پٹی کاٹو جس کی چوڑائی گتے کی چوڑائی سے



کچھ کم ہو اور لمبائی چوڑائی کا چھ گنا ہو۔ اس پٹی کو پانچ جگہ اس طرح موڑو۔ نمبر ۱ اور نمبر ۶ کو دونوں گتوں پر الگ الگ چپکا دو۔ چپکاتے وقت چاروں طرف تھوڑی تھوڑی جگہ ضرور چھوڑنا اور بس البم تیار۔ اب چاہے اتنی ہی بڑی بناؤ۔ یا اپنی پسند کی چھوٹی یا بڑی بناؤ یا اس سے بھی بڑی۔



گتوں پر کاغذ چپکانے کے بجائے کپڑا بھی چپکا سکتے ہیں۔ لیکن اندر کاغذ ہی لگے گا کپڑے سے کونے بنانے کا طریقہ بھی بتایا جا چکا ہے۔



کھیل کی خبریں

ورزیانگرم فٹ بال ٹورنامنٹ دہلی کا ایک نمائشی میچ ۲۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو محمڈن اسپورٹنگ کلکتہ اور آل دہلی سلکٹیڈ کے درمیان ہوا۔ ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور اور بہترین کھلاڑی ان دونوں ٹیموں میں کھیل رہے تھے۔ دہلی سلکٹیڈ ایک گول سے جیت گئی۔ دوسرا نمائشی میچ محمڈن اسپورٹنگ اور یارکشائر رجمنٹ جالندھر کے درمیان ۲۹ مارچ کو ہوا۔ کھیل بہت اچھا رہا اور دونوں ٹیموں میں سے کوئی بھی گول نہ کر سکی۔

روس میں تقریباً ایک کروڑ ۲۰ لاکھ اشخاص مختلف قسم کے کھیلوں میں عملی حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حکومت بھی ان کو مدد دیتی ہے۔ روس میں سب سے زیادہ خرچ کھیلوں پر کیا جاتا ہے۔ تندرست اور اچھے جسم کا نوجوان حکومت اور رعایا کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ سمجھا جاتا ہے۔

دصیان چند (دادلینک ہاکی ٹیم اور دنیا کے سب سے بہتر سینٹر فارورڈ) دو ماہ کی رخصت پر ۳ اپریل کو جھانسی پہنچ گئے۔ وہ اور روپ سنگھ جھانسی ہیروز کلب کی طرف سے آغا خاں بمبئی اور بیٹن کلکتہ ہاکی ٹورنامنٹ میں شرکت کریں گے۔

کلکتے میں بیٹن ہاکی ٹورنامنٹ میں ہندوستان کی تقریباً تمام بہترین ٹیمیں حصہ لے رہی ہیں۔ ابھی تک ۲۴ ٹیمیں داخل ہو چکی ہیں۔ ۲۵ کے داخلے کی اور امید ہے۔

یکم اپریل کو کیمبرج اور آکسفورڈ کے درمیان کشتی کی دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ کیمبرج نے ۱۹ منٹ ۳ سکنڈ میں مقررہ فاصلہ طے کر لیا اور آکسفورڈ کو چار (LENGTHS) سے ہرایا۔

ایل بروک ایڈورڈ آنریری سکریٹری آل انڈیا ٹینس ایسوسی ایشن نے بیان دیا ہے کہ غوث محمد، وائی آر سے ودر اور افتخار احمد ۸ اپریل کو انگلینڈ روانہ ہو گئے۔ لیفٹننٹ ایس ایل غظفر بھوپالی، چرنجیو اور ساہنی کی بھی خبر ہے کہ میچ میں شرکت کریں گے۔

ٹکٹوں کی خبریں

اس سال انگلستان کے بادشاہ کینیڈا جائیں گے۔ اس موقع پر کینیڈا کی حکومت تین یادگاری ٹکٹ جاری کرے گی۔ ان میں سے ایک پر شہزادی الزبتھ اور شہزادی مارگریٹ روز کی تصویر ہوگی دوسرے پر جارج پنجم کے یادگار کی تصویر ہوگی۔ تیسرے پر بادشاہ اور ملکہ کی۔

ہنگری نے حال ہی میں اپنے پرانے مقبوضات میں سے کچھ حصہ زیکوسلاویکیا سے حاصل کیا ہے۔ اس کی یادگار میں اس نے پانچ خاص ٹکٹ جاری کئے ہیں۔

انگلستان کے ٹکٹوں کی دو خصوصیات بہت ممتاز ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ٹکٹوں پر ملک کا نام نہیں رہتا، دوسری یہ کہ انگلستان نے آج تک تصویری ٹکٹ جاری نہیں کئے۔ حال ہی میں لندن میں ٹکٹوں کی ایک نمائش ہوئی تھی۔ اس نمائش کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بہت سے لوگوں نے انگلستان کے ٹکٹوں کے لئے تصویری نقشے تیار کئے تھے کوشش کی جا رہی ہے کہ پوسٹ ماسٹر جنرل پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ تصویری ٹکٹ جاری کریں اور اُن پر انگلستان کا نام ہو۔ اس مقصد کے لئے ایک درخواست دی جا رہی ہے جس پر دس لاکھ انگلستان کے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے دستخط ہوں گے۔

ایک صدی گذری کہ برطانیہ نے عدن پر قبضہ کیا تھا۔ اس صدی کی یادگار میں حکومت عدن نے خاص ٹکٹ جاری کئے ہیں۔ بارہ مختلف ٹکٹ نصف آنے سے لے کر دس روپے تک کے ہیں۔ ان سبھوں پر خوب صورت تصویریں بنی ہوئی جو بہت ہی جاذب نظر ہیں۔

برطانوی جزیرہ سلیمان میں بھی جارج ششم کے ٹکٹ نکل گئے برطانوی نوآبادیات میں یہ سب سے آخری جزیرہ تھا جس میں جارج ششم کے ٹکٹ نکل گئے۔ دو برس میں ان تمام نوآبادیات میں نئے ٹکٹ جاری ہوگئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قدر کم مدت میں تمام نوآبادیوں نئے ٹکٹ جاری کر کے حکومت نے بہت کمال کیا ہے ٹکٹوں کی تیاری بھی پہلے سے بہت زیادہ ترقی دکھائی دیتی ہے۔

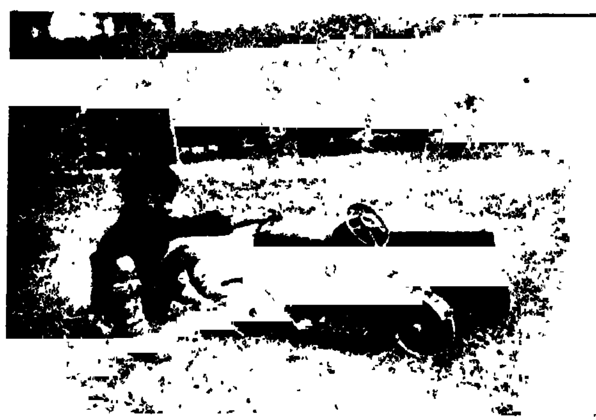
کیمرے کا انعامی مقابلہ



(پہلا انعام) بطخوں والی صبح
(سید حسن امام ، کیمبل پور)



(دوسرا انعام) 'خزاں' (اتما رام لہری سنگھ پونا



(... ثالث) 'مرمت' (الصمد الصمد خاں دلی)



(دوسرا انعام) شاخیں' (شفقت علی دلی)

پیام برادری کے چند ممبر



(بائیں) معین الدین احمد
(دائیں) ... الدین احمد (...)



محمد ... احمد اور اُن کا چھوٹا بھائی
(لاہور)



خواجہ محمد عبدالرؤف (کانپور)



مظہر الحق (...)

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو! خدا تمھیں خوش و خرم اور تندرست رکھے۔ پچھلے مہینے میرے پاس بہت سے بچوں کے خط آئے ہیں، ان میں انھوں نے سالانہ امتحان میں کامیابی کی خوش خبری سنائی ہے۔ میں ان سب کو مبارک باد دیتی ہوں۔ خدا انھیں ہر امتحان میں اسی طرح کامیاب کرے۔

پچھلے مہینے گرمی کا موسم شروع ہو گیا اور گرمی برابر بڑھ رہی ہے۔ بعض صوبوں میں تو گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئیں اور بچے ان چھٹیوں کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ پیامی ان چھٹیوں میں برادری کا بھی کچھ کام کریں۔ بچوں کو برادری کا مقصد سمجھائیں، انھیں برادری کا ممبر بنائیں اور جگہ جگہ شاخیں قائم کریں۔ میں نے ممبری کے کوپن اور برادری کے مختصر قاعدے بہت سے چھپوا لئے ہیں جن بچوں کو ضرورت ہو منگالیں۔

پچھلے مہینے میں نے فوٹوگرافی کے شوقین بچوں کو ہدایت کی تھی کہ کسی جانور کی تصویر کھینچ کر بھیجیں۔ مگر بہت کم بچوں نے اس طرف توجہ کی۔ شاید امتحان کی وجہ سے انھیں فرصت نہ ملی۔ اب میں انھیں پھر ایک موقع دیتی ہوں۔ مئی کی زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک وہ تصویریں بھیج دیں۔ میں نے نمونے کے طور پر شاخوں کے چندے کے لئے رسیدیں چھپوائی ہیں۔ یہ کچھ دہلی، نئی دہلی اور اس کے قریب کی شاخوں میں بٹ گئیں، کچھ ابھی باقی ہیں۔ جو شاخیں سب سے پہلے لفافے کے ٹکٹ بھیج دیں گی انھیں یہ رسید بہیاں بھیج دی جائیں گی پھر پہونچتے ہی شہر میں ایسی ہی رسیدیں چھپوالیں۔

ہاں ایک ضروری بات اور ہے۔ برادری کی سب شاخیں اپنے عہدے داروں اور مجلس منتظمہ کے ممبروں کے نام اور پورے پتے مجھے لکھ کر بھیج دیں، جلد سے جلد۔ اور اگر اس کے ساتھ اپنی مشغولیتوں، سالانہ جلسوں اور آمد و خرچ کی سالانہ رپورٹ بھی بھیج دیں تو مجھے برادری کی پچھلی ترقی کا اندازہ کرنے اور آیندہ کے لئے مفید تدبیریں سوچنے میں بہت مدد ملے گی۔ اچھا اب رخصت۔ "تمھاری آپا جان"

جلسوں کی کارروائی

بھوپال

بھوپال کی شاخ کی روداد میں سکریٹری صاحب نے ہمیں ڈاک سے نہیں بلکہ ایک صاحب کی معرفت دستی بھیجی تھیں اس لئے ہمیں وہ محض اتفاقات سے ۶ اپریل کو مل گئیں۔ دستاتنی ہو گئی ہے کہ اب اُن کا خلاصہ ہی شائع کرنا مناسب ہوگا۔

پیام برادری بھوپال کے چھ جلسے، ۲۴ دسمبر، ۶، ۱۴، ۲۰، ۲۹ جنوری اور ۲ فروری کو منعقد ہوئے۔ ۶ جنوری کا جلسہ

انتخابی تھا۔ اس میں اختر حسین اول۔ مہر عالم دوم اور غضنفر حسین خاں سوم آئے۔ ۱۲ رجنوری کو اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال کی تقریب سال گرہ میں برادری کی طرف سے ایٹ ہوم دیا گیا۔ مسٹر عبدالحمید قریشی ہیڈ ماسٹر الیگزنڈریہ ہائی اسکول۔ مسٹر آفاق حسین۔ جناب ناصر آبادی۔ مسٹر سلیم اور رشدی بھی تشریف رکھتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بہت اچھی تقریر بھی کی۔

"سکریٹری"

لکھنؤ (لڑکوں کی شاخ)

ہمارا تیسرا جلسہ ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک بجے شروع ہوا۔ "جاگو اور جگاؤ" اور "ترانۂ ملی" گایا گیا۔ جس کے بعد صدر صاحب نے خطبۂ صدارت پڑھا۔ دو تجویزیں بھی پاس ہوئیں اور تقریری مقابلہ ہوا جس میں سب ممبروں نے حصہ لیا۔ "ہندوستان کس طرح آزاد ہو سکتا ہے" تقریر کا موضوع تھا۔ مضامین بھی پڑھے گئے۔ ایک مضمون فلسطین پر تھا۔ ایک نظم فلسطین جناب صدر نے پڑھی۔ ایک نظم نسیم احمد صاحب انصاری نے بھی سنائی۔ خاکسار نے بھی ایک نظم "پیام برادری کے لئے دعا" پڑھ کر سنائی۔ اور ۲½ بجے جلسہ ختم ہوا

صباح شہاب الدین احمد (ناظم)

ساگر (سی۔ پی)

حضرت علامہ اقبال کی برسی کے سلسلے میں پیام برادری کا ایک جلسہ ۲۱ اپریل ۱۹۴۰ء بوقت ۸ بجے صبح جناب امیر اللہ خاں صاحب کی صدارت میں ان ہی کے مکان پر منعقد ہوا۔ عطاء اللہ خاں صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ خاکسار نے گذشتہ جلسے کی روداد سنائی محمد شریف صاحب نے علامہ مغفور کا قومی ترانہ پڑھا اور مندرجہ ذیل پیامیوں نے شاعر مشرق کے متعلق مختلف مضامین پڑھے:۔

(۱) عبدالحمید خاں صاحب:۔ اقبال کی سوانح حیات
(۲) صدیق رضا صاحب:۔ اقبال دوسروں کی نظر میں۔
(۳) محمد جلیل صاحب:۔ اقبال کا پیغام
(۴) محمد عطاء اللہ خاں صاحب:۔ اقبال کے اقوال زریں۔
(۵) شیخ رمضان صاحب:۔ اقبال اپنوں کی نظر میں
(۶) اسماعیل رضا صاحب:۔ اردو کا بہترین شاعر اقبال
(۷) (خاکسار) محمد ابراہیم خاں:۔ اقبال کی اردو شاعری

احسان اللہ خاں صاحب نے علامہ اقبالؒ کے متعلق ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی اور آخر میں صدر جلسہ نے بھی مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد ایک منٹ تک تمام حاضرین احترام کے طور پر خاموش کھڑے رہے۔ مندرجہ ذیل تجاویز جلسے میں پاس ہوئیں:۔

(۱) یہ جلسہ پیام برادری کے تمام ممبروں سے پُرزور درخواست کرتا ہے کہ آئندہ جلسے تک بیج منگالیں اور بغیر بیج لگائے جلسے میں شرکت نہ کریں۔

(۲) ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد پیامی بھائیوں کو انعامات بھیج دیں۔ جس کے لئے ان کا قبل از وقت شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔[1]

(۳) اس جلسے کی متفقہ رائے ہے کہ برادری کا اپنا کتب خانہ ہو اور ایک فنڈ شہر کے علم دوست حضرات کی خدمت میں کتابیں فراہم کرنے کے لئے

[1] انعامات بھیج دئے گئے۔

وفد :۔ عبدالحمید خاں صاحب ، اسمٰعیل رضا صاحب ، عبدالجلیل صاحب ، امیر اللہ خاں صاحب ، خاکسار اور سرپرست صاحب پر مشتمل ہوگا
جلسہ ختم ہونے پر سرپرست صاحب نے انعامات کا اعلان کیا جو دوسرے دن تقسیم ہو گئے۔ اول انعام تقریری تمغہ "اسمٰعیل رضا صاحب
دوسرا انعام :۔"جامع اللغات" سید صدیق رضا صاحب

صدر جلسہ نے تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا اور شربت بھی پلایا گیا۔ جلسہ ۱۱ ½ بجے برخاست ہوا۔

خاکسار محمد ارشد نسیم خاں۔ سابق سکریٹری پیام برادری۔ ساگر (سی، پی)

لکھنؤ (لڑکیوں کی شاخ)

(۱) ۱۲ مارچ ۵۳ء کو پیام برادری کا دوسرا جلسہ ہوا۔ آغاز ترانہ پیام برادری سے ہوئی اور ترانہ مادر وطن کا بھی ایک بند پڑھا گیا۔ سکریٹری نے گذشتہ جلسے کی روداد سنائی اور مندرجہ ذیل ممبران نے "تہذیب" پر تقریریں کیں۔
ساجدہ صاحبہ صدر۔ عزیز فاطمہ انصاریہ، سکریٹری۔ خدیجہ صاحبہ، سلطانہ صاحبہ، آپا جان نمبر۲ نے ہر کام میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

(۲) ۱۹ مارچ ۵۳ء کو پیام برادری کا تیسرا جلسہ منعقد ہوا "ہم ترقی کیسے کر سکتے ہیں" کے عنوان پر رافعہ صاحبہ۔ ساجدہ صاحبہ (صدر) عزیز فاطمہ انصاریہ (سکریٹری) نے تقریریں کیں۔ اس کے بعد آپا جان نمبر۲ کے حکم سے صدر اور سکریٹری نے نظم "مصطفےٰ الکمال" پڑھی اور جلسہ برخاست ہوا۔

عزیز فاطمہ سکریٹری۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ

نئی دہلی (شملہ)

(۱) ۳۰ مارچ ۵۲ء کو منظر حسین صاحب کاظمی کی صدارت میں ہمارا جلسہ فیروز شاہ کوٹلے میں ہوا۔ محمد احسن صاحب نے تلاوت قرآن کی۔ خاکسار نے جاگو اور جگاؤ نظم پڑھی۔ اور صدر صاحب نے اپنا صدارتی خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد محمد محسن صاحب نے "آزادی" پر تقریر کی، بچوں نے کہانیاں اور لطیفے سنائے۔

(۲) ۳ اپریل کو منظر حسین صاحب کاظمی کی صدارت میں فیروز شاہ کوٹلے میں ہمارا جلسہ منعقد ہوا۔ خالد حمید صاحب (نائب صدر) نے قرآن شریف کی تلاوت کی۔ صدر صاحب نے بچوں کو امتحان میں کامیابی کی مبارکباد دی۔ خاکسار نے "جاگو اور جگاؤ" نظم پڑھی اور جلسہ برخاست ہوا۔

(ناظم) خاکسار نسیم احمد۔ ۲۵۔ بنہا ہاؤس۔ شملہ۔

آگرہ

۱۹ مارچ ۵۳ء کو دن کے ۱ بجے ہمارا تیسرا جلسہ عبدالحلیم صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ پہلے قرآن کی تلاوت کی گئی۔ پھر ان لوگوں نے تقریریں کیں۔

(۱) حافظ محمد رفیق صاحب (۲) عبدالحفیظ صاحب (۳) عبدالوحید صاحب (۴) نظر اللہ صاحب (۵) کرامت علی صاحب

(۶) منظر حسین صاحب صدیقی۔ (۷) خالد حسین صاحب قادری (۸) عبدالقیوم صاحب (۹) مبارک الدین صاحب ہنڈ داد تھانوی (۱۰) غلام ربانی صاحب (۱۱) سردار احمد صاحب (۱۲) نثار احمد صاحب (۱۳) محمد عثمان صاحب (۱۴) محمد سعید صاحب کاظمی (۱۵) سردار عبدالرحمٰن صاحب۔

جلسہ بہت کامیاب رہا اور شکریے کے ساتھ بخیر و خوبی برخاست ہوا۔

خاکسار مبارک الدین ہنڈ داد تھانوی (سکریٹری) ہمدرد بوٹ ہاؤس (آگرہ)

دہلی

شاخ پیام برادری کا ایک کاروباری جلسہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۰ء کو عروج منزل میں منعقد ہوا۔ اور یہ تجویز منظور ہوئی :۔ برادری کی موجودہ حالت ایسی ہے کہ اُسے جلد سے جلد بدلنا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم اپنے سرپرستوں کی برادری کے ایک ایک شعبے کی نگرانی سپرد کردیں۔ اُن کا مشورہ اور اُن کی رہبری ہمارے لئے بڑی تقویت کا باعث ہوگی۔ یہ شعبے صرف چار ہوں گے

(۱) **مشیر ادبیات** :۔ جناب رشید نعمانی صاحب۔ جلسے کی تمام علمی، ادبی، تقریری اور تحریری کارروائیوں پر نقد و نظر اور صلاح و مشورہ

(۲) **مشیر انعقاد جلسہ** :۔ جناب حکیم محمد کامل صاحب۔ جلسہ کا وقت، دن، تاریخ اور جگہ کے متعلق صلاح و مشورہ

(۳) **مشیر مالیات** :۔ جناب سید عروج الحسن صاحب۔ تمام حساب و کتاب کی جانچ اور آمد و خرچ کی نگرانی۔

(۴) **مشیر تفریحات** :۔ جناب الطاف علی صاحب۔ کھیلوں اور تفریحوں وغیرہ کے بارے میں صلاح و مشورہ۔

تجویزیں منظور کی گئیں۔ جلسے میں مجلس منتظمہ کے پانچ ممبر تھے۔

پیام برادری دہلی کی مجلس منتظمہ میں تبدیلی :۔

نائب ناظم :۔ سید صلاح الدین صاحب

اراکین مجلس :۔ (۱) سید صہیب مطلبی صاحب فریدآبادی (۲) محمد آفتاب احمد صاحب (۳) محمد علی صاحب مجتبٰی

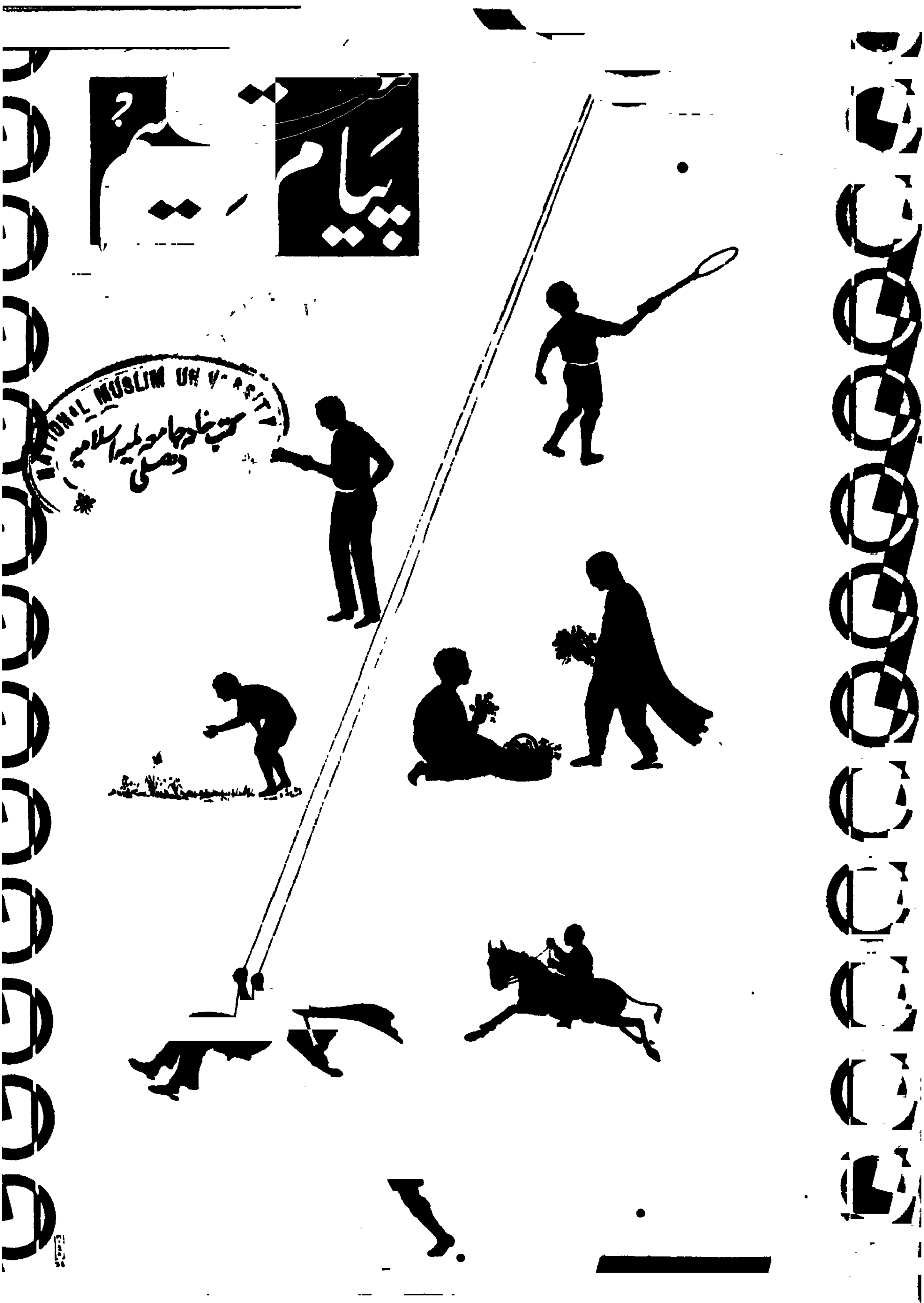
نوٹ مجلس منتظمہ میں صرف آٹھ حضرات ہیں

حسن احمد قنوجی ۔ ناظم

Regd. L. No. 1961

Printed & published by Dr. Sayed Abid Hussain, at the Mahbob-ul-mataba Press, Delhi.

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Barvan, Delhi.


پیام تعلیم



نہمت کا سلام



رھائن لینڈ کے ایک کھنڈر میں دو ہزار برس پیشتر کے برتن

پیام تعلیم دہلی

جون ۱۹۳۹ء

جلد ۲۲

نمبر ۶

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

قیمت ۳ؔ — فی پرچہ ۳ؔ

پیام تعلیم :- یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے "منیجر"

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

اس پرچے میں کاغذ کاٹنے پر آپا جان کا دوسرا مضمون چھپ رہا ہے۔ مضمون کا نقشہ اور تصویریں سب آپا جان کی بنائی ہوئی ہیں۔ آپا جان کو اُن کے بنانے میں بہت محنت کرنا پڑی ہے۔ اپنے پرچے کے لئے وہ اس سے بھی زیادہ محنت کرنے کو تیار ہیں اور برابر کرتی رہتی ہیں۔

مگر انھیں ایک شکایت ہے۔ انھوں نے پہلی مرتبہ بچوں سے خواہش کی تھی کہ پیامی ان کی بتائی ہوئی ہدایتوں کے مطابق تصویر بنائیں اور اس پہ ایک کہانی لکھ کر بھیج دیں۔ مگر کسی بچے نے اس کا خیال نہ کیا۔ کہیں اس دفعہ بھی ایسی لاپرواہی : کرنا۔ نہیں تو آپا جان خفا ہو جائیں گی۔

اس پرچے میں ایک مضمون آن ہمزت پہ چھپ رہا ہے۔ یہ مئی میں چھپنا چاہئے تھا۔ اب کے بارہ وفات اسی مہینے میں پڑی تھی، مگر ہمیں یہ دیر میں ملا تھا۔ اس لئے اس پرچے میں چھاپ رہے ہیں۔ امید ہے کہ پیامی اس مضمون سے اچھا سبق حاصل کریں گے۔

ہمیں خوشی ہے کہ اکثر پیامی خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ لکھ دیتے ہیں لیکن بعض بچے خصوصاً نئے پیامی اس کا خیال نہیں رکھتے۔ اس سے ہمیں جواب دینے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ ہمیں خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ لکھ دیا کرو۔ ہاں منیجر صاحب کو بس نمبر خریداری لکھ دینا کافی ہے۔ عزیزی عبد القیوم پشاوری اور اسرار احمد ماروی اپنے پتے بھیج کر جواب منگوا لیں۔

گنجائش کی کمی کی وجہ سے ہم نے خط کتابت کا بس ایک ہی صفحہ رکھا ہے۔ اس لئے پیامی چھپنے والے خط بہت مختصر بھیجا کریں، ورنہ نہیں چھپ سکیں گے۔

اگلے سال گرہ نمبر سنہ ۵۹ء کی تیاری کا زمانہ آگیا ہے۔ بچے ہمیں اپنا مشورہ لکھ کر بھیجیں کہ اب وہ اپنے سال گرہ نمبر میں کیسے مضمون چاہتے، کیسی کہانیاں اور کیسی تصویریں چاہتے ہیں۔ امید کہ بہت جلد وہ اس بارے میں خط بھیجیں گے۔

دیکھئے ہل چلا رہا ہے کسان



دیکھئے ہل چلا رہا ہے کسان ۔۔۔ کام اپنا دکھا رہا ہے کسان
بیل جلدی قدم اُٹھاتے ہیں ۔۔۔ نہ اُٹھائیں تو مار کھاتے ہیں
اُن کے کاندھوں پہ ہے جوا رکھا ۔۔۔ اُس میں ہی ہل کو پھنسا رکھا
ہل میں نیچے لگی ہوئی ہے پھال ۔۔۔ کھودنے میں زمیں ہے یہ کمال
اس سے کھدتی ہے کھیت کی مٹی ۔۔۔ کھد کھدا کر ہے نرم ہو جاتی
جوت کر کھیت یہ کرے گا کیا ؟ ۔۔۔ بیج غلّے کا اس میں بو دے گا
پانی دیتا رہے گا پھر اکثر ۔۔۔ دیکھ بھال اس کی ہوگی آٹھ پہر
فصل پکنے میں پھر نہ ہوگی دیر ۔۔۔ اس کو مل جائے گا اناج کا ڈھیر

اس کی ہمّت کا یہ اثر ہوگا
اس کی محنت کا یہ ثمر ہوگا

(حقوق محفوظ)

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

ننھی فتنی

طلعت فاطمہ بنت حسن مارہروی

ایک درزی تھا، اس کے ایک اکلوتی لڑکی تھی، تھی تو ننھی سی پر بہت شریر۔ درزی نے اس کا نام ہی ننھی فتنی رکھ دیا تھا وہ روز باغوں کی ہوا کھانے جایا کرتی ایک دن وہ باغ میں ایک بیر کے درخت پر بیٹھی بیر کھا رہی تھی کہ اس شہر کا شہزادہ بھی اس باغ میں آنکلا۔ ننھی فتنی نے بیر کھا کھا کر گٹھلیاں شہزادے پر پھینکنا شروع کیں۔ ایک گٹھلی شہزادے کے سر پر گری۔ اس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو بیر کے درخت پر ایک لڑکی بیٹھی بیر کھا رہی ہے اور گٹھلیاں پھینکتی جا رہی ہے۔ شہزادے نے پوچھا: "تو کس کی لڑکی ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں امام علی درزی کی لڑکی ہوں۔" شہزادے نے سوال کیا: "تیرا نام کیا ہے؟" وہ بولی: "بی بی ننھی فتنی۔" شہزادے نے کہا: "تو نے جو گستاخی کی ہے اس کی سزا میں تیرا چلو بھر خون ہوگا۔" لڑکی نے جواب دیا: "جب وقت آئے تو لے لینا۔" اس کے بعد شہزادہ گھر گیا اور اپنے باپ کے سامنے پورا قصّہ دُہرایا۔ بادشاہ نے امام علی درزی کو بلا کر حکم دیا کہ ایک شامیانہ بے چوب اور بے رسی کا سی کر لاؤ۔ درزی حکم سن کر حیران پریشان اپنے گھر آیا اور سوچنے لگا کہ بے چوب اور بے رسی کا شا

کیونکر سیوں۔ اسی اُدھیڑبن میں تھا کہ بی بی ننھی فتنی باغ سے گھر واپس آئیں اور باپ کو بہت فکرمند دیکھ کر پوچھا کہ باباجان آپ آج پریشان کیوں ہیں؟ اس نے کہا:۔ "بیٹی تمھیں کیا بتائیں۔" لڑکی نے پھر پوچھا تو اس نے کہا:۔ "آج بادشاہ نے بلایا تھا اور حکم دیا ہے کہ بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ سی کر لاؤ۔" اسی سوچ میں ہوں کہ ایسا شامیانہ کیسے سیوں۔" لڑکی بولی۔ "یہ تو آپ بعد میں سوچئے گا پہلے مجھے ایک کپڑے کا خوب مضبوط کوڑا سی دیجئے اور ستو روپیے دے دیجئے۔" درزی نے ایسا ہی کیا۔ لڑکی یہ چیزیں لے کر بازار گئی اور بنئے سے بولی:۔ "ہم کو ستو روپیے کا گھی تول دو۔" جب بنیا گھی تولنے بیٹھا اور ڈنڈی اٹھائی تو اس سے کہا:۔ "او بنئے ڈنڈی نیچے کر اور پلڑا اوپر۔" بنئے نے جواب دیا۔ "ایسے کس طرح تولوں۔" یہ سن کر لڑکی نے بنئے کے کوڑا مارا اور کہا:۔ "او احمق بنئے ڈنڈی نیچے کر اور پلڑا اوپر۔" یہ حال دیکھ کر بنیا روتا اور فریاد کرتا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ لڑکی بھی ساتھ ساتھ گئی۔ بادشاہ نے واقعہ سن کر حکم دیا کہ ہمارے سامنے گھی تولا جائے، جب بنیا گھی تولنے لگا تو پھر اس لڑکی نے بادشاہ اور شہزادے کے سامنے ایک کوڑا رسید کیا اور کہنے لگی "او احمق بنئے ڈنڈی نیچے کر، پلڑا اوپر۔" شہزادے نے کہا:۔ "یہ کیسی بے وقوف لڑکی ہے جو کہتی ہے ڈنڈی نیچے کر پلڑا اوپر۔" تب اس لڑکی نے کہا:۔ "کیسا احمق بادشاہ ہے جو کہتا ہے کہ بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ سی کر لاؤ کہیں آج تک بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ بھی کھڑا ہوا ہے۔" شہزادے نے یہ سنا تو پوچھا:۔ "تو کس کی لڑکی ہے اور تیرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا:۔ "امام علی درزی کی لڑکی ہوں اور میرا نام بی بی ننھی فتنی ہے۔" شہزادے نے کہا کہ جب تو میرا نام جو تیرا چلو بھر خون نہ پیا

ننھی فتنی

عطیہ ولایت فاطمہ بنت احسن مارہروی

ایک درزی تھا، اس کے ایک اکلوتی لڑکی تھی، تھی تو ننھی سی پر بہت شریر۔ درزی نے اس کا نام ہی ننھی فتنی رکھ دیا تھا وہ روز باغوں کی ہوا کھانے جایا کرتی ایک دن وہ باغ میں ایک بیر کے درخت پر بیٹھی بیر کھا رہی تھی کہ اس شہر کا شہزادہ بھی اس باغ میں آنکلا۔ ننھی فتنی نے بیر کھا کر گٹھلیاں شہزادے پر پھینکنا شروع کیں۔ ایک گٹھلی شہزادے کے سر پر گری۔ اس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو بیر کے درخت پر ایک لڑکی بیٹھی بیر کھا رہی ہے اور گٹھلیاں پھینکتی جا رہی ہے۔ شہزادے نے پوچھا "تو کس کی لڑکی ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "میں امام علی درزی کی لڑکی ہوں" شہزادے نے سوال کیا۔ "تیرا نام کیا ہے؟" وہ بولی: "بی بی ننھی فتنی" شہزادے نے کہا۔ "تو نے جو گستاخی کی ہے اس کی سزا میں تیرا چلو بھر خون پیوں گا" لڑکی نے جواب دیا: "جب وقت آئے تو پی لینا" اس کے بعد شہزادہ گھر گیا اور اپنے باپ کے سامنے پورا قصہ دُہرایا۔ بادشاہ نے امام علی درزی کو بلا کر حکم دیا کہ ایک شامیانہ بے چوب اور بے رسی کا سی کر لاؤ۔ درزی حکم سن کر حیران پریشان اپنے گھر آیا اور سوچنے لگا کہ بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ

کیونکر سیوں۔ اسی اُدھیڑبن میں تھا کہ بی بی ننھی فلتنی باغ سے گھر واپس آئیں اور باپ کو بہت فکرمند دیکھ کر پوچھا کہ بابا جان آپ آج پریشان کیوں ہیں؟ اس نے کہا :۔ "بیٹی تمھیں کیا بتائیں" لڑکی نے پھر پوچھا تو اس نے کہا :۔ "آج بادشاہ نے بلایا تھا اور حکم دیا ہے کہ بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ سی کر لاؤ" اسی سوچ میں ہوں کہ ایسا شامیانہ کیسے سیوں" لڑکی بولی "یہ تو آپ بعد میں سوچئے گا پہلے مجھے ایک کپڑے کا خوب مضبوط کوڑا سی دیجئے اور سو روپیے دے دیجئے" درزی نے ایسا ہی کیا۔ لڑکی یہ چیزیں لے کر بازار گئی اور بنئے سے بولی :۔ "ہم کو سو روپئے کا گھی تول دو" جب بنیا گھی تولنے بیٹھا اور ڈنڈی اٹھائی تو اس سے کہا :۔ "او بنئے ڈنڈی نیچے کر اور پلڑا اوپر" بنئے نے جواب دیا۔ "ایسے کس طرح تولوں" یہ سن کر لڑکی نے بنئے کے کوڑا مارا اور کہا :۔ "او احمق بنئے ڈنڈی نیچے کر اور پلڑا اوپر" یہ حال دیکھ کر بنیا روتا اور فریاد کرتا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ لڑکی بھی ساتھ ساتھ گئی۔ بادشاہ نے واقعہ سن کر حکم دیا کہ ہمارے سامنے گھی تولا جائے،

جب بنیا گھی تولنے لگا تو پھر اس لڑکی نے بادشاہ اور شہزادے کے سامنے ایک کوڑا رسید کیا اور کہنے لگی "او احمق بنئے ڈنڈی نیچے کر، پلڑا اوپر" شہزادے نے کہا :۔ "یہ کیسی بے وقوف لڑکی ہے جو کہتی ہے ڈنڈی نیچے کر پلڑا اوپر" تب اس لڑکی نے کہا "کیسا احمق بادشاہ ہے جو کہتا ہے کہ بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ سی کر لاؤ کہیں آج تک بے چوب اور بے رسی کا شامیانہ بھی کھڑا ہوا ہے" شہزادے نے یہ سنا تو پوچھا :۔ "تو کس کی لڑکی ہے اور تیرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا :۔ "امام علی درزی کی لڑکی ہوں اور میرا نام بی بی ننھی فلتنی ہے" شہزادے نے کہا کہ جب تو میرا نام جو تیرا چلو بھر خون نہ پیا

ہو۔" اس نے کہا: "جب وقت آئے تو پی لینا۔" یہ کہہ کر وہ لڑکی اپنے گھر واپس آگئی اور اپنے باپ کو مطمئن کر دیا کہ اب تم سے بادشاہ سلامت شامیانہ نہیں سلوائیں گے اس کے بعد پھر ایک دن وہ لڑکی باغ میں گئی تو دیکھا کہ شہزادہ ٹہل رہا ہے۔ اس نے پھر وہی حرکت کی کہ ایک بیر کی گٹھلی شہزادے کے سر پہ پھینک دی۔ شہزادے نے لوٹ کر دیکھا اور پھر یہی کہا "تو میرا نام جو تیرا چلو بھر خون نہ پیا ہو۔" اس نے پھر یہی جواب دیا "جب وقت آئے تو پی لینا۔" شہزادہ اپنے محل گیا اور درزی کو بلوا کر کہا "تم بہت ہوشیار درزی ہو ہم کو اینٹوں کا ایک جامہ سی کر لا دو۔" درزی گھر آیا اور پریشان ہو کر سوچنے لگا کہ اینٹ کا جامہ کیسے سیوں؟ اتنے میں اس کی لڑکی باغ سے واپس آئی اور اپنے باپ کو فکر مند دیکھ کر بولی "کیوں بابا جان آج بادشاہ نے پھر کوئی نیا

حکم دیا ہے" اس نے کہا "ہاں بیٹی آج بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اینٹوں کا ایک جامہ سی کر لاؤ۔" لڑکی نے کہا "اچھا اینٹوں کا جامہ آپ بعد میں سیجئے گا۔ پہلے مجھے ایک خوب اچھا مردانہ لباس تیار کر دیجئے۔" کپڑے تیار ہونے کے بعد لڑکی نے وہ جوڑا پہنا، اور بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئی اور بادشاہ کو سلام کر کے کہا "اگر جان بخشی جائے تو ایک بات عرض کروں۔" بادشاہ نے کہا "کہو کیا کہتے ہو۔" تب اس لڑکے (یعنی ننھی فتنی) نے بادشاہ اور شہزادے کو مخاطب کر کے کہا۔ "ہمارے باپ نے کہا ہے کہ ہم نے اینٹوں کا جامہ کتر لیا ہے۔ مگر بالو کا ڈورا ہمیں نہیں ملتا آپ بادشاہ ہیں آپ کو آسانی سے مل جائے گا۔ ہمیں منگا دیجئے۔" تب شہزادے نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا "لڑکے تیرا نام کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "ننھی فتنی"

یہ سُن کر شہزادے نے کہا "جب تو میرا نام جو تیرا چلو بھر خون نہ پیا ہو" اس نے کہا "جب وقت آئے تو پی لینا" یہ کہہ کر وہ اپنے گھر آئی اور اپنے باپ سے کہہ دیا کہ بادشاہ تم سے اینٹوں کا جامہ طلب نہیں کریں گے۔ تم اطمینان سے بیٹھو۔ پھر ایک دن وہ لڑکی باغ میں گئی اور دیکھا کہ وہی شہزادہ ٹہل رہا ہے اس نے پھر گٹھلیاں پھینکنا شروع کیں۔ ایک گٹھلی شہزادے کے سر پر جا پڑی۔ اس نے نام دریافت کیا تو وہی ننھی فتنی نکلا۔ اس نے کہا "میرا نام جو تیرا چلو بھر خون نہ پیا ہو" لڑکی نے کہا "جب وقت آئے تو پی لینا"۔ شہزادہ اپنے گھر گیا اور درزی کو بلا کر حکم دیا کہ بیل کا دودھ دوھ کر لاؤ۔ درزی پریشان ہو گیا کہ آج تک بیل کا بھی دودھ ہوا ہے! جب وہ لڑکی شام کو اپنے گھر واپس آئی تو باپ کو پھر اسی حالت میں دیکھ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ آج بادشاہ نے بیل کا دودھ منگایا ہے۔ لڑکی نے کہا "اس وقت آپ سو رہیے۔ صبح ہو گی تو دیکھا جائے گا"۔ یہ کہہ کر باپ کو تو سلا دیا۔ اور خود بہت سے پھٹے ہوئے کپڑے لے کر اس ندی پر گئی جو بادشاہ کے جھروکے کے نیچے بہتی تھی اور وہاں جا کر خوب زور زور سے زچہ گیریاں گانے اور کپڑے دھونے لگی۔ شہزادہ کمرے میں سو رہا تھا اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے یہ شور سنا تو ملازم کو حکم دیا کہ جاؤ دیکھو ندی پر کون شور کر رہا ہے؟ اس نے جا کر دیکھا تو ایک لڑکی کپڑے دھو رہی ہے اور گا رہی ہے۔ نوکر نے کہا کہ لڑکی خاموشی سے کپڑے کیوں نہیں دھوتی۔ شہزادے کی نیند خراب ہوتی ہے اس نے کہا: "شہزادے کی نیند خراب ہوتی ہے ہوا کرے۔ ہمارے چچا کے لڑکا ہوا ہے ہم سوہر[۵۱] گا رہے ہیں"۔ ملازم نے لڑکی کا جواب شہزادے کو سنا دیا۔ یہ سُن کر اس نے پھر ملازم

۵۱ ایک مخصوص گیت کا نام ہے جو بچہ پیدا ہوتے وقت گایا جاتا ہے۔

کو بھیجا کہ پوچھ آؤ" تیرے چچا کے لڑکا ہوا ہے یا چچی کے"۔ اس نے کہا کہ" نہیں چچا کے ہوا ہے چچی کے نہیں"۔ تب شہزادے نے اپنا آدمی بھیج کر اس لڑکی کو بلوا بھیجا۔ جب وہ آئی تو پوچھا" تیرے چچا کے لڑکا ہوا ہے یا چچی کے" اس نے جواب دیا" نہیں بارہ برس کے بعد ہوا ہے۔ اس لئے ہمارے چچا کے لڑکا ہوا ہے۔ چچی کے نہیں"۔ شہزادے نے کہا:" یہ کیسی احمق لڑکی ہے جو کہتی ہے کہ چچا کے لڑکا ہوا ہے، چچی کے نہیں کہیں آج تک مرد کے بھی لڑکا ہوا ہے"۔ لڑکی نے فوراً جواب دیا "کیسا احمق بادشاہ ہے کہیں آج تک بیل کے بھی دودھ ہوا ہے"۔ یہ سن کر شہزادہ خاموش ہوگیا۔ صبح ہوئی تو بادشاہ نے امام علی درزی کو بلایا اور کہا:" ہم تمہاری لڑکی سے اپنے لڑکے کی شادی کریں گے"۔ اس نے بہت کچھ عذر کیا اور کہا:" حضور یہاں وہی مثل صادق

آتی ہے کہ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی، کہاں شہزادہ اور کہاں درزی کی لڑکی میری کیا حیثیت ہے جو آپ کے یہاں شادی کروں"۔ بادشاہ نے کہا:" اگر یہ بات تم خوشی سے منظور کر لوگے، تب تو شادی کا سب سامان کر دیا جائے گا۔ نہیں تو زن و بچہ کو لھو میں پلوا دیا جائے گا"۔ درزی یہ سن کر گھر چلا آیا۔ شام کو جب لڑکی گھر واپس آئی تو اس نے پھر اپنے باپ کو رنجیدہ پایا۔ اس نے پوچھا کہ بابا جان آج کیا نئی بات پیش آئی۔ باپ نے کہا کہ ہاں بیٹی بادشاہ نے کہا ہے کہ تمہاری شادی شہزادے سے کردیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ہم نے اسے خوشی سے منظور کر لیا تب تو شادی کا سب سامان بادشاہ سلامت کریں گے، نہیں تو زن و بچہ کو لھو میں پلوا دیں گے"۔ "بابا جان شادی میرے ساتھ ہوگی آپ باگر

پریشان نہ ہوں اور یہ درخواست منظور کر لیجیئے "۔ درزی لڑکی کی بات سن کر خوش خوش بادشاہ کو جواب دے آیا۔ اس کے بعد دونوں طرف شادی کی تیاری شروع ہو گئی ۔ لڑکی نے اپنے باپ سے کہا " ایک لکڑی کی گڑیا میرے برابر بنوا دیجیئے اور کاریگروں سے کہیئے کہ اس کی گردن الگ رکھیں۔ باپ نے ایسا ہی کیا۔ لڑکی نے اس گڑیا میں تھوڑا سا شیرہ بھر دیا اور اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور جب رخصت ہو گئی تو رات کو یہ گڑیا اپنے پلنگ پر لٹا دی اور خود ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی۔ جب شہزادہ محل میں آیا تو اس نے دیکھا کہ درزی کی لڑکی پلنگ پر لیٹی ہے۔ اس نے آواز دی کہ " تو لڑکی تو کس کی ہے " الماری کے پیچھے سے جواب ملا " امام علی درزی کی " شہزادے نے کہا " تو باغوں کی سیر کرنے جایا کرتی تھی "

اس نے کہا " ہاں " اس نے پوچھا " تو میرے سر پہ پیروں کی ٹھلیاں پھینکا کرتی تھی " اس نے کہا " ہاں " اس نے پوچھا " تیرا ہی نام ننھی نلنی ہے " اس نے جواب دیا " ہاں " اس نے کہا " تیرا چلو بھر خون پی لوں " لڑکی نے جواب دیا " ہاں " تب شہزادے نے میان سے تلوار نکالی اور اس لڑکی کی گردن پر ماری۔ اس کی گردن الگ ہو گئی تو اس نے وہ شیرہ چلو میں لے کر پی لیا اور پینے کے بعد کہا جس کا خون اتنا میٹھا ہے وہ لڑکی کتنی عقلمند ہوگی۔ لہذا اب دنیا میں میرا جینا بھی بیکار ہے مجھ کو بھی چاہیئے کہ اس تلوار سے اپنے کو ختم کر دوں " درزی کی لڑکی نے یہ گفتگو سنی تو الماری کے پیچھے سے نکل جلدی سے شہزادے کے دونوں ہاتھ پکڑ لیئے اور کہا " تم کو چلو بھر خون پینا تھا پی لیا۔ اب اپنی جان کیوں کھوتے ہو " اس کے بعد دونوں خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے ﷺ

جاگو اور جگاؤ

پجاری ، مالیگانوی

جاگو اور جگاؤ پیارے — جاگو اور جگاؤ

علم کی مشعل ہاتھ میں لے کر
پریم کا پرچم ساتھ میں لے کر
دنیا پر چھا جاؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

غفلت کا طوفان بڑھا ہے
غربت کا دریا بھی چڑھا ہے
نیا پار لگاؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

دیس کی اپنے لاج رکھو تم
سر پر اس کے تاج رکھو تم
اس کی شان بڑھاؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

دل سے دل کی راہ ملاؤ
پریم بڑھاؤ - چاہ بڑھاؤ
کھوٹ سے دل نہ جلاؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

عزت ہی مردوں کا گہنا
عزت ہی میں مرنا جینا
موت سے مت گھبراؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

اپنے علم و عمل سے پیارے
بن جاؤ آکاش کے تارے
چمکو اور چمکاؤ پیارے
جاگو اور جگاؤ !

آنکھ میں کچھ پڑ گیا

محمد حسین حسان

جون کا مہینہ تھا۔ دن کے کوئی نو بجے ہوں گے۔ دھوپ بہت تیز تھی اور ہوا کا جھکڑ چل رہا تھا۔ سعید کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں اس کی ماں اندر آئیں اور بولیں :۔ "بیٹے آج پان بالکل ختم ہو گئے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد تمھارے باپ کیا کھائیں گے۔ دوڑ کے دو پیسے کے لے تو آ میرے لال"۔

سعید :۔ بہت اچھا اپیا۔ ابھی لایا۔

یہ کہہ کر سعید نے کتاب بند کی اور پان لینے چلا گیا۔ دکان ذرا دور تھی۔ راستے میں نسیم مل گئے۔ یہ بھی کسی کام کو جا رہے تھے۔ دونوں کا ساتھ ہو گیا۔ سڑک پر ہوا کی وجہ سے بہت خاک اڑ رہی تھی نسیم یکایک چلتے چلتے رک گیا ہاتھ آنکھ پر تھا۔

سعید :۔ کیوں کیا ہوا۔ آنکھ میں کچھ پڑ گیا؟

نسیم :۔ ہاں ذرا دیر کھڑے رہو۔ جانے آنکھ میں کیا پڑ گیا ہے۔ بہت کھٹک ہو رہی ہے۔

سعید :۔ تو تھوڑی دیر آنکھیں یوں ہی بند کئے رہو۔ جو کچھ ہو گا آنسوؤں کے ساتھ نکل جائے گا۔ آنکھ ملنا مت نہیں تو تکلیف بڑھ جائے گی۔

نسیم تھوڑی دیر تک آنکھ بند کئے رہا

پھر بولا:۔ بھئی اتنی دیر ہو گئی۔ آنکھ میں کھٹک اسی طرح ہے۔ بلکہ اور بڑھ رہی ہے۔

سعید:۔ اچھا تو چلو "ڈاکٹر شرما کے یہاں چلیں۔ یہیں دس قدم پر اُن کا مطب ہے۔

دیکھ لیجئے ذارا۔ ۔ ۔

ڈاکٹر شرما:۔ بھئی اندر تو آؤ۔ ہاں یہاں کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ اوہو یہ ہے۔ لو یہ نکل گیا۔ اب تم پانچ منٹ کے لئے آنکھوں کو آرام دو۔ آنکھیں بالکل



دونوں جلدی جلدی ڈاکٹر شرما کے یہاں پہنچے۔

سعید:۔ ڈاکٹر صاحب آداب، ڈاکٹر صاحب نسیم کی آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔ بہت تکلیف ہے۔ ذرا آپ

بند کئے رہو۔ ہاں اس صوفے پر تکیہ لگا کر لیٹ جاؤ۔

پانچ منٹ بعد ڈاکٹر صاحب نے پھر آنکھ دیکھی۔ اور کہا اب بالکل ٹھیک ہے۔

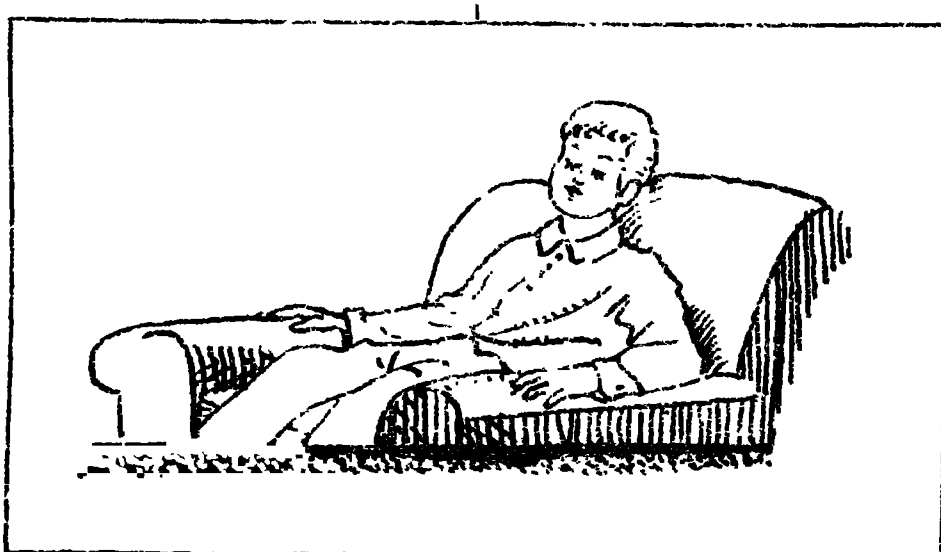
نسیم:۔ اب مجھے بھی بالکل آرام آگیا۔

ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔

ڈاکٹر شرما:۔ نہیں بیٹے اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ البتہ تم نے بہت عقل مندی سے کام لیا جو فوراً یہاں

میری آنکھ میں کیا پڑ گیا تھا۔ کوئی بڑی سی چیز ہوگی۔

ڈاکٹر شرما:۔ کچھ ایسی بڑی بھی نہیں۔ لو دیکھو یہ ہے۔ یہ خاک کا ننھا سا ذرہ تھا۔ نسیم اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس



چلے آئے۔ مرض یا تکلیف کو کبھی تھوڑا نہ سمجھو۔ کبھی کبھی لاپروائی سے تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے اور علاج میں بہت دقت ہوتی ہے۔

نسیم:۔ جی بے شک۔ کیوں ڈاکٹر صاحب

پڑا۔ اور بولا دیکھئے ڈاکٹر صاحب یہ اتنا سا ذرہ ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی چیز آنکھ میں گھس گئی ہو۔ اس گھر سے بھی بڑی

ڈاکٹر شرما:۔ (مسکرا کر) ہاں یہی معلوم ہوتا

ہو گا۔ آنکھ بڑی نازک چیز ہے۔ لوگ اس کے معاملے میں بہت بے احتیاطی اور لاپروائی سے کام لیتے ہیں اور پھر نتیجہ بھگتتے ہیں۔ ہم تمہیں وہ چار گر کی باتیں بتاتے ہیں ان پر عمل کرتے رہو گے تو تمہاری آنکھیں ہمیشہ صاف شفاف رہیں گی۔

نسیم وسعید۔ ڈاکٹر صاحب ضرور بتائیے ہم عمل کیوں نہ کریں گے۔

ڈاکٹر شرما:۔ پہلی بات تو یہ کہ تمہاری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہو تو تھوڑی دیر آنکھ بند رکھو۔ آنسوؤں کے ساتھ آپ ہی آپ باہر آجائے گا۔

نسیم:۔ اور اگر نہ آئے۔

ڈاکٹر شرما:۔ تو کسی اور سے مدد لو وہ نکال دے گا۔ دوسرے جب تمہاری آنکھیں پڑھتے پڑھتے کچھ تکلیف محسوس کریں تو انھیں آرام دو۔ انھیں اس طرح بند کر لو جیسے تم سوتے ہو۔ پڑھتے وقت اس کا خیال رکھو کہ روشنی تمہاری کتاب پر آئے۔ آنکھوں پر نہ آئے۔ لکھنے بیٹھو تو اس طرح کہ روشنی بائیں طرف سے آئے۔ تیز روشنی کی طرف کبھی نہ دیکھو۔ سینما جاؤ تو تصویروں کے پردے سے بہت دور بیٹھو۔ ان تصویروں کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے۔ آنکھیں نہ ملا کرو بہت بری عادت ہے۔ کبھی کبھی سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگا لیا کرو۔

نسیم وسعید:۔ بہت اچھا ڈاکٹر صاحب ان باتوں پر تو ہم بہت آسانی سے عمل کر سکتے ہیں۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔

دونوں ڈاکٹر صاحب کو سلام کرکے گھر کی طرف لوٹے سعید گھر میں پہنچے تو ابا کھانا کھا رہے تھے اور اپیا پانوں کا انتظار کر رہی تھیں ٭



ریڈیو

شان احمد خاں درجہ ہفتم کان پور

سنتے ہیں زبانی ریڈیو کی — تازہ خبریں زمانے بھر کی
بھید اس میں مگر کوئی نہاں[1] ہے — گویا ہے اگرچہ بے زبان ہے
گانے ہے نئے نئے سناتا — ہر ایک کے دل کو ہے لبھاتا
ہے کتنی یہ پیاری پیاری آواز — چھیڑے ہے کوئی ستار کا ساز
گھنگرو کی صدائیں آرہی ہیں — پریاں پردے میں گا رہی ہیں
دہلی ہو کہ چین ہو کہ لندن — جو کہئے سناتا ہے وہ فورن
سنواتا ہے واقعاتِ دنیا — گویا کہ ہے بولتا سنیما
بچے تو ہیں اس کے دل سے شیدا — ہر وقت ہے پاس جمگھٹا سا
ابا کو پسند اس کے گانے — بہنوں کو بھاتے ہیں ترانے

کیا خوب ہے ریڈیو ہمارا
گانا ہے بہت ہی اس کا پیارا

---

[1] چھپا ہوا

رضی میاں کی شرارتیں

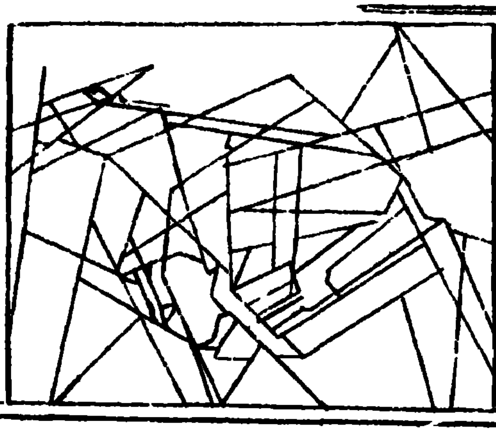
زین الدین احمد صدیقی، مریاہو

رضی میاں کی شرارتیں ہمیشہ سے مشہور ہیں۔ جب وہ کسی طرف سے گذرتے ہیں تو قیامت آجاتی ہے۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتی۔

ایک دن کا قصہ سنئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہم لوگ والد صاحب کے ساتھ کمرے میں تھے۔ میں اسکول کا کچھ کام کر رہا تھا۔ چونکہ رضی میاں کی شرارتوں کی وجہ سے ناک میں دم رہتا تھا۔ اس لئے والد صاحب نے انھیں چپ چاپ سو جانے کا حکم دے دیا۔ لیکن رضی میاں کہاں سونے والے تھے۔ والد صاحب کے ڈر سے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی ہی دیر میں والد صاحب کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ میں بھی اپنا کام پورا کر کے پلنگ پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے کن انکھیوں سے رضی میاں کو دیکھنے لگا۔ ذرا دیر کے بعد رضی میاں کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ کوئی جاگ تو نہیں رہا ہے؟ جب ان کو خوب اطمینان ہو گیا تو آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھسکنے لگے۔ پہلے میرے ڈیسک کے پاس پہنچے۔ ڈیسک میں تالا لگا تھا اس لئے جھنجھلا کر صراحی کے پاس پہنچے۔ گلاس

تھوڑا سا پانی بھرا۔ کچھ پیا اور باقی پنکھا کھینچنے والے پر جو اونگھ رہا تھا انڈیل دیا۔ اور وہاں سے کھسک گئے۔ وہ بے چارا "جی حضور میں سوتا نہیں ہوں" کہہ کر زور زور سے پنکھا کھینچنے لگا۔ اب رضی میاں ہاشم (نوکر) کی کوٹھری میں پہنچے۔ بے چارے نے ایک پیسے کی ککڑی خرید کر رکھی تھی اُسے لے کر طوطے کے پنجرے کے پاس پہنچے اور طوطے سے کہا: "مٹھو میاں ہم تمہارے واسطے ککڑی لائے ہیں کھاؤ گے؟" خیر ککڑی مٹھو میاں کو دے کر ہاشم کے پاس پھر پہنچے اور اسے جگا کر کہا "دیکھو ہاشم مٹھو بہت چور ہو گیا ہے۔ تمہاری ککڑی چرا لے گیا۔ اس کو پکڑ کر جیل خانے میں بند کر دو۔ ہم مجسٹریٹ بنیں گے" پھر پنکھا کھینچنے والے کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، "دیکھو آج مینہ برسا ہے تم کس قدر بھیگ گئے ہو" اس طرح کئی شرارتیں کرنے کے بعد جب دیکھا کہ والد صاحب کے جاگنے کا وقت آگیا تو کمرے میں جا کر خوب آنکھیں مل لیں۔ گویا بہت سوئے ہیں۔ اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب والد صاحب جاگے اور اُن سے رضی میاں کی ان شرارتوں کو بیان کیا گیا تو والد صاحب اور اُن کے دوست خوب ہنسے ؎



اس تصویر کے اُن حصوں کو رنگو جن سے دوڑتا ہوا گھوڑا بن جائے۔

پھرکی بنائیں

محسن حسان

ہنسراج :۔ ارے ارے ایسی گرمی اور لوہ میں آج کیسے نکل آئے۔ اِدھر آؤ پنکھے کے پاس بیٹھو۔

رمیش :۔ اس وقت سچ مچ میں نے بہت ہمت کی ماتاجی بھی روکتی رہیں۔ مگر میرا جی میلے میں جانے کو بے طرح چاہ رہا تھا اور تمھارے بغیر کوئی مزا نہ آتا۔ اسی لئے سیدھا اِدھر کا رُخ کیا۔ لو اب تیار ہو جاؤ۔

ہنسراج :۔ واہ بھئی ابھی سے! معلوم بھی ہے کیا وقت ہے؟ ساڑھے تین بجے ہیں۔ ایسا بھی کیا شوق: ذرا دم لو۔ ابھی تمھارے لئے فالسے کا شربت بنواتے ہیں۔

رمیش :۔ جی میں نہ دم لینا چاہتا ہوں، نہ شربت پینا چاہتا ہوں۔ بس آپ جلدی سے کپڑے پہن کر تیار ہو جائیے ورنہ آپ کی لکھنؤ والی نزاکت دم بھر میں نکال دی جائے گی۔ وہ سامنے دیکھئے کتنے لوگ میلے کی طرف جا رہے ہیں۔ گرمی اور لوہ بس آپ ہی کے لئے ہے۔

ہنسراج :۔ وہ سب آپ کی طرح احمق ہیں۔ بھلے آدمی اس وقت کہیں نہیں جاتے ہے۔ ارے وہ دیکھو سامنے کھلونے والا کیسی اچھی اچھی چیزیں لے جا رہا ہے۔ پھرکیاں۔ طرح طرح کی چڑیاں پنکھے، پیپے، اور جانے کیا کیا۔

رمیش :۔ پھر میں کیا کروں؟

ہنسراج :۔ آپ خاموش بیٹھے رہئے۔ ہم ایک پھرکی خریدیں گے۔ ارے بھئی پھرکی والے ذرا اِدھر آنا۔

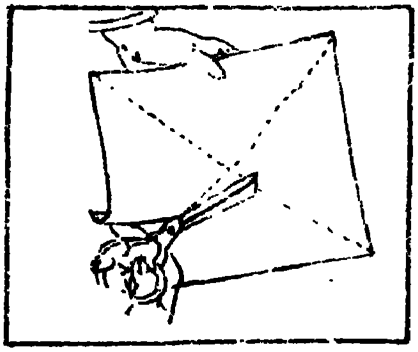
پھرکی والا :۔ آیا سرکار۔

ہنسراج : بھئی تم نے یہ پھرکیاں کتنے کتنے کو دیں؟

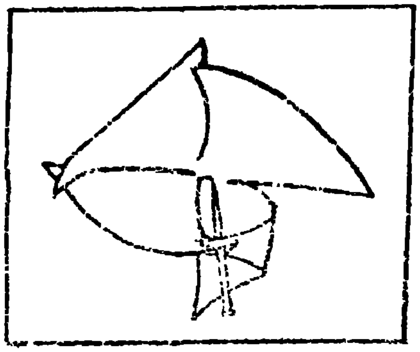
پھرکی والا :۔ سرکار سچ سچ بتا دوں! دو دو پیسے۔ چاہے لیجئے، چاہے نہ لیجئے۔

ہنسراج :۔ ہشت، اس سے اچھی تو ہم بنا سکتے ہیں۔ جاؤ ہم نہیں لیتے۔

رمیش :- جی آپ تو ضرور بنا سکتے ہیں! اس بے چارے
کو خواہ مخواہ پریشان کیا۔ یہ بھی کوئی شرارت ہے؟
ہنسراج :- جی میں بنا سکتا ہوں۔ کوئی ایسی طرح
گاؤدی سمجھ لیا ہے۔ لائیے وہ سفید چوکور کاغذ
اٹھا دیجئے۔ اس پر اس طرح پنسل سے نشان
کرکے قینچی سے کاٹ لیا۔ پھر چاروں کونے موڑ

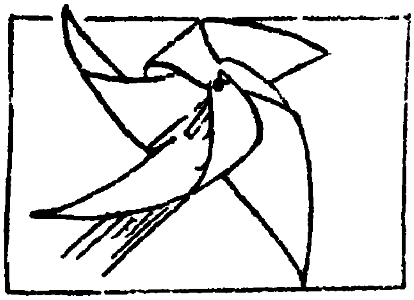


تے گئے اور ان میں پن داخل کرتے گئے۔
پھر یہی پن کاغذ کے بیچ والے نشان میں داخل



کردی۔ لیجئے پھرکی تیار ہے۔ اچھا وہ قلم رکھا
ہوا ہے۔ ذرا اٹھا دو۔ یہ لیجئے اب یہ باقاعدہ
پھرکی تیار ہوگئی۔ جائیے بازار میں جاکے بیچ آئیے

رمیش :- بھئی اس وقت تو تم نے کمال ہی کر دیا
ہنسراج :- جی ہاں۔ ایسے کمال تو میں اکثر دکھاتا رہتا
ہوں۔ آپ جیسے ناقدروں سے واسطہ پڑا ہی
نہیں تو میں ....



رمیش : اب تک لاٹ صاحب ہو چکا ہوتا۔
ہنسراج :- خیر ان فضول باتوں سے کیا فائدہ۔
اچھا آؤ یہ پھرکی اس کھڑکی میں رکھیں۔ ارے
یہ کس زور سے گھوم رہی ہے
رمیش :- ہوا بھی تو تیز چل رہی ہے
ہنسراج :- تو سرکار میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا
یہ فقط کھیل ہی نہیں ہے۔ کام کی چیز بھی ہے۔
اسے وہاں پھر ہوا میں رکھو۔ تمھیں معلوم ہوتا رہے
گا کہ کس وقت کیسی ہوا چل رہی ہے۔ اگر ہوا
تیز ہوگی تو پھرکی بھی خوب گھومے گی۔ کم تیز ہوگی
تو آہستہ۔ اور جیسے صبح کو ہوا چلتی ہے نا بہت دھیرے
دھیرے اس وقت پھرکی نہیں گھومے گی۔
رمیش :- ایک صبح ہی پہ کیا ہے۔ دن میں بھی کبھی کبھی
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہوا رک گئی۔ مگر سچ مچ یہ ہی

عجیب چیز ہم تو اسے کھیل ہی سمجھتے تھے۔

ہنسراج: جی ہاں۔ آپ جیسے بچوں کے لئے کھیل ہے۔ مگر ہمارے لئے بہت کام کی چیز ہے۔ اس سے تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کل ہوا کتنی تیز تھی اور آج کتنی ہلکی یا تیز ہے۔

رمیش: ارے یہ تو پانچ بج گئے۔ چلنا ہو تو چلو میں تو جاتا ہوں۔ میرا اتنا وقت خراب کیا۔ اب کبھی تمہیں ساتھ نہ لے جاؤں گا۔

ہنسراج: پھر وہی حماقت کی باتیں! وقت خراب ہوا یا کام کی بات معلوم ہو گئی۔ اچھا اچھا خفا مت ہو چل رہے ہیں۔ ذرا کوٹ پہن لیں۔ لو چلو۔ باغ کی طرف سے چلیں گے۔

رمیش: خیر آپ چلئے کسی طرف سے چلئے۔ بھئی ہوا تو اب تک گرم ہے۔

ہنسراج: اسی لئے تو دیر کر رہے تھے۔ تین ساڑھے تین بجے چلتے تو بھن کے رہ جاتے

رمیش: پھر وہی نزاکت کی باتیں ارے یہ کیا بات ہے، باغ کے پاس آکر تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہوا چل ہی نہیں رہی ہے۔

ہنسراج: ذرا اپنے بائیں طرف دیکھئے۔ باغ کی دیوار ہے یا نہیں۔ بس اسی نے ہوا کو روک لیا ہے۔ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی!

رمیش: خیر آپ ہی بقراط سہی۔ مگر بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ہنسراج: سنئے ہم دکھن کی طرف جا رہے ہیں دیوار ہمارے داہنے ہاتھ ہے۔ پچھوا ہوا چل رہی ہے۔ اسے دیوار نے روک لیا ہے

رمیش: یہ پروا، پچھوا کیا بلا ہے۔ دوپہر کو بھیا بھی کہہ رہے تھے۔ آج بہت زور کا پچھیاؤ چل رہا ہے۔ میری تو خاک سمجھ میں نہیں آیا۔

ہنسراج: ایک تو آپ کی سمجھ موٹی ہے دوسرے آپ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ماسٹر صاحب بھی کئی بار بتا چکے ہیں۔ دیکھئے ہوائیں چار طرف سے چلتی ہیں۔ پورب سے، پچھم سے، اتر سے، دکھن سے۔

رمیش: جی ہاں چلتی ہیں مگر یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس طرف کی ہے۔

ہنسراج: ہم جیسے دیہات کے لوگوں کو تو اٹکل ہو جاتی ہے۔ ویسے ایک اور طریقہ بھی ہے

رمیش: وہ آپ نے ایجاد کیا ہوگا!

ہنسراج: دیکھئے وہ سامنے باغ کے کونے پر لمبی سی سلاخ گڑی ہے

رمیش: ہاں گڑی ہے

ہنسراج: اس کے اوپر دو چھوٹی سلاخیں اور ہیں

رمیش: ہاں ہیں

ہنسراج: ذرا قریب آکر دیکھو ان کے کونوں پر

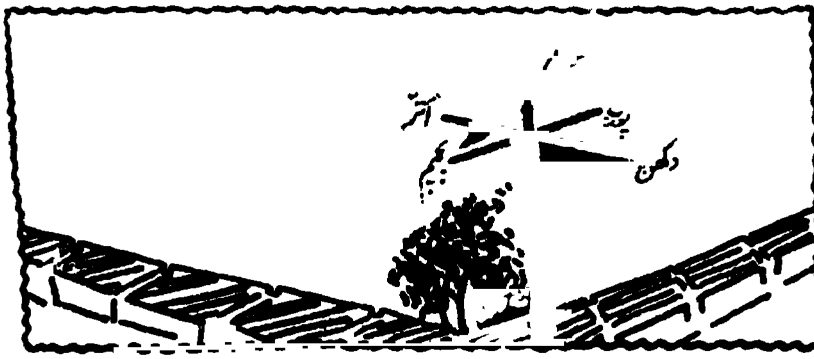
کیا لکھا ہے؟

رمیش: اتر، دکھن، پورب، پچھم۔

ہنسراج: اور اس کے اوپر لوہے کی ایک تیر کی سی چیز بھی بنی ہے۔ جو گھومتی رہتی ہے۔

رمیش: بتی ہے۔

ہنسراج: تم اسے کیا سمجھتے تھے؟



رمیش: کھیل۔

ہنسراج: ننھے میاں! یہ کھیل نہیں ہے۔ اسے بادنما کہتے ہیں۔

رمیش: ہیں، ہیں یہ کیا بول گئے۔

ہنسراج: جناب یہ فارسی کا لفظ ہے۔ باد، ہوا کو کہتے ہیں۔ نما معنے بتانے والا یعنی ہوا کا رُخ بتانے والا۔ اب سمجھے آپ۔ دیکھئے اس وقت تیر کا رُخ پچھم کی طرف ہے۔ اس لئے پچھوا چل رہی ہے۔ پورب کی طرف ہوتا تو پروا یا پروائی چلتی۔

رمیش: بھائی یہ سب باتیں ماسٹر صاحب نے تو بتائی نہیں تمھیں کیسے معلوم ہوگئیں۔

ہنسراج: ساری باتیں ماسٹر صاحب ہی نہیں بتایا کرتے۔ کل ہی میں نے ایک کتاب میں یہ سب حال دیکھا ہے۔ پہلے میں بھی اسے کھیل سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ یہ کھیل نہیں ہے ہوا کا رُخ بتانے والا آلہ ہے۔

رمیش: بھئی آج تو تم نے بہت اچھی اچھی باتیں بتائیں۔ چلو تمھیں سنترے کا شربت پلائیں۔

پہیلیوں کے جواب:

۲۶۹: (۱) موم بتی (۲) بھونرا (۳) چولا، توا، روٹی (۴) روپیہ (۵) سوئی، ڈورا۔

۲۷۳: (۱) مچھلی کا جال (۲) تارے (۳) چیل (۴) چراغ (۵) الائچی (۶) مچھلی، سانپ (۷) دانتوں میں سے دن نکالے جاسکتے ہیں

حضرت محمدؐ

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر
استاد مرڈرن ہائی اسکول نئی دہلی۔

تم نے ہجری سنہ کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ اس سال حضرت محمدؐ اپنے دیس مکے کو چھوڑ کر مدینے گئے۔ اسی سال سے مسلمانوں کا ہجری سنہ شروع ہوتا ہے۔ اس واقعے کو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس کے قریب ہوگئے۔ آج ہم تم کو حضرت محمدؐ کا کچھ حال سنائیں گے۔

آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے حضرت محمدؐ عرب کے ایک مشہور اور پاک شہر مکے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش ایک اونچے خاندان میں ہوئی۔ یہ خاندان قریش کا خاندان کہلاتا ہے۔ آپؐ کے باپ کا نام عبداللہ اور آپؐ کی ماں کا نام بی بی آمنہ تھا۔ ابھی آپؐ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپؐ کے باپ عبداللہ اس دنیا سے چل بسے۔ چھ برس کے ہوئے تو ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ آپؐ کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب اور پھر آپ کے چچا ابوطالب نے کی۔

آپ بچپن ہی سے بہت نیک، سچے، صاف دل اور فیاض تھے۔ آپ کی نیکی اور سچائی کا یہ اثر تھا کہ مکے والے آپ کو "امین" یعنی سچا کہہ کر پکارتے تھے۔ جوان ہوئے تو آپ کی سچائی اور نیکی کا چرچا دور دور پھیل گیا۔ عرب کی ایک شریف اور دولت مند خاتون بی بی خدیجہ نے آپ کے ساتھ شادی کرلی۔ آپ نے اپنی بیوی کی ساری دولت خیرات کردی اور اپنے لئے کچھ باقی نہ رکھا

آپ بچپن ہی سے سوچ بچار کیا کرتے تھے۔ اور عرب کے ملک میں جو برائیاں اس زمانے میں پھیلی ہوئی تھیں ان کو دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے۔ یہ برائیاں کیا تھیں؟ لوگ بات بات پر لڑنے لگ جاتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو بدنامی کے ڈر سے پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ جوا کھیلتے تھے۔ اسی طرح دوسری بری رسموں میں گرفتار تھے۔ آپؐ سوچتے رہتے تھے کہ ان کی حالت کس طرح درست کی جائے۔ آپؐ ایک پہاڑ کے غار میں کئی کئی دن سوچ بچار اور خدا کی عبادت میں گذارا کرتے تھے

خدا نے وہ سب باتیں آپؐ کے دل میں ڈال دیں جن سے دنیا کی بھلائی ہوسکتی ہے۔ آپؐ چالیس برس کے ہوئے تو آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کو خدا

پر چلنے اور بری باتوں سے بچنے کی نصیحت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک خدا کو ماننا چاہیئے اور سب انسانوں کو برابر سمجھنا چاہیئے۔

آپ کی یہ باتیں کچھ لوگوں نے تو خوشی سے مان لیں۔ مگر وہ لوگ جو پرانی رسمیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے آپ کے دشمن ہوگئے۔ اور آپ کو طرح طرح کے دکھ دینا شروع کئے۔ یہاں تک کہ ایک دن مکے کے سب سرداروں نے مل کر آپ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا۔

اس پر خدا کے حکم سے آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ یہ ۶۲۲ء کی بات ہے۔ اسی سال سے سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔

مدینے میں آکر آپ کو کچھ اطمینان ہوا۔ لوگ اسلام کی تعلیم کو پسند کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ آپ کے وفات پانے سے پہلے عرب کے قریب قریب سب رہنے والے مسلمان ہوگئے۔ مکے والوں نے بھی آپ کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ اب آپ طاقت ور تھے اور مکے والے کمزور۔ آپ اُن سے آسانی کے ساتھ بدلہ لے سکتے تھے۔ مگر آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

حضرت محمدؐ کی زندگی اور اُن کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ چند ہی سال میں عرب کی کایا پلٹ گئی۔ جو لوگ آپس میں لڑتے تھے وہ بھائی بھائی ہوگئے۔ لوگ اپنی لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح چاہنے لگے۔ جوا بند ہوگیا شراب پینے کا رواج جاتا رہا آقا غلاموں پر مہربان ہوگئے۔ سب اچھے کام کرنے لگے۔ ہر طرف امن ہی امن نظر آنے لگا۔ اب بھی کروڑوں آدمی اسی مذہب کو مانتے اور آپ کی پاک تعلیم پر چلنے والے دنیا کے ہر حصے میں پائے جاتے ہیں۔

سائنس کی الماری

نور حسین حسان

(۳)

ارشد میاں الماری کی طرف دیکھ کر بولے۔ دیکھو کتنی جلدی سب چیزیں الگ الگ ہوگئیں۔

آپا جان:۔ ہاں اور کیا۔ پر بیٹے ہمارا کام تو ابھی شروع ہی ہوا ہے۔ ابھی تو ہم نے چیزوں کو دو ہی گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کی سب چیزیں دو ہی گروہوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ کافی نہیں ہے۔ ایک سائنس جاننے والا اس سے زیادہ جاننے کی خواہش کرے گا۔ وہ اس کی چھان بین بھی کرے گا کہ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کی کتنی قسمیں ہیں۔ مثلاً ہم جان دار چیزوں کے دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ دیکھو الماری کی طرف دیکھو کیا اچھا ہو جو یہ دونوں قسمیں خود ہی تمہاری سمجھ میں آ جائیں۔

رشیدہ:۔ سمجھ گئی آپا جان سمجھ گئی۔ دیکھئے میرا خرگوش اور ذکار، اللہ کا گلاب کا پودا دو الگ الگ چیزیں ہیں تو میری سمجھ میں تو یہ آیا کہ ایک گروہ تو جانور ہیں اور دوسرا پودے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔

آپا جان:۔ ہاں بالکل ٹھیک۔

یہ سن کر بچے بغیر کسی دقت کے دونوں چیزیں جانور اور پودے الگ الگ رکھنے لگے مگر ارشد میاں اس وقت کچھ چپ چپ سے تھے۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ جان دار چیزیں ہل ڈل سکتی ہیں اور سانس لے سکتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ پودوں کا شمار جان دار چیزوں میں ہے۔ مگر پودے تو انھیں ہلتے چلتے اور سانس لیتے نظر نہ آتے تھے۔ شاید ارشد میاں کی طرح تمہارے دل میں بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہو۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ پودوں کا نہ تو منہ ہے نہ پیر نہ پر کہ وہ سانس لے سکیں یا اِدھر اُدھر حرکت کر سکیں۔ پھر بھی اگر سینما کے پردے پر تمہیں پودوں کے بڑھنے کی تصویریں دکھائی جائیں تو تم یہ دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ کہ کس طرح شاخیں ادھر ادھر بڑھ رہی ہیں۔ کلیاں پھول رہی ہیں اور پھول اپنا منہ کھول رہے ہیں۔ تم نے ڈاکٹر بوس کا نام سنا ہے؟ یہ ہمارے

دیس کے بہت بڑے سائنس جاننے والے تھے۔ انھوں نے تو یہ بھی ثابت کیا ہے کہ پودوں کو ہماری تمھاری طرح تکلیف اور خوشی بھی ہوتی ہے۔ اب تو تم سمجھ گئے ہو گے کہ پودے بھی ہلتے جلتے ہیں۔ دیکھو ایک چھوٹا سا درخت بڑھتے بڑھتے کتنا اونچا ہو جاتا ہے۔ تمھارے اس مدرسے سے بھی اونچا۔ اور دیکھو یہ بیل جو ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر کے سامنے لاکے لگائی گئی تھی، پہلے کتنی سی تھی اور بڑھتے بڑھتے پورے دفتر پر چھا گئی ہے۔ غرض پودے بھی جانوروں کی طرح جان دار چیز ہیں۔ وہ قریب قریب وہ سب چیزیں کرتے ہیں، جو جانور کرتے ہیں۔ بڑھتے ہیں سانس لیتے ہیں۔ کھاتے ہیں اور اُن سے دوسرے پودے پیدا ہوتے ہیں۔

ہاں تو جس وقت بچے چیزیں اِدھر اُدھر رکھ رہے تھے کہ بی رشیدہ بھی ناک پر انگلی رکھ کر کھڑی ہو گئیں اور بولیں :- "جان دار تو ہم بھی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ پودوں میں ہم شامل نہیں ہو سکتے تو کیا آپا جان ہم جانور ہیں"

آپا جان :- ہاں بیٹی تم بھی جانور ہو اور میں بھی۔ ہم تم سب جان دار ہیں تا تو یا تو جانور ہوں گے یا پودے

یہ سُن کر بچے کھِل کھلا کر ہنس پڑے اور بولے "بھئی واہ یہ تو ہمیں اب تک معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم بھی جانور ہیں"

بچے جانور اور پودے الگ الگ کر چکے تو انھوں نے دو گتے اور کاٹے۔ ایک پر لکھا جانور اور دوسرے پر پودے۔ اور دونوں الگ الگ لگا دئے۔

(باقی پھر)

پہیلیاں

(۱) رشتہ مری حیات کا بالشت بھر کا ہے
اور تن پہ میرے گوشت کسی جانور کا ہے
سوز و گداز سے ہوں سراسر بھری ہوئی
بجھتی ہے اُسکے پاؤں میں سر کی لگی ہوئی

(س، غ)

(۲) بن باجا وہ ناچے گائے بن مارے دو روئے
تین طلاقیں اس کی جو بن بوجھے سوئے۔

آصفہ خاتون ۔ کان پور

(۳) مٹی کا گھوڑا لوہے کا زین
جس پر بیٹھے پہیلی حکیم

(۴) سن کا ہے بے سن کا نہیں
کھانے کا ہے پر کھاتے نہیں

(۵) ذرا سے بالے میاں ایک ہاتھ کی دم
جہاں جائیں بالے میاں وہیں جائیں ہم۔ محمد ابراہیم

(جواب صفحہ ۲۶۵ پر)

روم کے افسانے

مارکس کوریٹولانس

از سالک لکھنوی

سب سے پہلے تمھیں یہ بتائیں کہ مارکس کوریٹولانس کیوں کہتے ہیں!

روم اور والسیکا کی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ رومی فوجیں والسیکا کے دارالسلطنت کوریٹولوئی کے چاروں طرف پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں اور والسیکانی اس ڈر سے کہ کہیں شہر دشمنوں کے ہاتھ نہ آجائے بڑی ہوشیاری سے اس کی حفاظت کر رہے تھے

ادھر رومیوں کو ضد تھی کہ شہر میں داخل ہوکر دم لیں گے۔ ایک دن رومی فوج کے سپہ سالار کومنیس کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے فوج کے دو حصے کئے۔ آدھی فوج کے ساتھ تو وہ خود لڑنے کے لئے بڑھا۔ اور آدھی فوج مارکس کی سرداری میں دے کر کہا کہ شہر کے گرد پڑاؤ ڈالے رہے۔

لیکن والسیکانیوں کو اس چال کی خبر ہوگئی اور جیسے ہی کومنیس اپنی فوج کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہوا والسیکانی شہر سے نکل پڑے۔ اور اس زور سے مارکس کی فوج پر حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بے تحاشا بھاگے۔

"شرم کرو، شرم کرو" مارکس کی گرجتی ہوئی آواز بلند ہوئی —— "بھاگتے ہوئے مرنا تھا تو زندہ کیوں ہو؟" مارکس نے یہ کہا اور دشمنوں کے نرغے میں گھس پڑا۔ اس کا چہرا دلی جوش سے تمتا رہا تھا۔ اور اس کی آواز اتنی کرخت تھی کہ والسیکانی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ اور شہر کے پھاٹک پر جاکر دم لیا، اور لگے وہیں سے تیر برسانے۔ لیکن مارکس نے کوئی پروا نہ کی اور چلایا

"بہادروں کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے!" یہ کہہ کر اپنے دشمنوں کے ہمراہ شہر کے پھاٹک میں داخل ہوگیا' صرف چند سپاہی جاں نثاری کے جوش میں اس کے ساتھ تھے۔ اندر پہنچ کر مارکس اس جی داری سے لڑا کہ والسیکانی اس کے آگے سے بھاگے اور کسی کی ہمت نہ پڑی جو اس کے مقابلے پر تلوار تولتا۔ اس وقت اس کی نگاہوں سے آگ برس رہی تھی، چہرا سرخ تھا اور تلوار بے پناہ

ذرا دیر میں پورا شہر صرف ایک آدمی کی تلوار سے فتح ہوگیا۔

مارکس نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ادھر سے چھٹکارا پاکر اپنے دوست کومنیس کی مدد کو دوڑا جو دوسری طرف لڑ رہا تھا اور قریب تھا کہ شکست کھا جائے۔ اگرچہ زخمی ہوگیا تھا۔ پھر بھی وہاں پہنچ کر مارکس نے اس تیزی سے تلوار چلائی کہ دشمنوں کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ جو سامنے آتا سر سلامت نہ لے جاتا، ذرا دیر میں میدان صاف ہوگیا، والسیکانیوں کو شکست ہوئی اور رومی ہزاروں غلام اور کئی من سونا لے کر واپس ہوئے۔

دوسرے دن رومی حکومت نے پوری فوج کے سامنے مارکس کو مالِ غنیمت کا دسواں حصہ دینا چاہا کہ یہ اس کی بہادری کا انعام تھا۔ لیکن مارکس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولا:۔

"میں اتنا ہی لوں گا جتنا اوروں کو ملے گا۔ مجھے زیادہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ ہاں میری ایک التجا ہے قیدیوں میں میرا ایک دوست بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آزاد کر دیا جائے کیوں کہ اُسے غلام دیکھ کر مجھے تکلیف ہوگی"

قوم نے مارکس کی اس شرافت کو اس کی بہادری سے زیادہ پسند کیا اور مجمع میں ایک شور بلند ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انھیں مارکس سے کتنی محبت ہے۔ جب شور کچھ کم ہوا تو حکومت کی طرف سے کونسل نے کہا:۔ "تمہارا دوست آزاد ہے" پھر رومیوں کی طرف مخاطب ہو کر اس نے کہا:۔ "قوم کے بہادر سپاہیو! اگر مارکس انعام قبول نہیں کرتا تو ہم اُسے مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم اُسے ایک ایسی چیز دیں گے جسے لینے سے وہ انکار نہیں کر سکتا، ہم آج سے اُسے کورئیولانس پکاریں گے تاکہ ہر شخص جان جائے کہ مارکس وہی ہے جس نے کورئیولوئی کو فتح کیا"

اور اس طرح مارکس کا نام کورئیولانس پڑ گیا یعنی کورئیولوئی کو فتح کرنے والا۔

اور اب سنو جب امن چین ہوگیا تو کیوں کر کورئیولانس کو جلاوطن کیا گیا اور کیوں کر اس نے انتقام لیا۔

جب روم میں پہلی بار جمہوری حکومت ہوئی تو غریب رعایا نے بڑی خوشیاں منائیں ——— "آخرکار اب ہمارے ساتھ نرمی اور انصاف کا سلوک ہوگا!" رعایا نے سوچا۔ لیکن رعایا کا یہ خیال غلط نکلا۔ کیوں کہ حکومت کے ممبر (SENATORS) اب بھی بڑے ظالم تھے اور رعایا پر بہت سختی کرتے تھے۔ گویا پہلے ایک بادشاہ کا ظلم تھا اور اب جمہوری حکومت میں ہر ممبر خود کو بادشاہ سمجھ رہا تھا اور ظلم کر رہا تھا۔

آخرکار جب تکلیفیں برداشت سے باہر ہوگئیں تو لوگ ایک بڑے گروہ کی صورت میں شہر سے باہر نکل گئے اور ایک پہاڑی پر جا بسے۔ جہاں وہ اپنی چھوٹی سی آبادی بنانا چاہتے تھے۔ حکومت نے یہ دیکھ کر ایک

بڈھے اور سمجھ دار آدمی کو اُن کے پاس بھیجا کہ انھیں سمجھا بجھا کر شہر میں واپس لے آئے۔ لیکن اس بڈھے کی التجا اور تمام باتوں کا جواب انھوں نے یوں دیا۔

"ہم شہر اس وقت واپس جائیں گے، جب ہمارے دو آدمی حکومت میں شامل کیے جائیں گے جو ہمارے لئے قانون بنائیں اور ہماری طرف سے بولیں اور ہماری حفاظت کریں"

حکومت کے ممبروں نے بادل ناخواستہ یہ تجویز منظور کرلی۔ اور غریب رعایا اپنی فتح کی خوشیاں مناتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی۔ اس کے بعد انھیں حق تھا کہ وہ اپنے "ٹربیون" حکومت کے لئے پسند کریں جو رعایا کے معاملوں کے ذمے دار ہوں۔ شروع شروع میں رعایا کے صرف دو "ٹربیون" بنائے گئے اس کے بعد پانچ ہوئے۔ پھر اور زیادہ۔

لیکن پھر بھی کوئی اچھا کام نہ ہوا۔ نہ غلہ جمع کیا گیا، نہ دیہاتوں کا بندوبست ہوا۔ نہ کھیتی کی طرف دھیان دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کو روٹیوں کے لالے پڑ گئے۔ اور لوگ فاقوں مرنے لگے۔

لڑائی پھر چھڑ گئی۔ مگر رعایا نے ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا۔ کورٹیولانس بہادری کے جوش میں اپنے اُن آدمیوں کے ہمراہ جنھوں نے ساتھ دینا منظور کیا تھا۔ دشمنوں کے ملک میں گھس گیا۔ لڑا شاندار فتح حاصل کی اور بہت سا سونا اور غلہ لے کر واپس ہوا۔

رعایا نے جو دیکھا کہ سپاہی تو مزے اڑائیں اور وہ فاقہ کریں، اس سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ شہر میں واپس نہ آتے، لہٰذا انھوں نے ایک زبان ہوکر یہ رائے قائم کی کہ کورٹیولانس کی کوئی طرف داری نہ کرے۔ اور بات دراصل تھی بھی یہی کہ کورٹیولانس کبھی رعایا کے دل میں جگہ پیدا نا کرسکا تھا۔ جتنے رومی نواب تھے۔ ان میں کورٹیولانس سب سے زیادہ مغرور، سب سے زیادہ غصہ ور اور سخت دل تھا۔ اسے رعایا سے نفرت تھی اور رعایا کو اس سے! لیکن رعایا اس سے ڈرتی بھی تھی کیونکہ کورٹیولانس ہمیشہ سے اسی دھن میں تھا کہ جو تھوڑا بہت حق رعایا کو ملا ہے وہ واپس چھین لے اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ کونسل بننے کے لئے کھڑا ہوا تو رعایا نے اسے ایک ووٹ بھی نہیں دیا اور دوسرے آدمی کو کونسل بنادیا۔

اس سے حکومت کو بڑا غصہ آیا کیونکہ حکومت سب سے زیادہ کورٹیولانس کو چاہتی تھی۔ ادھر کورٹیولانس پہلے سے بھی زیادہ رعایا کے خلاف ہوگیا۔

ان ہی دنوں بہت سا غلہ شہر میں آیا، جس میں سے کچھ تو حکومت نے خود خریدا تھا اور کچھ سسلی کے بادشاہ نے بطور تحفہ روم کو بھیجا تھا۔

فاقوں کی ماری رعایا نے جو یہ خوش خبری سنی فورم کے نیچے جمع ہوگئی کہ دیکھیں حکومت کے ممبر کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور ان کے ٹربیون کیا کہتے ہیں

انھیں امید تھی کہ اب غلّے کا بھاؤ کم ہو جائے گا۔ کیوں کہ سیراکاس کے بادشاہ نے تو مفت ہی سب دیا تھا اور اسی خیال میں مگن وہ صبر و خاموشی سے فورم کے باہر کھڑے اپنے طربینوں کا انتظار کر رہے تھے۔

لیکن فورم کے اندر کورٹیولانس تقریر کر رہا تھا۔ اور حکومت کے ممبر اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے مگر رعایا کے طربینوں کو غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ کورٹیولانس رعایا کے خلاف بول رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ غلّے کا بھاؤ ہرگز کم نہ ہونا چاہئے اور نہ رعایا کو اس میں سے ایک دانہ ملنا چاہیے۔

"رعایا بہت سر اٹھا رہی ہے"! کورٹیولانس نے تقریر کرتے ہوئے کہا "ان کی سرکوبی کرنا بہت ضروری ہے ورنہ پھر ہمیں غلامی کرنا پڑے گی"

اور طربینوں نے جب یہ دیکھا کہ حکومت کے ممبر کورٹیولانس کی بات ماننے پر راضی ہیں تو وہ گھبرا کر باہر دوڑے اور رعایا سے سب حال کہہ سنایا۔

غصہ اور بھوک سے پاگل رعایا سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ طربینوں کو حکم ملا کہ کورٹیولانس کو سامنے لائے۔ لیکن کورٹیولانس نے رعایا کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور جب طربینوں نے اس کو زبردستی باہر لانے کی کوشش کی تو "سینٹ" نے انھیں دھکے دے کر نکال دیا — رومی تاریخ میں یہ طربینوں کی پہلی توہین تھی!

دوسرے دن غصے سے بھری ہوئی رعایا نے فورم کو گھیر لیا اور وہ ہنگامہ برپا کیا کہ اللہ تیری پناہ! جوانوں کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پوری عمارت کو چکنا چور کر دیں گے۔ عورتیں جوش دلا رہی تھیں۔ بچے غل مچا رہے تھے۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب خون برسنا ہی چاہتا ہے۔ (باقی پھر)

پہیلیاں

(۱) اڑا تو جھم جھم پڑا تو پنکھ پسار
کھاتا تو کچھ نہیں مارا تو کئی ہزار

(۲) موتیوں کی چادر رات کو بچھاتے صبح کو اٹھاتے۔

(۳) کالی گائی کروندے کھائی
پانی کو دیکھ کر منہ چھپائی

(۴) ایک دھان گھر بھر بھوسہ

(۵) آم کھائے امرائی میں
چھلکا پھینکے بازار میں
بو گئی دربار میں۔

صابر حسین خاں عرب

(۶) کس کی آنکھیں کبھی بند نہیں ہوتیں

(۷) کیا ۱۲ میں سے ۲۰ نکالے جا سکتے ہیں؟

چاند شرما

(جواب صفحہ [illegible]



جاما گاٹا جاپان کا رہنے والا تھا۔ جب اس کی عمر دس برس کی تھی تو وہ ایک اسکول میں پڑھتا تھا جاپان میں لوگ کاغذ کا چھاتا لگاتے ہیں۔ جاما گاٹا بھی ایک دن ہاتھ میں کاغذ کا چھاتا اور ایک ہاتھ میں کچھ کتابیں لئے ہوئے کہیں جارہا تھا۔

سڑک پر شور و غل تو تھا ہی لیکن ایکا ایکی اور زیادہ ہوگیا۔ ایک سوار ایک تیز رفتار گھوڑے پر بے تحاشا دوڑا چلا آرہا تھا۔ لگام ٹوٹ گئی تھی اور وہ نیچے بائیں لٹک رہی تھی اور سوار کی بار بار کوشش کرنے پر ہاتھ نہ آتی تھی۔ اس لئے وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو خبردار کر رہا تھا کہ لوگ راستے سے ہٹ جائیں

اب وہ سوار قریب آپہنچا۔ سڑک پر صرف ایک دس برس کا بچہ تھا۔ جاما گاٹا جو چیخ کر کہنے لگا۔ "پیچھے ہٹو۔ بھاگو"

لیکن جاما گاٹا وہاں سے نہ ہٹا۔ اور اپنی کتابیں سڑک کے کنارے رکھ کر اور چھاتا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوگیا۔

سوار کو تعجب ہوا کہ یہ کون دیوانہ لڑکا ہے جو اپنی جان دینے پر آمادہ ہے۔ وہ سوار ایک فوجی افسر تھا۔ اُسے گھوڑے کی سواری میں کمال حاصل تھا۔ اس نے سینکڑوں گھوڑے سدھے کئے تھے۔ لیکن اس وقت اسی کے گھوڑے سے ایک لڑکے کی جان جارہی تھی سوار نے ایک بار اور پکار کر کہا "جلد بھاگو ورنہ مرجاؤگے" لیکن جاما گاٹا پھر بھی نہ ٹلا۔ اور مسکرانے لگا۔ اب سوار بالکل قریب آپہنچا۔ جاما گاٹا اگر چاہتا تو اب بھی راستے سے ہٹ جاتا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ وہ چھاتا سنبھال کر اس طرح کھڑا ہوگیا جیسے میدان جنگ میں کوئی سپاہی بندوق سنبھال کر کھڑا ہوتا ہے۔ گھوڑا اب جاما گاٹا سے ایک گز کے فاصلے پر تھا۔ کہ جاما گاٹا نے اپنے کاغذ کے چھاتے کو یک بیک کھول دیا وہ گھوڑا جو بجلی کی طرح دوڑا چلا آرہا تھا فوراً کھڑا ہوگیا۔ فوجی ایک جست لگا کر زمین پر اُتر پڑا اور لگام تھام لی۔

وہ فوجی جاما گاٹا سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن

جاماگاٹا نے کہا کہ ابھی آپ کچھ دیر سستا لیجئے، اور گھوڑے کو بھی سستانے دیجئے پھر جو کچھ کہنا ہوگا، کہئے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب گھوڑا اور فوجی افسر سستا چکا تو اس نے جاماگاٹا کو سینے سے لگا کر کہا۔ "تم جوان ہو کر بڑے آدمی بنو گے۔ تم پر جاپان ناز کرے گا۔" اس فوجی افسر کا کہنا صحیح ثابت ہوا۔ وہی لڑکا جنگ روس اور جاپان میں جو ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ پوری جاپانی فوج کا سپہ سالار تھا۔

اس کی جواں مردی اور عقل مندی سے روس کی عظیم الشان سلطنت کو شکست فاش ہوئی۔

جنگ روس و جاپان کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جاماگاٹا اپنے تین چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ روسیوں کی دس ہزار کی فوج کے درمیان گھر گیا۔ لیکن اس نے اس خوبی سے اپنے سپاہیوں کو نکال کر روسیوں کو ایک دلدل کے بیچوں بیچ گھیر لیا کہ ان میں کا ایک سپاہی بھی وہاں سے نکل کر نہ بھاگ سکا۔ اور سب کو جاپانیوں نے ہنس ہنس کر بندوق کا نشانہ بنا دیا۔

آسام کے ناگا لوگ

آغا محمد اشرف صاحب

(۳)

ناگا لوگ شکار کے بھی بہت شوقین ہیں اور خاص طور پر ہاتھی کا گوشت بہت مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ ہاتھی پکڑنے کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ پہلے ایک بہت بڑا گڑھا کھود لیتے ہیں اور اس پر گھاس پھونس اور تنکے وغیرہ ڈال دیتے ہیں۔ پھر ہاتھی کو گھیر کر چاروں طرف سے شور مچاتے ہوئے اُسے اس گڑھے کے پاس لے آتے ہیں۔ بے چارا ہاتھی اُن کے شور سے اس قدر پریشان ہو جاتا ہے کہ گھبرا کر اسی گڑھے کی طرف بڑھتا ہے۔ کیونکہ اور طرف سے راستہ رک جاتا ہے۔ ہاتھی بہت عقل مند جانور ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے اس گڑھے کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا، بے بس ہو کر اس گڑھے میں جا گرتا ہے۔ پھر یہ ہاتھی پر اپنی کلہاڑیوں سے حملہ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے سونڈ اُٹھا کر اُن پر حملہ کرتا ہے۔ یہ لوگ کلہاڑیوں اور بھالوں سے پہلے ہاتھی کی سونڈ کاٹ دیتے ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ خون رِس رِس کر ہاتھی مر جاتا ہے۔ پھر یہ اُس کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ کبھی کبھی نر ہاتھی بھی اُن کے قبضے میں آ جاتا ہے جس کا ہاتھی دانت بیس بیس سیر کا نکل آتا ہے۔ ہمارے علاقے کے مارواڑی بنئے کانچ اور شیشے کے تاروں کے بدلے میں وہی ہاتھی دانت خرید لیتے ہیں اور یہاں آکر سینکڑوں روپئے کماتے ہیں۔ ناگا کے کتے بھی شکار میں بہت چالاک ہیں اور اکثر ہرن بہت آسانی سے پکڑ لیتے ہیں اور جب ایک دفعہ ہرن اُن کے قبضے میں آگیا تو پھر اُس کا اُن کے ہاتھ سے بچ کر نکلنا محال ہے۔ ہرن پکڑ کر یہ زور زور سے بھونکتے ہیں جسے سن کر ناگا موقع پر پہنچ جاتے ہیں۔

ناگا لوگوں کے شادی بیاہ کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کے باپ کو دولہا کی طرف سے بہت کا رقم دی جاتی ہے۔ اور اگر لڑکا رقم دینے کے قابل

نہ ہو تو لڑکی کے باپ کے ہاں ایک خاص مدت تک نوکری کرنی پڑتی ہے۔ اس مدت کے بعد لڑکی کا باپ اِن دونوں کے لئے ایک گھر بنا دیتا ہے اور لڑکی کے جہیز میں کچھ تھوڑے سے سؤر، مرغیاں اور چاول دیتا ہے۔ جو شادی کے بعد برادری کی دعوت میں کام آتے ہیں۔ اُن کے ہاں جب تک لڑکا اور لڑکی جوان نہ ہو جائیں منگنی تک نہیں ہو سکتی۔ دستور یہ ہے کہ شادی سے پہلے لڑکا، لڑکی کو پسند کر لیتا ہے اور شادی دونوں کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اُن کے ہاں سب سے بڑی چیز دعوت ہے۔ جو لڑکا دعوت نہیں دے سکتا، اس کی شادی نہیں ہوتی۔ شادی پر ایک پرانے درخت کی کھوکھلی جڑ کو ڈھول کی طرح زور سے بجاتے ہیں اور خوب چیختے ہیں۔ یہ لوگ گاتے نہیں۔ بس ان کی چیخ پکار ہی اُن کا گانا ہے۔ بچہ پیدا ہونے پر بھی اُن کے ہاں خوب شور مچتا ہے۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو شور مچانے والے مرد ہوتے ہیں۔ اور لڑکی کے پیدا ہونے پر عورتیں خوب خوشیاں مناتی ہیں۔

مردے کو بانسوں کے اونچے مچان پر مرنے والے کے گھر کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور تین چار دن تک اس پر مکھیاں وغیرہ نہیں بیٹھنے دیتے پھر اسے پتوں اور درختوں کی شاخوں کے اندر خوب اچھی طرح چھپا کر سارا گاؤں اپنے اپنے گھر چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاتا ہے ادھر مردے کا جسم گل سڑ جاتا ہے۔ جب اس میں سے بدبو آنی بند ہو جاتی ہے تو اس کی کھوپڑی وہیں کہیں پاس ہی گاڑ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ مردے کا بھالا اور ڈھال بھی دبا دیتے ہیں۔ اُن کے دبانے کی ترکیب یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں کو مردے کی رشتہ دار عورتوں کے بالوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں یہ بھی دستور ہے کہ مرنے کے تین چار دن بعد لوگ آآکر مردے کے سر کو زور سے مروڑتے ہیں تاکہ کھوپڑی بدن سے جلدی سے الگ ہو جائے۔ اور کہیں مردے کے نیچے دھیمی دھیمی آنچ کر دیتے ہیں تاکہ اس کی گرمی سے جسم کا گوشت جلدی سے گل سڑ کر الگ ہو جائے اس رسم کے بعد سارا گاؤں مل کر خوب شور مچاتا ہے۔ اور مرنے والے کے رشتہ دار دعوت دیتے ہیں جو عام طور پر آدھی رات کو ہوتی ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ مرنے کی روح اب ہمیشہ کے لئے گاؤں سے نکل گئی۔ یہ تمام رسمیں مردوں کے مرنے پر ادا کی جاتی ہیں۔ عورتوں کے مرنے کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

ٹکٹوں کا کلب

ایس، عبدالستار

آج کل تقریباً تمام ملکوں میں ٹکٹوں کے بہت سے کلب ہیں۔ جو اپنا ماہواری، دو ماہی یا سہ ماہی رسالہ نکالتے ہیں۔ اس میں صرف ٹکٹوں کے متعلق مضامین اور کلب کے تمام ممبروں کے پتے وغیرہ ہوتے ہیں بعض کلب نئے ٹکٹوں کا پیکٹ بھی اپنے ہر ایک ممبر کو ہر مہینے بھیجتے ہیں۔ اور اس کے بدلے وہ ان سے کچھ ماہواری فیس لیتے ہیں۔ کسی کلب کا ممبر بننے میں تین بڑے فائدے ہیں۔

اول۔ ہر ایک ممبر کو ہر مہینے نئے ٹکٹوں کی خبر مل جاتی ہے۔

دوسرے ٹکٹوں کا تبادلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

تیسرے مہینے کے مہینے نئے ٹکٹوں کا پیکٹ سستے داموں مل جاتا ہے۔

ہندوستان میں اب تک اس قسم کا کوئی کلب موجود نہیں تھا۔ اب ہم نے کراچی میں ٹکٹوں کا ایک کلب کھولا ہے۔ جس کا نام دی فرسٹ انڈین فلیٹلک کلب رکھا ہے۔ اس کا رسالہ ہر دو مہینے میں شائع ہوا کرے گا۔ اس کی فیس ہم نے صرف ایک روپیہ سالانہ رکھی ہے۔ اور جو ممبر چھ آنے مہینہ بھی بھیجا کریں گے۔ ان کو ٹکٹوں کا ایک پیکٹ بھی ہر مہینے بھیجا جائے گا۔

اس کا پہلا رسالہ انشاء اللہ مئی کے آخر میں شائع ہوگا۔ اگر کوئی صاحب اس کے لئے کوئی مضمون بھیجنا چاہیں تو بھیج دیں۔ اگر اچھا ہوگا تو ضرور شائع کیا جائے گا۔ مضمون ٹکٹوں ہی کے متعلق ہونا چاہئیں اور جو صاحب کچھ اور معلوم کرنا چاہیں تو اس پتے پر خط کتابت کریں

ایس، عبدالستار۔ معرفت ایس عبداللہ اینڈ کو

بندر روڈ۔ کراچی۔



اسٹیچ

محترمہ شمسی عبادالرحمٰن

پرانے زمانے میں ہندوستانی عورتوں کی طرح دوسرے ملکوں کی عورتیں بھی دستکاری اور کشیدہ کاری میں بہت ہنرمند ہوتی تھیں۔ غریب اور اوسط درجے کے گھروں میں دستور تھا کہ عورتیں فرصت کے وقت بہت سی ایسی چیزیں اپنے ہاتھوں سے بنا لیا کرتی تھیں۔ جو گھروں میں کام کرنے کے علاوہ بازاروں میں اچھے داموں بک جاتی تھیں۔ اس طرح انھیں اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ تم نے سنا ہوگا ہماری بہت سی بڑی بوڑھیوں نے گوٹا بن کر سوت کات کر چکن کاڑھ کر اور سلائیاں کر کے عمریں گذار دیں گھروں میں بیٹھے بیٹھے اپنی کمائی سے اپنی اور کنبے بھر کی گذر اوقات کی تو یہ بات ہمارے ہی ملک میں نہ تھی، ہر ملک میں ایسا ہی رواج تھا۔ کیونکہ اس وقت کسی ملک میں بھی کڑھائی یا سلائی کی مشینیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ یہ کام ہاتھ ہی سے کئے جاتے تھے۔ ان کی بڑی قدر اور مانگ تھی اور چونکہ آمدنی بھی ہوتی تھی اس لئے بہت سے مرد بھی یہ کام کرتے تھے۔ بعض تو بہت اچھے کشیدہ کار بن جاتے تھے۔ انگلستان میں تو آج بھی سینکڑوں بوڑھے کمزور مرد یا وہ سپاہی جو لڑائیوں میں اپاہج ہو گئے ہیں اور چلنے پھرنے یا کوئی سخت کام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ گھروں میں بیٹھے بیٹھے طرح طرح کا کشیدے کا کام کرتے ہیں۔ دل کا دل بہل جاتا ہے۔ آمدنی کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اس ملک میں اب بھی کشیدہ کاری کی اتنی قدر ہے کہ غریب تو غریب شاہی خاندان میں بھی یہ کام بڑے شوق سے سیکھا اور کیا جاتا ہے بڑی بڑی نمائشوں میں رکھا جاتا ہے اور انعام دئے جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے اسکول ہیں جن میں صرف کشیدہ ہی سکھایا جاتا ہے۔ لندن میں ایک مشہور اسکول رائل اسکول آف نیڈل ورکس کے نام سے ملکہ میری کی سرپرستی میں جاری ہے یہاں بوڑھی ملکہ کے جو خود بھی بڑی اچھی کشیدہ کار ہیں اور انگلستان کی مشہور خاتونوں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اچھی اچھی چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان خاتونوں کو پرانے وقتوں کی کشیدہ کاری کا بہت شوق ہے۔ سب سے زیادہ

ٹیپسٹری جو ہندوستان میں کراس اسٹچ کے نام سے مشہور ہے۔ پسند کی جاتی ہے۔ ٹیپسٹری انگلستان کا بہت پرانا کشیدہ ہے اور ہمیشہ اتنا پسند کیا گیا ہے کہ اس کے بہت سے نمونوں کے نام وہاں کی مشہور بیگموں کے ناموں پر پڑ گئے ہیں مثلاً کوئن این، سیمی۔ کوئن الزبیتھ کشن۔ کوئن میری ہنڈ بیگ۔

سچ تو یہ ہے کہ ٹیپسٹری ہے بھی بہت اچھا کشیدہ اس سے سینکڑوں ایسی خوبصورت اور کارآمد چیزیں تیار ہوتی ہیں جو برسوں استعمال کرنے سے بھی خراب نہیں ہوتیں۔ آتش دانوں کے پردے، کرسیوں کے گدے، غالیچے۔ انسانوں اور قدرتی مناظر کی تصویریں ٹیپسٹری میں ہی صحیح اور قدرتی رنگ روپ میں بنائی جاتی ہیں۔ کسی اور کڑھائی میں نہیں بنائی جا سکتیں۔ وجہ یہ ہے کہ کینوس جالی کے خانوں کے شمار سے مختلف رنگوں کے ہلکے اور گہرے رنگ ایسے صحیح صحیح بھرے جاتے ہیں کہ غلطی نہیں ہونے پاتی۔ ایک ایک ٹانکا بالکل صحیح بیٹھتا ہے اور اس لئے ٹیپسٹری باوجود مشکل اور دیدہ ریزی کا کام ہونے کے بہت دلچسپ کشیدہ ہے۔ اس سے طبیعت اکتاتی نہیں بلکہ جتنا کرو دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔

ٹیپسٹری میں کئی قسم کے ٹانکے استعمال ہوتے ہیں، ان کے انگریزی میں علیحدہ علیحدہ نام ہیں مثلاً پیٹیٹ پوائنٹ اسٹچ۔ گابلن اسٹچ۔ کراس اسٹچ۔ وغیرہ۔ ان سب ٹانکوں کے کاڑھنے کی ترکیب پیام تعلیم کے کسی اگلے پرچے میں بتاؤں گی کیونکہ ٹیپسٹری کا ہر نمونہ ایک ہی قسم کے ٹانکے سے کاڑھنے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کسی نمونے کے لئے کوئی ٹانکا موزوں ہے اور کسی کے لئے کوئی۔ آج کل کراس اسٹچ میں ٹیپسٹری کا کام عام طور پر بنایا جاتا ہے۔ اس لئے تم میں بہت سی لڑکیاں کراس اسٹچ کی کڑھائی اچھی طرح جانتی ہوں گی۔ طوطوں کا نمونہ جو فروری کے پیام تعلیم میں چھپ چکا ہے کراس اسٹچ ہی میں بنایا گیا ہے۔ اسے دیکھ کر اگر تم ایک آتش دان کا پردہ یا دیوار پر لٹکانے کی تصویر بناؤ تو تمہارے لئے بہت سہل ہوگا۔ موٹے خانے کی کینوس پر موٹے اون یا ریشم سے بناؤ گی تو تصویر تقریباً ۱۶ انچ چوڑی اور ۲۴ انچ لمبی ہوگی۔ آتش دان کے لئے چوکور اس شکل کا بنوا لو۔ اور لٹکانے کی تصویر کے لئے تصویر کا معمولی چوکھٹا لو۔



تصویر نمبر ۲ اونٹ :-

اس تصویر میں تم چار اونٹ دیکھتے ہو جو ایک بڑی قطار میں درختوں کے درمیان سڑک پر رات کی خاموشی میں چلے جا رہے ہیں۔

پہلی خرگوشوں والی تصویر کے لئے جو سامان تم نے استعمال کیا تھا وہی اب بھی چاہیئے۔ یعنی ایک نیلا یا پیلا پتلا سا گتا جو ۲۲ انچ چوڑا اور ۲۷ انچ لمبا ہو۔ سیاہ چمکیلے کاغذ کا اپنا تختہ، پنسل، لئی، قینچی اور میز یا فرش پر بچھانے کے لئے پرانے اخبار۔ ہاتھوں کی صفائی کا خیال رہے۔ اور یہ بھی کہ اپنی تصویر کے لئے تم کو ایک کہانی لکھنی ہے۔

تم ایک کاغذ پر درختوں، اونٹوں، ستاروں اور چاند اور سڑک کے کچھ حصوں کی تصویریں دیکھتے ہو۔

نمبر ۱ ا اور ۱ ب ایک درخت کے تنے کے ٹکڑے ہیں اور ۱ ج اس درخت کا اوپری حصہ ہے۔

نمبر ۲ ا اور ۲ ب بائیں طرف کے دوسرے درخت کے تنے ہیں اور ۲ ج اس درخت کا اوپری حصہ ہے۔

نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ سڑک کے حصوں کے ٹکڑے ہیں (جو ایک یا دو ٹکڑوں میں بھی کاٹے جا سکتے ہیں۔)

نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۰ اونٹ ہیں جو سڑک پر چل رہے ہیں۔

نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ ستارے ہیں۔

نمبر ۱۹ چاند ہے۔ اس کی بیرونی لکیر نہیں دی گئی ہے اس لئے کہ چاند کی تصویر تم کو خود بنانا اور کاٹنا چاہیئے۔

تصویر بنانے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں :-

(۱) تمام شکلیں سیاہ چمکیلے کاغذ پر الٹی طرف اتار لو پھر ان کو کاٹ کر تصویر میں جیسی دیکھتے ہو ویسی ہی چپکا لو۔

(۲) تمام شکلوں کو اُن کے قدرتی رنگ میں رنگ لو اور قینچی سے کاٹ کر گتے پر چپکا دو۔ شکلیں کاٹنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ تم نے نقطے والی اور پوری لکیریں اور وہ تمام نشان (×oo، ×o وغیرہ) جن کی ضرورت ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے ملانے میں پڑتی ہے۔ سب ٹھیک اتار لئے ہیں یا نہیں۔

تمام شکلیں الگ الگ کاٹ لو اور جہاں انھیں چپکانا ہے، گتّے پر رکھ کر غور سے دیکھ لو کہ کوئی چیز کم تو نہیں ہے۔

تصویر کیسے چپکانا چاہیئے

(گتّے کی چوڑائی تصویر کی اونچائی ہے) ۲ ب باہر کے درخت کے تنے کا نچلا حصہ ہے جو گتّے کے بائیں طرف سے ۴ انچ اور نیچے د، کالی لکیر سے ۱½ انچ چھوڑ کر چپکایا جائے گا۔

۲ ب اور ۲ ا کی نقطہ دار لکیروں کو ×o پر ملاؤ۔ ۲ ا اور ۲ ج درخت کے سروں ××× کو آپس میں ملاؤ۔

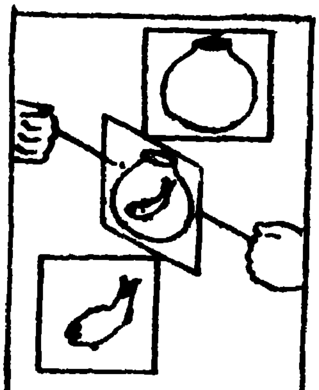
دوسرے درخت کو پہلے درخت سے ۴½ انچ دور چپکانا۔ ا ب کو کالی لکیر کے ساتھ ½ انچ گتّے کا نچلا حصہ چھوڑ کر چپکاؤ۔ ا ب کی نقطہ دار لکیر اور ا ا کی نقطہ دار کو × پر ملاؤ۔ ا ا کی نقطہ دار لکیر اور ا ج کی نقطہ دار لکیر کو ×× پر ملاؤ (دوسرا درخت پہلے سے کچھ چھوٹا ہوگا)

سڑک کے حصّوں کو درخت کی جڑوں سے ذرا اوپر چپکاؤ۔ نمبر ۳ سے شروع کرو۔ (گتّے کے نیچے کے حصّے کو سڑک کے حصوں کی سیدھی کی ہوئی طرف اس طرح ڈھک لے کہ گتّا دکھائی نہ دے۔) نمبر ۲ اور ۴ سڑک کے حصوں کو o پر ملاؤ، نمبر ۴، ۶ کو oo پر اور ۵، ۸ کو ooo پر ملاؤ۔

اونٹوں کو سڑک کی سطح پر ایک دوسرے سے برابر فاصلے پر چپکانا تاکہ وہ دور دور رہیں۔ یہاں اس کا بھی خیال رہے کہ وہ سڑک کے نیچے یا اوپر نہ ہونے پائیں۔

اب ستارے جیسے تصویر میں دکھائے گئے ہیں اسی طرح چپکا لو۔ چاند ایک ستارے کے نیچے گتّے کے اوپری دائیں کونے میں چپکانا۔

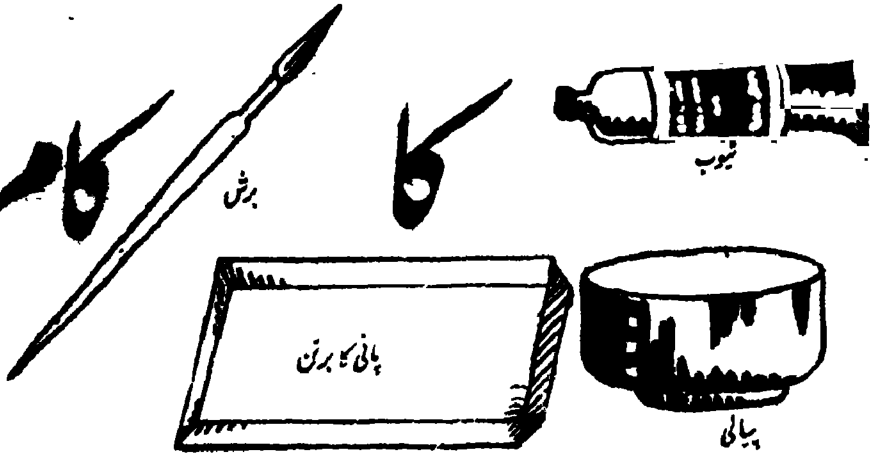
اب تمھاری تصویر مکمل ہے۔ اسے دیکھ کر ایک مزے دار کہانی لکھ کر مجھے بھیج دینا۔ سب سے اچھی کہانی لکھنے والے کو انعام دیا جائے گا۔



ایک تین مربع انچ گتّا لے کر اس پر ایک سفید کاغذ چپکاؤ۔ اس کے ایک کونے میں ایک پیالا ا اور دوسرے کونے میں ایک مچھلی ب کی تصویر بناؤ۔ کارڈ (گتّے کا ٹکڑا) کے دونوں سروں پر بیچ میں ڈوری باندھ کر اس کو بل دے کر گول گھماؤ۔ مچھلی پیالے میں تیرتی نظر آئے گی۔



گتے کا کام



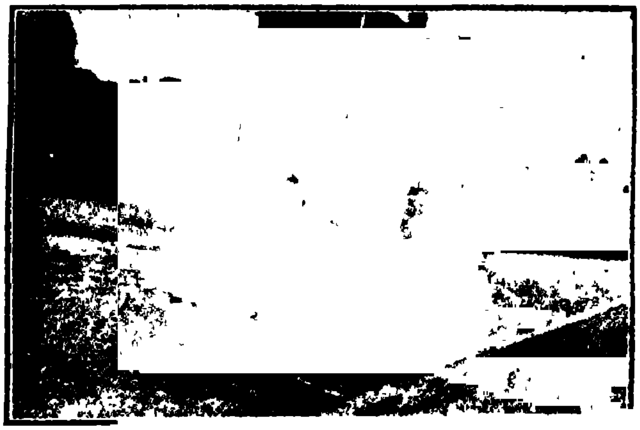
ابری بنانا :-

جو نمونے اب تک تم نے بنائے ہوں گے اُن میں بازار کا رنگین کاغذ استعمال کیا ہوگا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہوگا کہ تمھاری پسند کے رنگ نہ ملے ہوں گے۔ اس دقت کو محسوس کر کے اس مرتبہ کسی نمونے کے بنانے کا طریقہ تو بتلاتے نہیں البتہ ابری بنانا بتلاتے ہیں۔

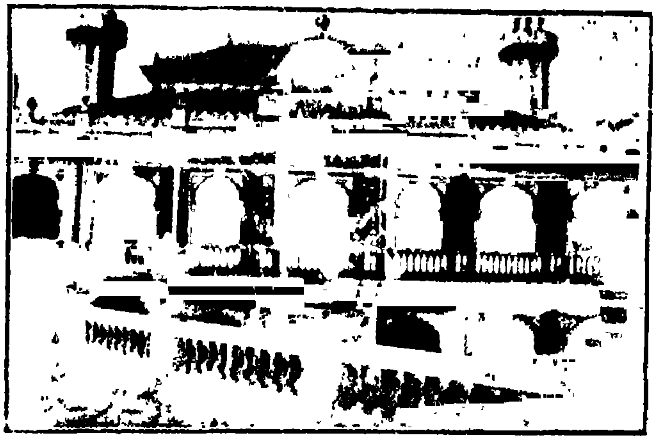
تاسیس نمبر میں تم نے ابری بنانے کا ایک طریقہ پڑھا ہوگا۔ لیکن ہم تمھیں ایک دوسرا طریقہ بتاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اس میں کافی دلچسپی لوگے۔ ایسا آسان طریقہ ہے کہ پڑھ کر بہت ہی خوش ہوگے۔ اور کوشش کروگے کہ اسی وقت سے بنانا شروع کردیں۔ تمھارے چھوٹے چھوٹے بھائی بہن بھی بڑی آسانی سے بنا سکیں گے۔ کھیل کا کھیل، کام کا کام۔

اچھا اب طریقہ سن لو۔ چلو پہلے بازار سے (OIL COLOUR TUBE) تیل کے مختلف رنگ خرید لیں (ایک ٹیوب دو آنے کو ملے گا۔) دو چار پیسے کا مٹی کا تیل۔ رنگ بھرنے کے چھوٹے برش اور سفید کاغذ بھی ساتھ ہی ساتھ لے لیں گے۔ چیزیں تو خرید ہی لیں اب رنگوں کی شیشے یا چینی کی پیالیوں میں مٹی کا تیل ملا کر گھول لو۔ یہ خیال رہے کہ رنگ زیادہ پتلے نہ ہوں اور نہ زیادہ گاڑھے۔ ہر پیالی میں ایک ایک برش ڈال دو۔ اب ایک کھلے ہوئے برتن میں پانی بھر لو۔ کاغذ اور رنگ اپنے پاس رکھ لو۔ برش کے ذریعے ہر رنگ تھوڑا تھوڑا کر کے پانی میں چھڑک دو۔ اور پانی کو ایک برش سے ہلا دو۔ پھر ایک کاغذ کو پانی پر ڈال کر اٹھا لو۔ ابری تیار۔ دیکھنا کیسے کیسے عمدہ نمونے بنتے ہیں۔ ہر مرتبہ ایک الگ ہی نمونہ بنے گا اور ایک دوسرے سے بڑھتا ہوا۔ کہو کیسا آسان طریقہ ہے۔ جن چیزوں کی تم کو ضرورت ہوگی۔ ان میں سے ہر ایک کی شکل بھی بنا کے دیتے ہیں۔

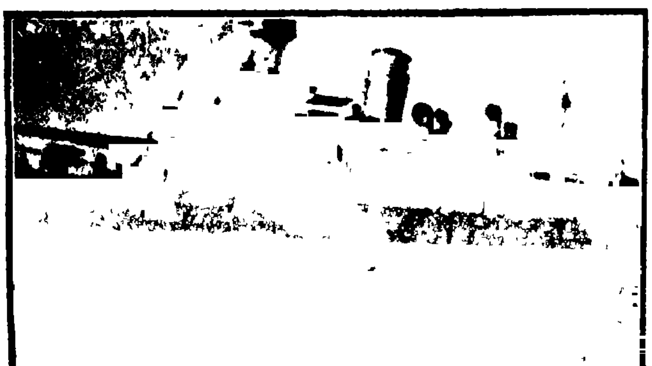
(سید عروج الحسن صاحب، استاد تعلیمی مرکز نمبر ۱ جامعہ)



انڈیا گیٹ بمبئی



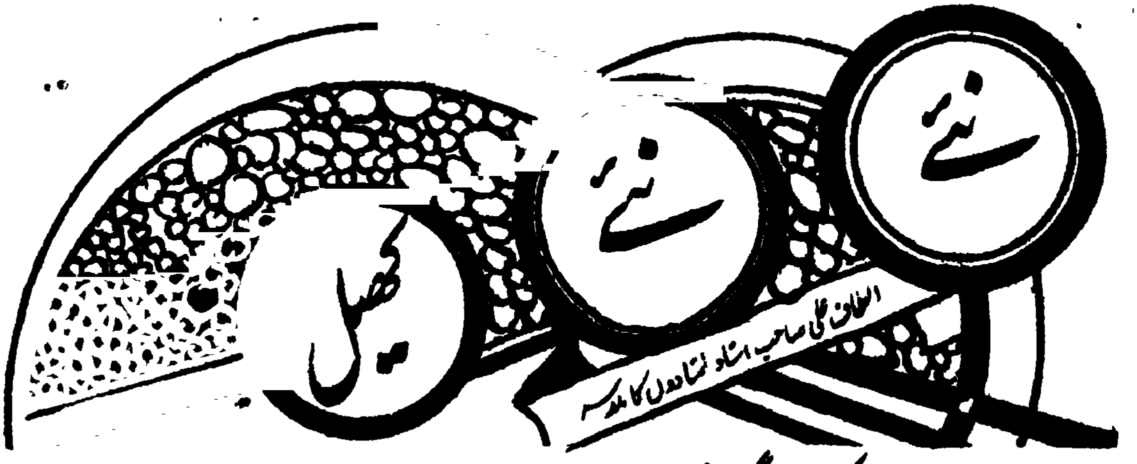
جامع مسجد بمبئی



اس جہاز کی تصویر اسٹیمر کے اندر سے لی گئی ہے (بمبئی)



بچوں کے چڑیا خانہ کا ماڈل

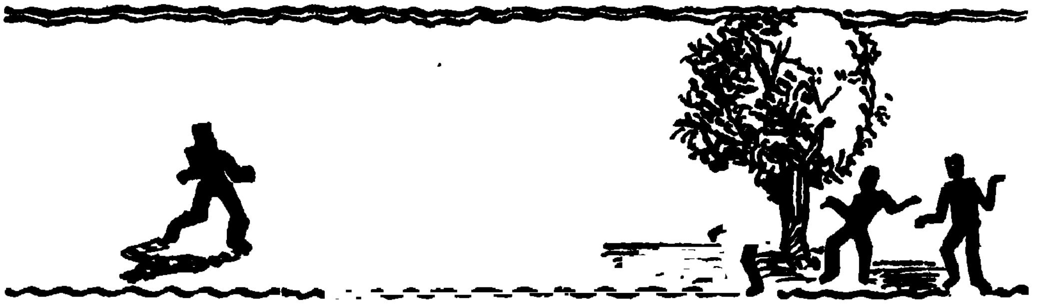


بندریا ری بندریا کون سا گھر دیتی ہے ؟

تعداد ۔ ۵ سے ۵۰ تک ۔

جگہ ۔ جنگل، کھیل کا میدان ، گاؤں کی گلیاں ۔

ایک کھلاڑی کو بندریا چن لو باقی کھلاڑی کسی چیز مثلاً درخت ، مکان ، وغیرہ کو چھوئے کھڑے رہیں ۔ بندریا ان سے دس فٹ کے فاصلے پر رہے (دیکھو شکل) کھیل شروع ہونے پر بندریا سے کہا جائے "بندریا ری بندریا کون سا گھر دیتی ہو" بندریا اس کے جواب میں دور کسی جگہ ، مکان یا درخت وغیرہ کا نام لیتی ہے کھلاڑی اسی کی طرف بھاگتے



بندریا انھیں پکڑنے کی کوشش کرتی ہے کوئی پکڑا گیا تو وہ بندریا بنتا ہے اور پہلی بندریا کھلاڑیوں میں شامل ہو جاتی ہے ۔

احتیاط ۔

(۱) بندریا کسی مخصوص کھلاڑی کا پیچھا نہ کرے اگر کرے تو کھلاڑی چلائیں "اکیلے پیچھے چور ، اکیلے پیچھے چور" اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندریا اس کا پیچھا چھوڑ کر دوسروں کو رگیدے گی ۔

(۲) اگر نئے گھر پہنچنے میں کھلاڑیوں کو دقت ہو تو بندریا سے بچنے کے لئے پھر اپنی جگہ آ سکتے ہیں، جہاں وہ محفوظ رہیں گے۔ کھیل رات کو چاندنی اور بھر جنگل میں غیر معمولی طور پر دلچسپ ہوتا ہے

خط کتابت

حیدرآباد سلور جوبلی، ہندوستان کے جارج ششم مصر، ایران، جرمنی، بلجیم، چرکھاری، ڈنمارک کے بدلے میں زنجبار، پیرو، عدن، اسپانیہ کے ٹکٹ چاہئیں۔

میر محمد علی معرفت میر لطف علی صاحب صبوحی وکیل
سنگاریڈی کارکیس۔ دکن۔

انگلینڈ، ایسٹ افریقہ، ملایا، ملایا سیٹی۔ زیکو سلاویکیہ گوالیار، کابل، جرمنی، سیام اور لنکا کے ٹکٹ روانہ ہیں۔ ان کے بدلے میں ہندوستانی ریاستوں، جنوبی امریکہ، روس، ترکی کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ عبدالعزیز

محلہ کریم پورہ۔ لالہ موسیٰ۔ (پنجاب)

آیندہ سے ہمارے پاس ٹکٹ نہ بھیجا کرو۔ اس سے مبادلے میں دقت ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

مجھے حیدرآباد اور ہندوستان کے ٹکٹوں کے بجائے دوسرے ممالک کے ٹکٹ یا تصویریں بھیجئے۔

احمد یاد اللہ، دودھ گلی۔ تواہی، عدن۔

حیدرآباد، جے پور، جرمنی، فرانس، بلجیم، امریکہ، اٹلی، جاپان، افغانستان، ہنگری، عمانیہ، کناڈا، آسٹریا، ڈنمارک، پرتگال، سیلون، مصر، الجیریا، پیرو، برازیل، اسپین، سوئٹزرلینڈ، سویڈن، عدن، آسٹریلیا، وغیرہ کے ٹکٹوں کے بدلے میں افغانستان، عرب، شام، چین، مالٹا، البانیہ، ترکی، ملایا، حبش، ہانگ کانگ، بھوپال، کیوبا، سیام، برما قدیم و جدید، زنجبار، فلسطین، نائجیریا، گولڈ کوسٹ، جمیکا، اندور، عراق، برٹش گائنا، بولیویا، پٹیالہ کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ محمد اسمٰعیل

معرفت محمد غوث اسٹور کیپر۔ سنگاریڈی کارکیس (دکن)

مجھے خط کتابت، فوٹوگرافی، مضمون نگاری، افسانہ نویسی، سگریٹ جمع کرنا، ایکٹنگ، تقریر، اخبار بینی، اور ڈرائنگ سے شوق ہے۔ چاند شرما

مین ہوسٹل، گورنمنٹ کالج، لدھیانہ

آئرلینڈ، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ، کناڈا کے ٹکٹوں کے بجائے چین، جاپان، عرب، مصر، شام کے ٹکٹ چاہئیں۔ اقبال محمد شفیع

معرفت جناب ایس، ایم شفیع صاحب
پروفیسر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

معلومات

سب سے زیادہ قیمتی گڑیاں :- دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی گڑیاں مرائینی (MARIANNE) اور فرینکوئس (FRANCOISE) نامی ہیں۔ یہ فرانسیسی بچوں نے شہزادی الزبتھ اور شہزادی مارگریٹ کو اس یادگار میں پیش کی ہیں کہ شہنشاہ اور ملکہ پیرس گئے تھے۔ مرائینی ایک سانولی گڑیا ہے اور فرینکوئس ایک گورا گڈا۔ ہر ایک کی لمبائی ۳ فٹ ہے۔ اُن کے آٹھ رونق دار کوٹ ہیں جو جدید ترین طرز کے کٹے ہوئے اور چیتے، بھیڑ، اود بلاؤ اور ایک چھوٹے جانور (قاقم) اور اس کے بال کے بنے ہوئے ہیں۔ اور بیس شیشیاں عطر کی ہیں جن میں سے اکثر پر رائل آرمس آف انگلینڈ کھدا ہوا ہے۔ گڑیاں اور اُن کا یہ سب ساز و سامان پانچ ہزار پونڈ میں بھی نہیں خریدا جا سکتا۔

عجیب و غریب بچہ :- جین فلپ بارا ٹیئر (پیدائش ۱۷۲۱ء۔ موت ۱۷۴۰ء) فرینچ ہوگینو ناٹ (جو جرمنی میں پناہ گزیں تھا) کا بیٹا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر قبل از وقت نشوونما پانے والا اور حیرت انگیز حافظے کا مالک تھا سوائے اپنے باپ کے اور اُس کا کوئی استاد نہ تھا۔ چار برس کی عمر میں وہ تین زبانیں بولنے لگا تھا جن میں جرمنی، فرانسیسی اور لیٹن شامل تھی پانچویں برس میں اس نے ایک یونانی بائبل کا ترجمہ کیا۔ سات برس کا ہونے سے پہلے اس کو حضرت داؤد کے بھجن یا مناجاتیں عبرانی زبان ہی میں حفظ یاد تھیں۔ وہ جب نو برس کا تھا۔ تو اس نے عبرانی زبان کے اُن الفاظ کی لغت لکھی جو نادر اور کم مستعمل تھے۔ چودھویں برس میں ہلے (HILLE) یونیورسٹی میں پروفیسر، فلسفے میں ڈاکٹر اور رائل اکیڈمی برلن کا ممبر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے اپنی اس خلافِ معمول قبل از وقت ترقی پر عمر کے انیسویں برس میں اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا دیا

افریقہ میں ایک قسم کا گلاب پیدا ہوتا ہے جس کا رنگ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں ایسا گلاب دنیا کے اور کسی خطے میں پیدا نہیں ہوتا۔

(چاند شرما)

ٹکٹوں کی خبریں

برلن کی موٹر اور بائیسکل کی نمائش کا ڈاک کے ٹکٹوں سے پروپیگنڈا کیا گیا تھا۔ یہ ٹکٹ اُن پر چھپی ہوئی قیمتوں سے زیادہ قیمت پر نمائش گاہ میں بکے تھے۔ اُن میں سے ایک ٹکٹ پر پرانی تین اور چار پہیوں والی موٹر کی تصویر ہے اور دوسرے پر جدید ترین موٹر دوڑتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔

جون ۱۹۳۹ء میں شاہ انگلستان اور ملکہ نیوفاؤنڈلینڈ کا دورہ کریں گے۔ اس خوشی میں وہاں ۵ سینٹ قیمت کے ہنگامی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔

سُنا جا رہا ہے کہ برطانیہ سے شمالی امریکہ تک ہوائی ڈاک کا سلسلہ قائم کیا جانے والا ہے اور خطوں کے آدھا اونس وزن پر صرف ایک شلنگ قیمت لی جائے گی۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ نہر پناما کی پچیسویں سال گرہ کے موقع پر ۱۹ ڈاک کے اور ۹ ہوائی میل کے ٹکٹ جاری کرے گی۔ ان ۲۸ ٹکٹوں کی مجموعی قیمت چار شلنگ سے کچھ ہی کم رکھی جائے گی۔

گلبرٹ اور ایلس جزیروں سے حال ہی میں ایسے باتصویر ٹکٹ جاری ہوئے ہیں جن کا رنگ اور ڈیزائن نہایت خوب صورت ہے۔

فرانس میں اپریل میں ایک ٹکٹ شائع ہوا ہے جس سے (CLEMENCEA) نامی نئے بحری جہاز کے چلنے کی اطلاع دی جائے گی۔

سیلون میں جارج ششم کے نئے ٹکٹوں میں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ بیس روپئے کے ٹکٹ پر دس روپیہ چھپ گیا ہے۔ اس قسم کے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے لئے خاص چیز ہیں۔

برما نے اپنے کم قیمت ٹکٹ دفتری معاملات میں استعمال کرنا شروع کر دئے ہیں ان پر (SERVICE) چھپا ہے۔ ہندوستان میں ایسے ٹکٹوں کے بجائے جن پر (SERVICE) دوبارہ چھپتا ہے خاص ٹکٹوں کے جاری کرنے کی تجویز ہے۔



۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو محمڈن اسپورٹنگ کلکتہ نے ڈیوک آف کارنوال لائٹ انفنٹری کو ڈی مانٹ مورنسی فٹ بال ٹورنامنٹ کے فائنل میں برن انسٹیٹیوٹ گراؤنڈ پر ہرایا۔ گورنر پنجاب نے انعامات تقسیم کئے۔ تقریباً دس ہزار تماشائی موجود تھے۔

ڈیٹ رائٹ امریکہ میں مس جین لیرڈ نے عورتوں کے تیرنے کا ۱۰۰ گز کا ریکارڈ ۰۰ سیکنڈ تیر کر توڑا۔ پچھلا مسز رال تھا بسن کا قائم کیا ہوا ریکارڈ ۰ ۵ سیکنڈ کا تھا۔

لکھنؤ اسپورٹس ایسوسی ایشن (۱۱) کی ٹیم کے لئے ۴۰ بہترین کھلاڑیوں کی آزمائش ہوئی۔ جن میں سے ۱۶ کھلاڑی بیگٹن ہاکی ٹورنامنٹ کلکتہ کے لئے چنے گئے۔

کراچی کا پولو ٹورنامنٹ ۰ اپریل کو ختم ہوا جس میں گورنر کپ رائل دکن ہارس ٹیم کوئٹہ اور سیمیڈری کپ رائل آرٹیلری حیدرآباد نے حاصل کیا۔ ہزایکسیلنسی لیفٹیننٹ گورنر نے انعامات تقسیم کئے۔

بمبئی میں ۱۹ اپریل کو ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے

آغا خان ہاکی ٹورنامنٹ کا فائنل میچ بھوپال وانڈررس (بھوپال) اور بھگونت کلب (ٹیکم گڈھ) کے درمیان ہوا۔ گذشتہ سال بھگونت کلب کپ لے گئی تھی اور اس سال بھی امید تھی مگر بھوپال کی ٹیم نے تین گول کئے اور انھوں نے ایک اور اس طرح بھوپال وانڈررس دو گول سے جیت گئے۔

اسٹیشن بھوپال پر ٹیم کی واپسی پر ایک شاندار استقبال کیا گیا جس میں عوام کے علاوہ وزیر علی (کرکٹ کے بہترین کھلاڑی) اور ریاست کے دوسرے عہدے داران بھی شامل تھے۔

لندن کی عورتوں کی کرکٹ ٹیم نے ۱۶ کھلاڑیوں کو آسٹریلیا میں ٹیسٹ میچوں کے تیسرے سلسلے کے لئے چنا ہے۔ یہ ٹیم ۲۰ اکتوبر تک آسٹریلیا پہنچ جائے گی۔

نواب صاحب پٹودی کی صحت اب چند ماہ سے بالکل ٹھیک ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ پنٹا گو کرکٹ ٹورنامنٹ بمبئی میں مسلمانوں کی طرف سے کھیلیں گے۔

پیامِ برادری

پیاری بچیو اور بچو۔ خوش رہو اور تن درست۔ اس مہینے میں گرمی بہت بڑھ گئی ہے۔ تیز دھوپ اور گرم ہوائیں چل رہی ہیں۔ تم سب بھی گرمی کی وجہ سے بہت پریشان ہوگے۔ مگر یہ تیز دھوپ اور لوہ ہمارے لئے مفید بھی ہے۔

پچھلے مہینے میں نے برادری کی شاخوں سے برادری کے عہدے داروں کے پتے منگوائے تھے اور پچھلی کارگذاری یعنی روداد بھی۔ مگر افسوس ہے کہ سوائے ایک دو شاخوں کے کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اس سے کام میں دقت پیش آرہی ہے امید ہے کہ یہ سب شاخیں میرا خط پڑھتے ہی یہ دونوں چیزیں بھیج دیں گے۔

عزیزہ عقیلہ شاکر ملہا کی کوشش سے دہلی میں بھی بچیوں کی ایک شاخ قائم ہوگئی ہے۔ اس کے ایک جلسے کی روداد اسی پرچے میں کہیں چھپ رہی ہے۔ ابھی ممبروں کی تعداد کم ہے۔ دہلی کے پیامیوں کو چاہئے کہ وہ اپنی بہنوں اور دوسری رشتے دار بچیوں کو برادری میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔

امید کے خلاف اس مرتبہ کیمرے کی تصویریں کم آئیں۔ صرف شیخ محمد اقبال (کیمل پور)، محمد رفیق (کیمل پور)، سید اقبال حیدر (میرٹھ)، احمد الصمد (سنبوں) اور محمد شفیق (میرٹھ) نے تصویریں بھیجی ہیں۔ ہمارے فوٹوگرافر صاحب نے احمد الصمد کی تصویر زیادہ پسند کی ہے اور پھر محمد شفیق صاحب کی۔

اگلے پرچے کے لئے بچے کسی پرندے کی تصویر کھینچ کر بھیجیں۔ تصویر پرچہ پہنچنے کے آٹھ دن بعد ڈاک میں ڈال دی جائے۔

میرا ایک مضمون کاغذ کاٹنے پر اس پرچے میں چھپ رہا ہے میں نے بچوں سے تصویر پر کہانی لکھنے کو بھی کہا ہے۔ یہ کہانی میرے پاس ۲۰ رجون تک پہنچ جائے۔ جس بچے کی کہانی سب سے اچھی ہوگی اسے میں انعام دوں گی۔ اچھا سا انعام

"تمھاری آپا جان"

جلسوں کی کارروائی

دہلی :- لڑکیوں کی شاخ پیام برادری کا پہلا جلسہ عقیلہ شاکر صاحبہ کی صدارت میں ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ۹ بجے صبح پردہ باغ دہلی میں ہوا۔ اس جلسے میں مندرجہ ذیل تجویزیں منظور ہوئیں :-

(۱) جلسے میں فاخرانہ لباس نہ پہنا جائے (۲) ہر ممبر ہر مہینے ایک مضمون لکھے اور "پیام برادری" نامی قلمی رسالہ میں یہ مضامین جمع کئے جائیں (۳) سات سے بارہ سال اور بارہ سال سے سولہ سال کی عمر تک کی لڑکیوں کے لئے الگ الگ پروگرام ہو (۴) ممبروں کو عمر کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے۔ (۵) لڑکیاں اپنے ہاتھ کی دستکاری کی نمائش کریں یا ان کو بیچیں جن سے ایک کتب خانہ قائم کیا جائے۔ (۶) جلسہ پندرھویں دن پردہ باغ دہلی میں ہوا کرے گا۔

آئندہ مباحثے کے لئے یہ عنوان ہے "آیا سینما دیکھنا اچھا ہے یا بُرا" چھوٹی بچیاں اخلاقی کہانیاں سنائیں گی اور سب سے اچھی کہانی سنانے والی کو انعام ملے گا۔ عقیلہ شاکر صاحبہ، صدر جلسہ کی طرف سے پھل وغیرہ سے ممبروں کی تواضع کی گئی اور جلسہ ختم ہوا۔

خاکسار الطاف جہاں سکرٹری شاخ پیام برادری۔ دہلی۔

سیال کوٹ سٹی :- ہمارا ایک جلسہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۰ء کو پرکاش چندر سکٹری کی صدارت میں ہوا۔ جاگو اور جگاؤ کے نعروں کے بعد گیتا پر ممبروں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا پچھلے مہینے کی کارروائی پڑھی گئی۔ پھر ہردیپ سنگھ نے ایک کہانی ستہ پال کے ایک مضمون، اندر سکھ دیپ نے لطیفے اور خاکسار نے حیدرآباد دستہ گرہ کی خبریں سنائیں۔ صدر نے سوڈا واٹر سے خاطر کی اور جلسہ برخاست ہوا۔ کرشن کمار آنند۔ ناظم شاخ برادری۔ سیالکوٹ۔

دہلی :- ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ۵ بجے جامعہ میں جناب عمر کامل صاحب کی صدارت میں برادری کا ایک جلسہ ہوا۔ تلاوت قرآن عبدالفتاح صاحب نے کی۔ ناظم نے پچھلے جلسے کی روداد سنائی اور مندرجہ ذیل ممبروں نے مضامین اور نظمیں پڑھیں :-

(۱) عطاءالرحمٰن صاحب - جاگو اور جگاؤ
(۲) محمد آفتاب احمد صاحب - اتفاق
(۳) سید احمد صاحب ٹونکی - مصطفےٰ کمال
(۴) محمد یوسف صاحب صدیقی - تندرستی کے قاعدے
(۵) مشتاق صاحب - نظم
(۶) حسن احمد صاحب قنوجی مولانا عبیداللہ صاحب سندھی
(۷) انور شاہ صاحب - عجیب کہانی
(۸) میر عالم صاحب - صفائی
(۹) محمد یوسف صاحب - نظم
(۱۰) خورشید مصطفےٰ صاحب کہانی
(۱۱) غلام نبی صاحب نکتہ چینی
(۱۲) محمد مصطفےٰ صاحب - پیام برادری کیا ہی؟

مضامین اور نظمیں اچھی تھیں۔ جلسہ کامیابی کے ساتھ ۶½ بجے ختم ہوا۔

(ناظم حسن احمد قنوجی)

ضلع سارن:- ہمارا پہلا جلسہ ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہوا۔ اس میں پیام برادری کی خوبیاں اور فوائد بیان کئے گئے اور حسب ذیل عہدے دار منتخب ہوئے ہیں

(۱) صدر - حافظ توحید خاں صاحب

(۲) نائب صدر - عبدالمجید انصاری صاحب

(۳) ناظم - ظہور الحسن صاحب

(۴) نائب ناظم - محمد صدیق صاحب صدیقی

۵ خزانچی - عبداللطیف صاحب۔

ممبران:-

(۱) امیر حسن صاحب

(۲) محمد جمن صاحب

(۳) محمد طیب صاحب

(۴) عمدہ علی صاحب

(۵) نورالعین صاحب

(۶) ریاض الرحمٰن صاحب۔

۲۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہمارا دوسرا جلسہ ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد "محبت ترانہ" پڑھا گیا۔ صدر حافظ توحید خاں صاحب نے صدارتی خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد شاہ غازی والیٔ عراق کی موت پر اظہار غم کیا گیا اور ۴ مئی کو میلادالنبی ہونا طے پایا

(ناظم محمد ظہور الحسن)

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین، ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس۔ دہلی

١

بچّوں کی علمی کتابیں

کائنات سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا چیز ہے؟ سب کے سب چلتے پھرتے کیوں ہیں؟ گرمی جاڑا کیوں ہوتا ہے؟ ان باتوں کو دلچسپ باتوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کا دلچسپ حال۔ سب کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ قیمت ۴ر

دنیا کے بچّے دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے حالات۔ بہت آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دنیا کے بسنے والے کئی ملکوں کے باشندوں کے دلچسپ حالات۔ تقریباً پچاس مختلف تصویریں۔ بہت ہی مزے دار۔ قیمت ۵ر

تعلیمی کھیل اول جماعت سے چھٹی جماعت تک کے لئے ایسے کھیل جن سے بچوں میں حساب، انگریزی، ڈرائنگ وغیرہ کی قابلیت بڑھتی ہے۔ قیمت ۳ر

عجائب خانہ سمندر سمندری دنیا کے دلچسپ حالات۔ بہت سی تصویریں۔ قیمت ۸ر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱



ہونہار بچّے

یہ ہونہار بچے ہیں۔ تندرست اور کھیل کود کے شوقین۔ باہر کھیل کود کر جب یہ گھر آئیں تو انھیں تعلیمی تاش دے دیجئے۔

تعلیمی تاش بازاری تاش سے بالکل الگ چیز ہے۔ بچے اسے ہنسی خوشی کھیلیں گے۔ وہ اسے کھیل سمجھیں گے۔ سچ مچ یہ ہے بھی کھیل۔ لیکن چپکے چپکے یہ کھیل ان کے ذہن کی طاقت کو بڑھائے گا۔ ان کو پڑھنے لکھنے میں مدد دے گا۔ تعلیمی تاش نہایت دلچسپ اور مفید تعلیمی کھیل ہے۔ آپ اسے ابھی منگا لیجئے

قیمت فی بکس
بڑا سائز اردو انگریزی ۱۲؍ اردو ۸؍ ۔ ہندی ۱۲؍ انگریزی ۱۰؍
چھوٹا سائز اردو ۶؍ ۔ انگریزی ۷؍

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔ اے پی ایچ ڈی، مطبوعہ جید برقی پریس دہلی